سوانح

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالقیوم حقانی

القاسم اکیڈمی • جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس • خالق آباد نوشہرہ • سرحد پاکستان

عصر حاضر کے جلیل القدر عالم ○ محدث کبیر ○ شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبدالحقؒ کے حالاتِ زندگی علمی وعملی کمالات

نمایاں صفات، اندازِ تعلیم وتربیت، دینی واصلاحی ○ قومی وملی اور ملکی خدمات کا دلآویز
اور ایمان افروز تذکرہ

مولانا عبدالقیوم حقانی

القاسم اکیڈمی ○ جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس ○ خالق آباد، نوشہرہ ○ سرحد پاکستان

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم

نام کتاب .... سوانح شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ

تصنیف .... مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت .... ۳۲۰ صفحات

کمپوزنگ .... حافظ حبیب الرحمٰن ، گل رحمٰن ، جان محمد

پروف ریڈنگ .... مولانا عمادالدین محمود

تعداد ۱۱۰۰

تاریخ طباعت .... مئی ۲۰۰۱ء / صفر المظفر ۱۴۲۲ھ

ناشر .... القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ
خالق آباد ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان

ملنے کے پتے:

- ...... کتب خانہ رشیدیہ ، مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
- ...... مکتبہ سید احمد شہید ، ۱۰ الکریم مارکیٹ ، اردو بازار لاہور
- ...... مکتبۃ الایمان ، غزنی اسٹریٹ یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور
- ...... زم زم پبلشرز ، نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی
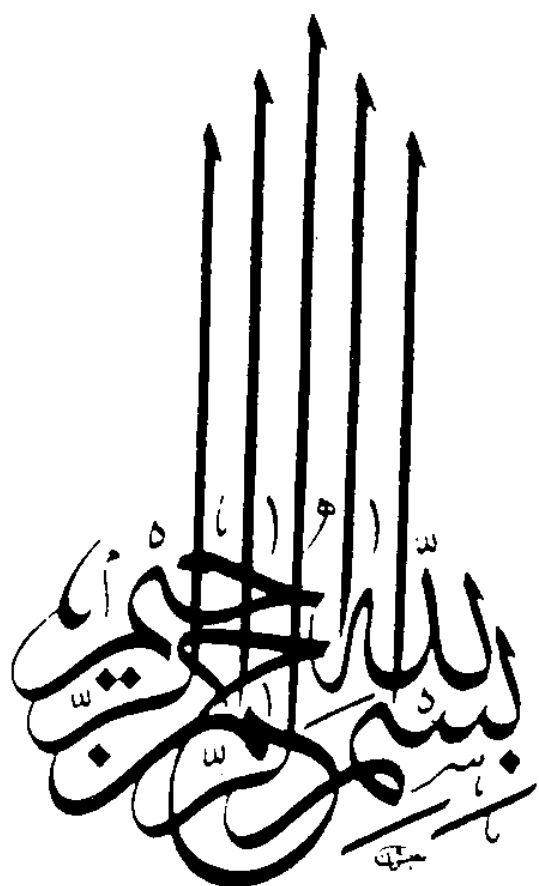
شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ پر مصنف

کی دیگر علمی کاوشیں

نام کتاب	صفحات
✪ حقائق السنن شرح اردو جامع السنن للترمذی	536
✪ ماہنامہ الحق کا شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نمبر	1200
✪ صحبتے با اہل حق	406
✪ سوانح شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ	320
✪ میرے حضرتؒ میرے شیخؒ	275
✪ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ بارگاہ رسالتؐ میں	120
✪ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی قومی وملی اور سیاسی خدمات	___
✪ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی ڈائری	___
✪ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے اوراد و وظائف	64

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد

ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان

فہرست مضامین

....

باب ٦

....

باب ٧

....

باب ٨

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم نے تو دل جلا کے سرراہ رکھ دیا
اب جس کے دل میں آئے وہی پائے روشنی

حرف آغاز

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

حضرت علیؓ کا قول ہے " عرفت ربی بفسخ العزائم " انسان ہزار کوشش کرے نہ تو کسی کام کو اپنے وقت سے پہلے انجام دے سکتا ہے اور نہ وقت سے ٹال سکتا ہے۔ تقدیر الٰہی میں ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور جن کے ہاتھوں سے مقرر ہوتا ہے' انہیں توفیق بھی مل جاتی ہے -- ع

ایں سعادت بزور بازو نیست

قدرت اپنے مقررہ وقت پر اس کام کی تکمیل اپنے مخفی ہاتھوں سے کرا دیتی ہے۔ پھر جذبہ اور داعیہ بھی پیدا ہو جاتا ہے' اسباب اور وسائل بھی مہیا ہو جاتے ہیں اور رجال کار بھی مل جاتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی وفات کے بعد جب احقر کو ماہنامہ الحق کے " شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نمبر " کی ترتیب و تدوین کی خدمت کا موقع ملا اور چار سال کی شب و روز محنت شاقہ کے بعد ایک عظیم تاریخی اور جامع دستاویزی یادگار نمبر حضرتؒ کے تلامذہ' متعلقین' مستفیدین' عامۃ المسلمین اور علمی و دینی حلقوں کی خدمت میں پیش کر دیا گیا تو اُسی وقت احقر نے خصوصی نمبر کے صفحہ ۸۹۴ پر حضرت شیخ الحدیثؒ کی سیرت و سوانح کی علیحدہ ترتیب و اشاعت کا اشتہار بھی شائع کرا دیا اور اعلان بھی کر دیا' کچھ اخذ و ترتیب اور

مسودات پر ابتدائی مراحل میں کام بھی کیا۔ لیکن یہ کام نہ ہو سکا۔ شاید قدرت کو یہی منظور تھا کہ یہ کام ٹھوس انداز میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے شایان شان مکمل ہو۔ خود حضرت شیخ الحدیثؒ اگر چاہتے تو اپنی زندگی میں یہ کام مکمل کرا سکتے تھے، کئی اکابر کی آپ بیتیاں ان کی زندگی میں مکمل ہوئیں اور کتابی صورت میں ان کے سامنے آئیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں مخدوم زادہ ذی قدر حضرت مولانا حامد الحق حقانی بھی کچھ ایسی درخواست کی حکایت نقل کرتے ہیں :

" میں نے حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! آپ اپنی یاد داشت (سیرت و سوانح) کیوں نہیں لکھوا لیتے تو حضرتؒ مسکرا کر فرمانے لگے بیٹا! اب وقت بھی نہیں اور صحت اور نظر بھی کمزور پڑ چکی ہے۔ میں نے مجبور کیا کہ حضرت! آپ بولیں اور مولانا عبد القیوم حقانی صاحب لکھیں گے تو ناراض ہو کر بولے کہ بیٹا! مولانا عبد القیوم حقانی صاحب اور بہت سے علمی کام کر رہے ہیں، میں ان پر مزید بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ بعد میں اللہ کو منظور ہوا تو آہستہ آہستہ خود ہی حالات رقم ہو جائیں گے۔" (الحق خصوصی نمبر، ص ۱۱۵۶)

اور آج حضرتؒ کی وفات کے بارہ سال بعد حضرتؒ کا ارشاد اور پیش گوئی بحمد اللہ پوری ہو رہی ہے۔ "دیر آید درست آید" کے مصداق انشاء اللہ اس عظیم علمی، تحقیقی اور تاریخی کام سے حضرت شیخ الحدیثؒ کی روح کو سکون اور سرور نصیب ہو گا اور یہ حضرتؒ کی روحانی توجہ کا ثمرہ اور حضرتؒ کی دعاؤں کی برکت ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی ذات اور شخصیت منبع علوم و فنون، منبع فیوض و برکات، مرکز رشد و ہدایت اور ذخیرہ گفتار و کردار تھی اور ان تمام اوصاف کے بیان کے لئے کئی ضخیم نمبر بھی ناکافی ہیں۔ پیش نظر تذکرہ و سوانح محض فضائل اور مناقب کا بیان نہیں اور نہ ہی کشف و کرامات کا اظہار مقصود ہے۔ کتاب محض

خشک تاریخ اور شخصیت کے بیان میں مبالغہ آمیزی کا مجموعہ بھی نہیں' بلکہ شخصیت کے وہ پہلو سامنے لائے گئے ہیں جو محرک عمل ہوں۔ جنہیں پڑھ کر قاری کے ذہن میں عمل کا داعیہ پیدا ہو۔ اللہ کرے یہ حقیر کاوش قارئین کے اخلاص وللّٰہیت میں ارتقاء' سیرت وافکار میں جلااور فکر و عمل کے تمام زاویوں میں بھرپور راہنمائی اور انگیخت کا ذریعہ بنے۔ آمین۔

☆☆☆

حضرت شیخ الحدیثؒ اپنی زندگی کے تمام اعمال' روز وشب کے معمولات' اپنی شکل وصورت اور وضع و قطع میں ایک مذہبی شخصیت کی مثال تھے۔ لیکن وہ ملکی زندگی کے تقاضوں کو بھی سمجھتے تھے اور قومی فرائض کی بجاآوری میں وہ کسی قوم پرست سے پیچھے نہ تھے اور ایک محدث اور شیخ الحدیث ہونے کے ساتھ وقت کی سیاست اور اس کی رفتار کار کے اندازہ شناس بھی تھے۔ مذہب و سیاست کے جام و سندان پر ان کی گرفت سخت تھی اور دونوں کو یکجا کر کے ان کے دائرہ و حدود کی نزاکت پر بھی نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے کبھی بھی شریعت کے خصائص کو عشق کے مطالبوں اور تقاضوں سے پامال نہیں ہونے دیا اور ان کی سیرت کی یہ ایک امتیازی خوبی تھی کہ سیاست کے دریامیں اپنی کشتی کی تختہ بندی کر کے بھی دریا کے چھینٹوں سے اپنی زندگی کے دامن کو تر نہیں ہونے دیا۔ اور مجھے یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں کہ ان تمام فضائل و محامد علم و عمل اور خصائص و محاسن فکر و سیرت اور ایثار وقت و جان اور جہاد ملی و قومی کی جامع کوئی شخصیت اگر ہے تو وہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ العزیز کی ہے۔

☆☆☆

اربابِ فضل و کمال' اہل قلم اور اصحابِ نظر آپ کے علم و عمل کے مختلف میدانوں میں آپ کے افکار و خدمات کا جائزہ لیں گے لیکن ان معنوں میں آپ کی

ذات گرامی ایک ذات تھی کہاں ؟ آپ کا وجود مقدس و گرامی مرتبت علم وادب، فکر و نظر، مذہب و سیاست، ایثار و عمل، جہاد و عزیمت اور اخلاق و سیرت اور مذہبی علوم و فنون کے مختلف دبستانوں کا ایک دبستان اور سینکڑوں انجمنوں کی ایک انجمن تھا۔ آپ کے وجود مقدس سے فیضان الٰہی کے سینکڑوں چشمے پھوٹے۔ آپ کی خدمات کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ آپ کی دعوت آغاز کار سے لے کر آج تک، مسند درس و تعلیم اور ذوق عمل کی تربیت سے لے کر میدان جہاد و عمل تک، دعوت و تبلیغ اور مواعظ رشد و ہدایت سے لے کر جہاد لسانی کے ملی و قومی میدانوں تک، جہاد افغانستان کے شروعات سے لے کر تحریک طالبان تک، مسلمانوں کی عام اجتماعی زندگی سے لے کر بین الملی سطح تک، رسومات اور بدعات کے خلاف عملی اقدامات سے لے کر پارلیمنٹ کی رزمگاہوں تک اور اسلامی و دینی دائرے سے لے کر قومی سیاست کے تمام گوشوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

----------☆☆☆----------
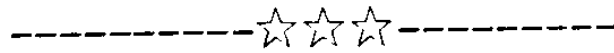
حضرت شیخ الحدیثؒ کی شخصیت کے مختلف پہلو ہیں اور حضرتؒ نے ہر پہلو میں علمی اور عملی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ حضرتؒ ایک جامع صفات اور جامع جہات شخصیت کے مالک تھے۔ جب حضرتؒ کی سیرت و سوانح کے تمام ابواب اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ کسی صاحب ذوق کو میسر نہ آئیں تو نقش عظمت و جمال اسی قدر ناتمام رہتا ہے۔

کسی صاحب عزم و ہمت اہل قلم کو اس جانب متوجہ ہونا چاہیئے۔ اگر خیال ہو کہ موجودہ دور میں کوئی ایک صاحب قلم کئی سال تک اپنے وقت و مال کا ایثار نہیں کر سکے گا اور یکساں توجہ و انہماک کے ساتھ کام جاری رکھنا ممکن نہ ہوگا تو مرکز و مادر علمی جامعہ دارالعلوم حقانیہ "خدمات شیخ الحدیثؒ" کا ایک جامع منصوبہ بنا کر ابنائے دارالعلوم میں، علمی شخصیات میں ان کے ذوق اور رجحان کے

مطابق اس کے ابواب علم و عمل تقسیم کرے اور ضرورت کے مطابق اس کا مواد اور دوسرے وسائل بھی مہیا کرے۔ ایک مقررہ مدت کے اندر منصوبے کی تکمیل کی سعی کی جائے۔ نیز ایک بورڈ آف ایڈیٹرز تشکیل دیا جائے جو اس پر نظر ثانی کا کام انجام دے۔

---------☆☆☆---------
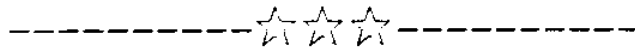
پیش نظر سوانح ایک جامع اور مفصل تحقیقی تاریخ نہیں جس میں جزئیات اور تاریخی تدقیقات تک کو زیر بحث لایا گیا ہو۔ نیز یہ مرکز علم جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی تاریخ بھی نہیں اور اس میں جامعہ کے آغاز' رفتار کار' تعمیرات' ترقیات' تدریسی مراحل' تعلیمی نظام اور نصابِ تعلیم سے بحث کی گئی ہے اور نہ اس میں جامعہ کے فضلاء' اطراف واکناف عالم میں ان کے ہمہ جہتی کردار اور خدمات کو زیر بحث لایا گیا ہے اور نہ یہ کوئی ایسا مرقع ہے جس میں حضرتؒ کے عظیم سیاسی اور قومی و ملی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہو' اور نہ یہ کوئی ایسی تاریخی دستاویز اور جامع علمی کاوش ہے جس میں حضرتؒ کے جہاد افغانستان کے لائق تلامذہ اور اب تحریک طالبان میں فضلاء حقانیہ کے انقلابی کردار کا تذکرہ اور ثمرہ ہو۔ صرف حضرتؒ کا جنازہ' اس کے ایمان پرور مناظر' شرکاء جنازہ کی والہیت' دور دراز سے لوگوں کا پہنچنا' غیبی کرامات اور مقبولیت کی علامات' عظیم شخصیات کی شرکت اور اپنے اپنے تاثرات - بذات خود ایک مستقل موضوع ہے۔ مستقبل کا مؤرخ صرف اسے مکمل کرے گا تو ضخیم کتاب بن جائے گی۔ مگر ہم نے اس موضوع کی تفصیلات بھی نہیں چھیڑا اور نہ آپ کو اس کتاب میں حضرتؒ کے آباء و اجداد کے سوانح' خاندانی تاریخ اور نہ حضرتؒ کی اولاد و احفاد کا تذکرہ ملے گا اور نہ یہ ہمارا موضوع ہے۔

یہ تمام موضوعات حضرت شیخ الحدیثؒ کی سیرت و سوانح کے ایسے روشن

اور تابناک ابواب ہیں جو بجائے خود علیحدہ علیحدہ کتاب کا عنوان ہیں اور مستقبل کے مؤرخ اور پی ایچ ڈی کرنے والوں کے لئے تاریخ و تحقیق کی جولانگاہ ہیں۔

-----------☆☆☆-----------

آج دل و دماغ پر افکار' شبہات' مادیت اور غلط عقائد و نظریات کی جو یلغار ہے اس سے حفاظت اور اس کے مقابلہ کی صرف یہی صورت ہے کہ دل کی اس مخفی طاقت کو ابھارا جائے' ایمان و یقین اور عشق و محبت کی چنگاری کو سلگایا جائے جس کے مقابلہ میں باطل افکار' بے جا شبہات اور غلط عقائد و نظریات نے ہمیشہ سپر ڈال دی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ کی ہمہ جہتی زندگی میں یہ جوہر علم و عمل اور سوزش و محبت بہت نمایاں ہے۔ ان کی سیرت' ان کے اعمال و اخلاص اور واقعات اپنی سادگی کے باوجود قلوب میں تیر و نشتر کا کام کرتے ہیں۔ علم و عمل' درد و محبت' شوق مطالعہ' جذبہ جہاد و شہادت کے ساتھ اتباع سنت' احترام شریعت' علوم نبوت اور درس حدیث کے ساتھ عشق و وارفتگی کا جیسا نمونہ ان کی زندگی میں ملتا ہے وہ اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ اس کے علاوہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی زندگی میں فنائیت اور زہد و استغناء کے ایسے موثر واقعات ملتے ہیں جو زر پرستی کے اس دور میں تڑپا دیتے ہیں۔ حضرتؒ کی بے تکلفی' سادگی اور رسم و رواج اور تکلفات سے آزادی ان کی عملی زندگی کا ایک منفرد اور نمایاں عنصر ہے جو "سوانح شیخ الحدیثؒ" کا اصل ہدف ہے۔

علماء اور صلحاء اور اہل اللہ کے الوان مختلف ہوتے ہیں۔ ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

ہم نے دیکھا بعض حضرات پر حزن و شکستگی کا غلبہ ہوتا ہے' بعض حضرات احساس نعمت و انبساط سے مسرور ہوتے ہیں' کچھ حضرات صاحب جلال ہوتے

ہیں اور کچھ جمال سے آراستہ۔ ایک پر ایک حال کا غلبہ ہوتا ہے اور دوسرے پر دوسری کیفیت کا۔ مگر حضرت شیخ الحدیثؒ پر جہاں تک مجھ گنہگار و بے کار اور بے بصر و بے بصیرت کا مشاہدہ ہے "فنائیت اور انا" کی نفی کا غلبہ تھا۔ اس عاجز و فقیر کی گنہگار آنکھوں نے حضرتؒ کی زندگی کے آخری عشرہ میں قریب سے اور بہت قریب سے جو حال اور کیفیت و اثرات حضرتؒ کے دیکھے اس سے آگے کے درجہ و مقام کے تصور سے بھی کم از کم مجھ ناچیز کا ذہن تو عاجز ہے۔

حضرتؒ کا علمی مقام دیکھا' محدثانہ جلالت قدر دیکھی' سیاسی عظمتیں دیکھیں' قیادت اور علمی سیادت کا مقام دیکھا' محبوبیت اور مقبولیت دیکھی' ذکر و فکر' مراقبہ اور عبادت و مجاہدہ' درس و تدریس اور افادہ عام کے مناظر دیکھے' کشف و کرامات کا مسلسل تجربہ ہوتا رہا۔ مگر بخدا! ہزاروں کھلی کرامتیں اس ایک نعمت عظمیٰ "فنائیت" اور "انا" کی نفی کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ رب لم یزل نے حضرت شیخ الحدیثؒ کے قلب و باطن کو حب جاہ' ریاو شہرت کے جذبہ سے پاک کر دیا تھا جس کے بارے میں ائمہ صدق و صفا کا ارشاد ہے کہ صرف طالبین و سالکین ہی نہیں بلکہ صدیقین کے قلوب سے جو روحانی بیماری سب سے آخر میں نکلتی ہے وہ حب جاہ کا جذبہ ہے۔" آخر ما یخرج من قلوب الصدیقین حب الجاہ " سوانح شیخ الحدیثؒ اسی ایک نقطہ کی تفصیلی شرح ہے۔

کتاب میں حضرتؒ کے ہمہ جہتی خدمات' حالات و کمالات سے زیادہ ان پہلوؤں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن میں طالبان علوم نبوت' فضلائے مدارس دینیہ' عامۃ المسلمین اور عام لکھے پڑھے طالبین کے اصلاح کے لئے سبق اور پیغام ہے۔ پھر ناچیز کاتب الحروف نے ماہنامہ الحق کے " شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر " صحبتے با اہل حق' دعوات حق' قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ وغیرہ کو

سامنے رکھ کر ان تمام گوشوں کو اجاگر کرنے کی مقدور بھر سعی کی ہے جو کسی بھی درجہ میں علم و عمل اور اصلاح ظاہر و باطن کے محرک اور اصلاح انقلاب امت کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

البتہ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی سوانح میں خوارق و کرامات اور مبشرات و منامات کے بیان میں تفصیل واطناب سے اجتناب کیا ہے۔ مقصد یہی ہے کہ حضرتؒ ایک انسان تھے اور انہیں انسان ہی کی صورت میں نمایاں کیا جانا چاہیئے تاکہ علمی ذوق رکھنے والے اور قابل تقلید نمونوں اور قابل اتباع زندگی کا تجسّس رکھنے والے طبقہ کو حضرتؒ کے علمی کمالات' جامعیت' اخلاقی بلندی' دینی کوششوں' جہادی مساعی' تعلیمی اداروں کے قیام و استحکام' رجوع الی اللہ' اتباع شریعت و سنت کی دعوت اور اتحاد امت و وحدت ملت کی مساعی مشکور کا اندازہ ہو اور حضرتؒ کے حالات کو پڑھ کر عمل کا جذبہ بیدار ہو۔ انہیں اپنی کمزوریوں اور خامیوں کا احساس ہو' فکری کجروں کی اصلاح ہو' عزم و ہمت میں بلندی' قلت و نظر میں وسعت' عمل نافع اور باقیات صالحات کے ذخیرہ کا شوق اور آرزو پیدا ہو۔

جس کے نغموں سے لرز اٹھتی ہے بزم سوزِ غم
چاہتا ہوں چھیڑنا سازِ شکستِ دل وہی

عبدالقیوم حقانی
۶ صفر ۱۴۲۲ھ / یکم مئی 2001ء

اظہار تشکّر و سپاس

''سوانح شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ '' کا باضابطہ کام یکم اپریل کو شروع ہوا اور اللہ ہی کی توفیق وعنایت سے ۳۰/اپریل کو مکمل ہو گیا کیونکر ہوا؟ اللہ ہی کے فضل سے اور اسی کی توفیق وعنایت سے ...... والحمد لله علی ذالك - مَن لَم يَشكُرِ النَّاس لَم يَشكُرالله ...... کے پیش نظر اپنے مخلص معاونین (جنہوں نے ساری کشتیاں جلا کر خود کو شب و روز اس عظیم تاریخی دستاویز کیلئے وقف کر دیا) کے حضور بھی اظہار تشکر و سپاس پیش کرتا ہوں۔

مولانا عمادالدین محمود (خصوصی وقائع نگار ماہنامہ القاسم) اخذ و انتخاب، نقل و ترتیب سے لے کر کتابت اور تصحیح تک میرے دست و بازو بن گئے۔ سحری کو اٹھتے تو رات گئے تک میرے ساتھ شریک کار رہتے۔ حافظ حبیب الرحمٰن، گل رحمٰن اور جان محمد نے خود کو ہمہ وقت کمپوزنگ کیلئے تیار رکھا۔ ایک ایک مضمون میں بار بار ترمیم واضافہ، تصحیح اور حذف وزیادۃ کے باوجود ان کے چہروں پر بل نہیں آئے۔ یہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی کرامت تھی اور مخلص کارکنوں کے اخلاص کی برکت، کہ تمام شرکاء کار نے دوران کار حضرت شیخ الحدیثؒ کی سوانح پڑھ پڑھ اور لکھ لکھ کر قلوب میں ایمان کا نور اور دلوں میں سکون و سرور محسوس کیا۔ واجرھم علی الله!

دل کی ساری آرزوئیں ہوگئیں آتش بجاں
تونے اے لطف نگاہ دوست یہ کیا کر دیا

بہارِ روئے دوست

وہ نظر آتا ہے دیکھا اے دل سوادِ کوئے دوست
گوشہ گوشہ سے جہاں کے آرہی ہے بوئے دوست

آج آساں ہوگئی دشواری منزل مجھے
کھینچ لایا مجھ کو میرا جذبہ دل سوئے دوست

دیکھتا ہوں خواب کوئی یا ہوں اپنے جوش میں
اے خوشا قسمت کہاں میں اور کہاں پہلوئے دوست

اے وفورِ شوق اتنی فرصتِ نظارہ دے
جذب کرلوں دیدہ و دل میں بہارِ روئے دوست

کس طرح کوئی سنبھالے دل کو بزمِ ناز میں
مست و بےخود کررہی ہے نرگسِ جادوئے دوست

ہائے کتنی جانفزا ہے لذتِ زخمِ جگر
وائے وہ دل جو نہیں ہے کشتۂ ابروئے دوست

ذوق و شوقِ دل کا مدّت سے تقاضا ہے یہی
جان و دل میں جذب کرلوں ہر ادائے خوئے دوست

اس طرح دل میں بسالوں نکہت گلہائے حسن
پھوٹ نکلے ہر بُن مو سے مرے خوشبوئے دوست

عارفیؔ بس اب یہی ہے آرزوئے زندگی
کاش میرا شغل ہو ہر دم طواف کوئے دوست

(عارفیؔ)

باب ۱

عہد طفولیت، والدین، کسب علم اور احترام اساتذہ

حضرت شیخ الحدیثؒ نے جس ماحول اور گھرانے میں آنکھ کھولی وہ ایک علمی، دینی اور مذہبی گھرانہ اور ماحول تھا۔ آپ کے دادا میر آفتاب مرحوم اور آپ کے والد معروف گل صاحب ایک مسجد کے امام تھے۔ آپ کے مرحوم والد ساری زندگی علماء اور مجاہدین کے ساتھ وابستہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے علاقہ میں غیر شرعی امور اور بدعات و رسومات کے خلاف مہم میں علامہ عبدالنور تحرویؒ اور حاجی صاحب ترنگزئیؒ کا ہمیشہ ساتھ دیا۔ حضرت شیخؒ کی والدہ ماجدہ بھی زہد و تقویٰ، اخلاق و کردار، مجاہدہ و ریاضت، تلاوت قرآن اور ذوق عبادت میں اپنی مثال آپ تھیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی والدہ ماجدہ

مخدوم و مکرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے اپنی دادی مرحومہ کا تذکرہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں،

''میں حافظہ پر زور دے کر اپنے عہد طفولیت کی یادوں کو دیکھتا ہوں تو کمرے میں دادی صاحبہ مرحومہ کی سحری کے وقت چکی پیستے ہوئے پُرسوز اور مترنم لہجہ میں تلاوتِ قرآن کریم کی آواز کو اپنے کانوں میں آج بھی گونجتا ہوا محسوس کرتا ہوں، چکّی کی آواز قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ ایک عجیب سماں باندھتی۔ وہ خود فرماتی تھیں کہ ہمیں ہمارے والد صاحب تاکید کرتے تھے کہ صبح جب چکی پیسنی ہوتی ہے (اور اس زمانے یہ سب کام خواتین کرتیں) تو بے کار خاموش رہنے کے بجائے قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہنا، اس طرح لطف بھی آئے گا اور تلاوت کی برکت اور لذّت میں کام بھی آسان ہوگا۔ فرماتیں کہ اس طرح ہم وقت نماز تک چھ یا سات سیر گندم بھی پیس لیتیں اور تلاوت کا ثواب بھی حاصل ہوتا رہتا، پھر صبح صبح لسی وغیرہ بنانے سے بھی فارغ ہو جاتیں، بعد میں بھی خوش قسمتی سے دادی صاحبہ کا کمرہ میرے کمرہ سے متصل تھا، بیچ میں ایک دروازہ بھی تھا پچھلے سال تک سردیوں کی طویل راتوں میں جب بھی میری ادھر توجہ ہو جاتی، تو دادی صاحبہ کی تلاوت، اللہ تعالیٰ سے مناجات، ذکر اللہ اور پشتو زبان کے عارفین شعراء رحمان بابا وغیرہ کی منظوم مناجات اور استغفار وتسبیحات کی ایک عجیب گونج سنائی دیتی، رات بھر یہی شغل رہتا۔ بالخصوص موت کے شدائد، جہنم سے پناہ، مرضیات ربانی کی التجا کا عجیب عالم تھا۔ جب بھی ہم نے مزاج پُرسی کی تو یہی کہا کہ یہ سب تو گزر جائے گا اُس دنیا کی بات کرو اور خاتمہ بالایمان کی دعائیں مانگتیں۔ سکرات موت کا انہیں بے حد ڈر تھا مگر یہ مرحلہ ایسے گزرا کہ کسی کو محسوس بھی نہیں ہوا کہ سوگئیں ہیں یا

وصال ہو گیا ہے، یہاں تک کہ ڈاکٹر نے وفات کے بعد یقین دلایا کہ وصال ہو چکا ہے۔ وفات کیلئے انہیں جمعہ کا دن بہت محبوب تھا، وہ فرماتیں کہ میری دادیؒ کا وصال یوم العرفہ کو صبح صادق سے قبل ہوا تھا، والد مرحوم بھی جمعہ کو فوت ہوئے اور والدہ مرحومہ بھی عین اُسی وقت جب کہ وہ تہجد پڑھ رہی تھیں جمعہ کو فوت ہوئیں، میں بھی اللہ سے یہی دعا مانگتی ہوں۔ چنانچہ یہ تمنا خدا نے پوری فرمائی اور جمعۃ المبارک جسے ...... وَالیَومِ المَوعُود وَشَاهِدٍ وَّ مَشهُود کا بھی مصداق کہا گیا ہے۔ نماز جمعہ سے کچھ قبل شہود حق کی دولتِ جاودانی سے سرفراز ہوئیں۔

عبادات میں انہماک زہد عن الدنیا کی یہ دولت انہیں اپنے والد ماجد اور بالخصوص اپنی والدہ ماجدہؒ سے ورثہ میں ملی تھی، وہ اپنی والدہ مرحومہ کی عبادات اور ریاضات کے وہ وہ حالات بیان کرتیں کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ فرماتیں تھیں ذی الحجہ اور محرم کے دس دس دن اور اس کے علاوہ ہر سال تین ماہ سات دن روزوں کا معمول تھا، جسے تقریباً زمانہ صحت میں مرحومہ نے بھی اپنایا''۔

(ماہنامہ الحق/ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ)

حصول تعلیم

حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے اپنی ابتدائی تعلیم کا ذکر فرماتے ہیں کہ

''جس وقت سے میں نے اپنا ہوش سنبھالا ہے تو اس وقت میرا جو ماحول تھا وہ میرے والد ماجدؒ نے بہت ہی محفوظ رکھا تھا میرے

والد ماجد کا نام نامی حضرت مولانا حاجی معروف گل صاحب ہے۔ اُن کی یہ سعی اور کوشش رہا کرتی تھی کہ میرے اوقات، دن اور رات، سفر اور حضر دونوں تعلیم اور اخلاقی اقدار سیکھنے میں صرف ہوں اور کوئی وقت ایسا جو میں لہولعب یا کھیل کود کیلئے نکالتا، تو وہ اس کے سخت مخالف تھے اور ناراض ہوتے اور مجھے اپنی نگرانی میں رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ بچپن کے زمانے میں جہاں جہاں میں نے اسباق پڑھے ہیں وہاں پر میرے والد ماجدؒ راتوں رات آ کر مسافر کی شکل میں جس کو کوئی نہ پہچانے، وقت گذارتے تھے، تاکہ یہ معلوم ہو کہ میں سبق پڑھتا ہوں یا نہیں اور میرا تعلیمی ماحول رہتا ہے یا نہیں۔

(خصوصی نمبر ص ۳۸)

روٹی کیلئے آٹھ میل دور جانا پڑتا

حضرت شیخ الحدیثؒ فرمایا کرتے:

''آج کل بڑے بڑے مدارس قائم ہوگئے، طلبا کو ہر قسم کی سہولت میسّر ہے اور سب کچھ تیار ملتا ہے، تاہم یہ یاد رکھو کہ عیاشی سے علم حاصل نہیں ہوتا۔ ہم نے پہاڑوں اور جبال وقلل میں رہ رہ کر علوم کی تحصیل کی ہے، اس زمانے میں روٹیاں مانگ مانگ کر کھاتے تھے، مجھے خود یاد پڑتا ہے کہ دہلی میں مجھے آٹھ میل دور جا کر روٹی کھانا پڑتی تھی، جب واپس آتا تو ہضم ہوچکی ہوتی...... تحصیل علم میں جس قدر مشقت اور تعب زیادہ ہوگا، اُتنی ہی علم کی قدر ومنزلت زیادہ ہوگی اور اس پر نتائج وثمرات بھی اچھے مرتب ہوں گے۔''

(صحبتے با اہل حق صفحہ نمبر ۶۵)

ابتداء میں تحصیل علم اور پھر بعد میں تدریس واشاعت علم ہمارے اکابر

کی زندگی کا ہدف اور مقصد اولین تھا۔ یہی منزل اور یہی معراج زندگی تھی۔ ان کا عشق، ان کی محبت، ان کی اطاعت، ان کے جذبات، ان کا شعور، ان کا فکر اور ان کی زندگی کا ہر زاویہ علم کے محور سے وابستہ تھا۔ لیکن یہ چراغ سحر ایک ایک کر کے رفتہ رفتہ بجھتے چلے گئے۔ آج کتابوں کے انبار ہمارے سامنے ہیں مزین اور حسن و جمال کے مناظر سے آراستہ لائبریریاں موجود، کتب خانوں اور چھاپہ خانوں کا ایک وسیع جال بچھا ہوا ہمیں دعوت مطالعہ دے رہا ہے۔ مگر مطالعہ کون کرے، پڑھے کون، زندگیوں میں ذوق علم و مطالعہ اور شوق طلب علم کی کوئی رمق باقی نہیں رہی۔ زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی فکر، بڑی بڑی کوٹھیوں کا بھوت اور نئی ماڈل کی گاڑیوں کے حصول کو مطمح کمال سمجھ لیا گیا ہے داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رقمطراز ہیں:

''مغربی تہذیب و اقتدار کے اس دور میں درحقیقت نہ علم کا حقیقی ذوق ہے نہ دین کا، نہ کوئی اور ذوق لطیف کام کر رہا ہے۔ بالشت بھر پیٹ نے زندگی کی ساری وسعت گھیر لی ہے۔ عالم خیال میں کتابیں تصنیف کرنے والے خوش فکر مصنفین جو چاہیں لکھیں۔ علمی زندگی میں اس وقت صرف ایک قوت محرکہ اور ایک زندہ حقیقت پائی جاتی ہے اور وہ پیٹ ہے یا جیب۔ جبکہ ذوق و شوق علم اور انہماک مطالعہ کے حوالے سے اسلاف کی ایک درخشندہ تاریخ ہمارے سامنے ہے ان کو کھانے کی فکر نہیں ہوتی تھی، بلکہ اس بات پر تاسف کا اظہار کرتے تھے کہ کھانے کا وقت کیوں علمی مشاغل سے خالی جاتا ہے۔ یہ لمحات ضائع کیوں ہوتے ہیں۔ امام رازیؒ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھ کو کھانے کے وقت علمی مشاغل کے چھوٹ جانے پر بہت افسوس ہوتا ہے کیونکہ فرصت وقت بہت عزیز چیز ہے۔ ان اکابر اور اسلاف امت کی مرغوب غذا کتب بینی، انہماک علم اور خدمت علم تھی، لیکن ہم نے وہ راستہ ہی گم کر دیا، جو منزل راہ کا

پتہ دیتا۔ آج علم سند کیلئے اور سند ملازمت کیلئے اور ملازمت پیٹ کیلئے۔
حضرت شیخ الحدیثؒ جو اسلاف اور اکابر کی سچی اور حقیقی تصویر تھے۔ بیان فرمایا
کرتے تھے

ایک وقت کے کھانے پر اکتفا

''ہمارے اکابرین دیوبند میں حضرت گنگوہیؒ اور حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کی مثالیں موجود ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ جن ایام میں یہ حضرات دلّی میں پڑھتے تھے تو بھوک کے مارے یہ حالت تھی سبزی فروش (بقال) جو باسی سبزی رات کو پھینک دیتے تو یہ حضرات اسے صاف کر کے جوش دیتے اور گذراوقات کر لیتے اور رات کو مطالعہ کیلئے مستقل روشنی کا انتظام نہ ہوتا تو حلوائیوں کی دوکان کے قریب کھڑے ہوکر دوکان کے لیمپ اور بتّی کی روشنی میں مطالعہ فرماتے۔ ابھی ہمارے زمانہ طالب علمی تک علم کی مشقتیں ایک عام بات تھی۔ مجھے خود یاد ہے کہ زمانہ حصول علم میں کئی کئی مہینے صرف ایک روٹی پر اکتفاء کیا۔ پہلی مرتبہ دیوبند میں میرا جانا ایسے وقت میں ہوا کہ داخلہ بند تھا میرا داخلہ نہ ہوسکا وہاں سے میرٹھ چلا گیا، وہاں استاذ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہاں گذارا مشکل ہے، اگر ایک وقت کھانے پر صبر کرو تو میں دو چپاتیوں اور دال کا انتظام کرادوں گا۔ میں نے اسے بھی غنیمت جانا، ایک غزنوی طالبعلم نے جو ساتھی تھا، اللہ تعالیٰ اسے رحمتوں سے مالا مال کردے، نے ایک وقت کا کھانا پیش کردیا۔ کافی دنوں بعد مجھے پتہ چلا کہ وہ خود ایثار کررہا ہے اور دوپہر کا کھانا مجھے دے کر خود بھوکا رہتا ہے۔ دو چار مہینے میرٹھ کے اس حال میں گزرے۔

اس اپنے علاقہ کے ایک گاؤں میں طالبعلمی کے دوران کا واقعہ ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا، گرمی کا موسم تھا، مکئی اور گھاس کے پتے اور ساگ کھانے کیلئے ملتا تھا اور سحری کیلئے پاؤ آدھ سیر چھاچھ وہ بھی محلہ کے لوگ نمبر وار مسجد میں لاتے'' (دعوات حق ج ۲ ص ۴۱۶)

پیٹ بھر کر کھانا نہ مل سکا

''ہمارے طالب علمی کے دور میں بھی اس علاقہ میں بیحد تکالیف برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ مجھے طالب علمی کے دور میں اس علاقہ کے ایک گاؤں میں چھ ماہ کے عرصہ میں بہت ہی کم ایسا وقت آیا ہوگا کہ پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوا ہو، ایک جگہ پڑھنے کے دوران تو ایسا ہوا کہ کھیت سے گھاس پتے جمع کر کے ساگ پکوالیا جاتا اور اسی پر گذراوقات ہوتا عام طور پر مساجد میں طلبہ کو باجرہ کی روٹی ملتی تھی۔ تیل کے چراغ سے مطالعہ ہوتا جو ذرا سے تیز جھونکے سے بجھ جاتا۔ عجیب بے نفسی کا زمانہ تھا اساتذہ بھی ساتھ بیٹھ کر وہی باجرہ یا مکئی کی روٹی کھالیتے۔ ہمارے ایک استاد تھے، جن سے چند دن ''ملاحسن'' پڑھنا ہوا موضع گڑھی کپورہ میں ان کے پاس ٹھہرے تھے، وہ بھی مسافر تھے اس وقت بہت ضعیف ہیں، اُس وقت ان کی جوانی کا زمانہ تھا۔ بڑے شوق سے کتابیں پڑھاتے، کھانا جمع ہوجاتا تو طالب علموں کے ساتھ بیٹھ جاتے، اسی مکئی کی روٹی اور لسّی میں شریک ہوجاتے''۔ (دعوات حق جلد نمبر ا، صفحہ نمبر ۶۱۴)

زمانہ طالب علمی کا ایک دلچسپ واقعہ

حضرت شیخ الحدیثؒ کو ان کے والد نے مردان کے علاقہ گجر گڑھی کی ایک دینی درسگاہ میں حصول علم کیلئے چھوٹی عمر میں داخل کردیا تھا

'' اور حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے جذبہ خدمت سے اپنے سے بڑے طلبہ کیلئے گھروں سے روٹیاں لایا کرتے تھے۔ آپ ابھی مبتدی تھے۔ ایک رات بادو باران اور بارش وطوفان تھا۔ حضرتؒ طلبہ کیلئے گھروں سے روٹی لانے کیلئے نکلے۔ کچھ روٹیاں جمع کیں پھر راستے میں بارش اور کیچڑ کی وجہ سے کہیں گر گئے اور روٹیاں ساری خراب ہوگئیں آپ کو چوٹیں بھی آئیں، دادا مرحوم گاہے گاہے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کی اس حالت اور عذر کو دیکھا تو ساتھ لائے اور قدیم زمانہ کے دستور کے مطابق معالجہ کرتے رہے۔ بعد میں ہاتھ تو درست ہوگیا مگر آخر عمر تک اس میں کمزوری بہرحال باقی رہی جب کہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ روٹی اور سالن وغیرہ کے ضائع ہونے پر طلبہ نے آپ کی پٹائی کردی۔ مگر ان کے والدگرامی کسی طیش یا جوش وغضب کے اظہار کے بغیر چپکے سے اپنے بچے کو ساتھ لائے اور معالجہ کیلئے اکوڑہ آگئے''۔

حضرت شیخ الحدیثؒ ہم گناہ گاروں کو طالب علمی کے دور میں اپنا بازو دکھاتے اور یہ واقعہ سنایا کرتے۔ احقر کو یہ کل کی بات معلوم ہوتی ہے۔

لہو ولعب سے نفرت

حضرت شیخ الحدیثؒ کو بچپن میں کھیل کود کا زیادہ شوق نہیں تھا، آپ کے ساتھی اگر کھیل کود میں مصروف ہوتے تو تب بھی آپ سبق میں مشغول رہتے اس لئے

'' طالب علمی کے زمانہ ہی سے اللہ کریم نے آپ کو اپنے رفقاء اَقران اور ہم جماعت ساتھیوں بلکہ پورے دارالعلوم دیوبند میں درس و مطالعہ تکرار و مباحثہ کی فطری صلاحیتیں عطا فرما کر ممتاز اور

فائق کر دیا تھا استعداد اور اخلاقی صلاحیتوں نے آپ کو زمانہ طالب علمی ہی سے اپنے اساتذہ کا منظور نظر ٹھہرایا چنانچہ خود ارشاد فرمایا کرتے۔

دارالعلوم دیوبند میں قیام کے دوران زمانہ طالب علمی میں مجھے بحمدللہ اپنے اساتذہ کرام سے بے حد محبت اور عشق تھا ان کی درسی تقاریر یاد ہو جایا کرتی تھیں، پھر امہات کتب کا تکرار اور بعض کا درس دیا کرتا تھا بعض شفیق اساتذہ کرام چپکے چپکے سے کان لگا کر میرا تکرار یا تدریس سُنا کرتے تھے، خوش ہوتے تھے اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے تھے۔

علمی مباحثوں اور باریک دقیق تحقیقات، منطقی تدقیقات اور سوال وجواب میں جو قدیم نظام تعلیم کا ایک اہم جزء اور علمی استعداد اور ذکاوت کی علامت سمجھی جاتی تھی، آپ کی طلاقت لسانی فصاحت اور قوت گویائی اور قوت استدلال اور بحث ومناظرہ میں سنجیدگی اور حکمت وبصیرت اور دانائی وفراست کا ایسا اظہار ہوا کہ آپ جس محفل میں بیٹھتے وہاں چھا جاتے اور ابتداء ہی سے اپنے ہم درس رفقاء اور دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ پر آپ کے ذوق علم اور کمال ذہانت کا سکّہ بیٹھ گیا تھا۔

مولانا عبدالحنان صاحب فرماتے ہیں، حضرت مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہٗ زمانہ طالب علمی ہی میں ذکاوت اور تمام فنون کی پڑھی ہوئی کتابوں میں مہارت تامہ کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند میں کافی شہرت رکھتے تھے، بلکہ بعض کتابیں خصوصی طور پر طلبہ خارجی وقت میں ان سے پڑھتے تھے، مثلاً میبذی اور تصریح وغیرہ میں مولانا

کے حلقہ افادہ میں پچاس ساٹھ طالب علم شریک درس رہتے۔ سب اساتذہ بھی مولانا کی ذکاوت اور ذہانت کے معترف تھے۔

(خصوصی نمبر ص ۱۰۲)

اطاعت واحترام والدین

والدین کا احترام اور ان کی اطاعت شرعی امور میں بہت ضروری ہے جوان کے دل کو ستاتا ہے وہ دنیا میں کہیں چین نہیں پا سکتا۔ حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے اللہ کی رضا والدین کی رضا میں ہے۔ پھر والدین میں بھی والدہ خدمت وراحت کی زیادہ مستحق اور ضرورت مند ہوتی ہے۔ حضرت اویس قرنیؒ کو عظمت، عزت، شان اور مستجاب الدعوات ہونے کا جو انعام ملا وہ والدہ کی خدمت کی برکت تھی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کو اپنے والدین سے بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ حضرتؒ کے صاحبزادے مولانا حافظ انوار الحق اپنے مشاہدات و تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے والد مرحوم

''یعنی ہمارے دادا جان نوراللہ مرقدہ' کی رحلت تو ہمارے بچپن ہی میں ہوئی تو ان کے ساتھ سلوک اور عام واقعات کا تو ہمیں مشاہدہ نہیں ہوا البتہ بعد میں اُس دور کے بزرگوں کی زبانی سنا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے جو اپنے والد محترم کے بے حد تابع، مطیع اور فرمانبردار رہے، کبھی ان سے اُونچی آواز میں بات تک نہیں کی اور ان کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے کہ ''بیٹا ایک نامور عالم دین بن جائے'' دنیاوی امور سے سلسلہ منقطع کر کے اپنے آپ کو ہمہ وقت و ہمہ تن وقف کر دیا اور اپنے والد مکرم کیلئے مصداق حدیث خیر الانام صدقہ جاریہ بن کر رہتی دنیا تک ان کے نامہ اعمال میں بھی اشاعت دین کے عظیم فریضہ کا اجر وثواب محسوب فرمانے لگے۔

اکرام والدہ

والدہ محترمہ یعنی ہماری دادی صاحبہ نور اللہ مضجعہا کی وفات تو دادا صاحب مرحوم و مغفور کے انتقال کے کافی عرصہ بعد ہوئی۔ ہم لوگ بھی عمر کی اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے اپنی والدہ صاحبہ سے تعلق اور سلوک کے کافی واقعات اب بھی ذہن کے دریچوں میں محفوظ ہیں۔ صبح گھر سے نکلتے وقت اور باہر کی مصروفیات سے فراغت کے بعد گھر آتے ہی پہلا کام یہ ہوتا کہ والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضری دے کر ان کا حال واحوال پوچھتے، حتیٰ کہ اگر دارالعلوم یا مسجد تک بھی جاتے تو ان کے پاس آکر ان سے اجازت لینے کے بعد گھر سے باہر تشریف لے جاتے اور اگر کبھی سفر پر جانا ہوتا تو پھر اس اجازت لینے کا اہتمام والتزام اور بھی زیادہ فرماتے، جب کہ اس وقت والدہ ماجدہ کی حالت عمر کے لحاظ سے ایسی تھی کہ آنکھوں کی بینائی ختم اور قوت سماع میں کمی کے ساتھ ساتھ چلنا پھرنا بھی مشکل ہو گیا تھا، اکثر و بیشتر ان کی دل جوئی کیلئے گھر سے نکلتے وقت جیب سے کچھ رقم نکال کر ان کی خدمت میں پیش فرماتے جبکہ وہ بار بار اصرار کرتیں کہ اس عمر اور اس حالت میں مجھے پیسوں کی کیا ضرورت ہے جبکہ میری تمام ضروریات آپ پوری کر دیتے ہیں۔

والدہ سے اجازت کا اہتمام

ایک دفعہ کہیں باہر سفر پر تشریف لے جا رہے تھے، دو تین خدام ساتھ تھے بس کے اڈہ تک پہنچ گئے، وہاں ساتھیوں سے فرمایا کہ آپ یہاں رک جائیں میں واپس گھر جا رہا ہوں ایک ضروری بات بھول گیا ہوں چنانچہ آپ گھر آئے اور پھر فوراً تشریف لے گئے۔ بعد

میں معلوم ہوا کہ گھر واپس آنا صرف اس لئے تھا کہ اس بار گھر سے نکلتے وقت اتنی جلدی میں تھے کہ والدہ محترمہ سے اجازت نہ لی جاسکی اڈہ پر پہنچ کر جب یاد آیا تو واپس آکر والدہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ''امی جان! سفر پر جارہاہوں دعاؤں میں یاد فرماتی رہنا، پھر والدہ بھی ایسی تھیں، کہ گھر سے ان کے نکلنے پر دعوات کیلئے جھولی پھیلاتیں تو پھر یہ سلسلہ ان کی واپسی تک جاری رہتا۔

(خصوصی نمبر ص ۱۱۶)

والدین کی دعاؤں کا ثمرہ

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اپنی دادی مرحومہ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

وہ مجھے فرماتی تھیں کہ وہ اور میرے دادا مرحوم آپس میں باتیں کرتے کہ ہم نے (شیخ الحدیث مولانا) عبدالحقؒ کی شکل میں ایک پودا دین کیلئے لگایا ہے، کاش! یہ پودا ایک گلشن سرسبد بن جائے۔ اس پودے کو دادی صاحبہؒ نے خون پسینہ سے سینچا، اس کی آبیاری کی اور اسے اتنا سرسبز و شاداب بنا ہوا دیکھا کہ اس کے ثمرات ہزاروں فضلاء اور علماء جیسی روحانی ذریت کی شکل میں انہیں ملے، جوانشاء اللہ اب عالم آخرت میں رہتی دنیا تک ان کیلئے صدقہ جاریہ بنیں گے

(خصوصی نمبر ص ۷۷)

ان کی دلآویز شخصیت اور دینی درد کا ثمرہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شیخ الحدیثؒ جیسے فرزند کی شکل میں دیدیا۔ وہ بڑی جان کاہی، محنت اور لگن سے حضرتؒ کی تربیت فرماتے رہے، تا آں کہ ان کا لگایا ہوا پودا علم وعمل اور رشد و ہدایت کا شجرہ طوبیٰ بن کر ان کے سامنے بار آور ہوا۔ تقسیم ملک کے بعد جب

دارالعلوم حقانیہ قائم ہو چکا تھا تب ان کا انتقال ہوا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی والدہؒ کے انتقال کے بعد ایک تعزیتی اجتماع میں فرمایا، مجھے یقین کامل ہے کہ اس پسماندہ بے آب و گیاہ سرزمین، وادی غیر ذی زرع (اکوڑہ خٹک) میں دارالعلوم کا قیام اور دین کی اشاعت میری اس ضعیف والدہ ماجدہؒ کی سوز و تڑپ، تعلق مع اللہ اور ہر لمحہ دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ (خصوصی نمبر ص ۵۷)

حضرت شیخ الحدیثؒ کے اساتذہ

۱..... حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ..... بخاری شریف، ترمذی شریف

۲..... حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ..... بیضاوی، ہدایہ آخرین، موطا امام مالک (جس کا دارالعلوم دیوبند میں بالالتزام درس ہوتا تھا)

۳..... حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ......... امور عامہ، شرح اشارات، مسلم شریف، توضیح وتلویح، مسلم الثبوت

۴..... حضرت مولانا رسول خانصاحبؒ......... صدرا، شمس بازغہ، طحاوی شریف، شرح عقائد، جامی، رشیدیہ

۵..... حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ......... مشکوٰۃ شریف اور شرح نخبہ

۶..... حضرت مولانا نبیہ حسن صاحبؒ..... جلالین شریف

۷..... حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ..... ابن ماجہ

۸..... حضرت مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ..... ابوداؤد شریف

۹..... حضرت مولانا مشتاق احمد کانپوری صدر مدرس مدرسہ اندرکوٹ (حضرت مولانا احمد حسن کانپوری محشی حمداللہ کے فرزند ارجمند) ہدایہ اولین۔

(خصوصی نمبر ص ۵۸)

حضرت شیخ الحدیثؒ نے جن اساتذہ کی خدمت میں کسب فیض اور حصول علم کیلئے زانوئے تلمذ تہہ کیا..... وہ تمام اساتذہ اپنے وقت کے قطب

غوث اور ولی اللہ تھے بلکہ یہ دارالعلوم دیو بند کا وہ دور تھا، جب وہاں کے شیخ التفسیر، شیخ الحدیث اور مفتیان کرام سے لے کر اساتذہ بلکہ ایک ادنیٰ خادم تک ہر شخص صاحب نسبت ولی اللہ تھا۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ گھنٹی بجانے والا بھی جب گھنٹی بجاتا تو ہر ضرب پر اللہ اللہ کی صدا آتی تھی۔

احترام اساتذہ

تاریخ مدینہ منورہ و تاریخ مکہ معظمہ جیسی شہرہ آفاق کتب کے مصنف مولانا عبدالمعبود تحریر فرماتے ہیں!

''دنیا کا تجربہ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ محض کتابوں کو پڑھ لینے سے کسی کو علم کے حقیقی ثمرات اور کمالات حاصل نہیں ہوتے بلکہ اس کیلئے ''پیش مردِ کامل پامال شو'' پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے نیز استاد کا ادب و احترام ہمہ وقت ملحوظ رکھنا پڑتا ہے، بے ادبی فیوضات کے حصول کی راہ میں سنگ گراں بن جاتی ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے دل میں اساتذہ کا ادب و احترام اور خدمت کا جذبہ بدرجہ اتم پایا جاتا تھا، جس کا تذکرہ موصوف نے اس طرح فرمایا:

''حضرت شمس الائمہ سرخسیؒ کا ایک علاقہ میں جانا ہوا وہاں ان کے تلامذہ ملاقات کیلئے حاضر خدمت ہوئے، مگر ایک شاگرد بہت دیر سے آیا اور عذر بیان کیا کہ والدہ کی علالت اور تیمارداری کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکا۔ انہوں نے فرمایا کہ انہیں عمر تو بہت ملے گی مگر علم کی برکت نصیب نہ ہوگی۔ یعنی والدین کی خدمت کی خاصیت یہ ہے کہ عمر بڑھ جائے، مگر استاد سے بے اعتنائی کی خاصیت علم کی برکت سے محرومی ہے''۔

امام صاحبؒ نے انہیں بددعا تو نہیں دی لیکن خاصیت بتادی چنانچہ اس شخص کو ایک سوبیس برس عمر ملی مگر کسی کو فیض نہیں پہنچا۔ تو استاد کی عظمت نہ ہونے کہ وجہ سے بڑے سے بڑا ذہین بھی فیض سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ علم اساتذہ کے جوتے سیدھے کرنے سے ملتا ہے، کیونکہ استاد کا ادب واحترام برقرار رہے گا تو استاد کی دعا ملے گی''۔

(دعوات حق جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۱۹۵)

حضرت شیخ الحدیثؒ کے دل میں اساتذہ کا احترام غایت درجہ پایا جاتا تھا اوران کی خدمت باعث صد افتخار سمجھتے تھے، اگر چہ ان کے ہم سبق طلبہ اس سعادت کو بنظر حقارت دیکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ خود فرماتے ہیں۔

''میں جب دیوبند میں تھا تو زمانہ طالب علمی میں حضرت شیخ المدنیؒ کے ہاں بعض اوقات ان کی خدمت کیلئے جایا کرتا اور پاؤں دباتا اور بعض ساتھی ہنستے کہ یہ چاپلوسی کرتا ہے، مگر یہ ان بزرگوں کی توجہ کا نتیجہ ہے کہ مجھ نالائق انسان سے بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ کام دین کا لیا اور توفیق دے رہے ہیں۔ ان میں سے کئی اور ساتھی تھے جو اس راستہ کو چھوڑ چکے ہیں۔ تو علم سارا ادب ہی ادب ہے، دین کا ادب اساتذہ کا ادب اور علم کا ادب''۔

(دعوات حق جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۱۹۵)

سنت اللہ یہی ہے کہ اساتذہ کے احترام، ادب اور عقیدت ومحبت سے علم کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ علم لدنی اور علم وہبی کا ورود ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

اساتذہ کی اولاد سے محبت

حضرتؒ کو عزت و شہرت اور علمی عظمت و کمال کی جو بلندیاں ملیں درحقیقت وہ احترام اساتذہ کا ثمرہ اور نتیجہ تھیں۔ برادرمکرم حافظ محمد ابراہیم فانی رقمطراز ہیں کہ

''حضرت الشیخؒ اساتذہ کرام کا از حد احترام فرماتے۔ حتّٰی کہ ان کے صاجزادگان کے ساتھ بھی اساتذہ جیسا سلوک کرتے۔ اس ضمن میں صاجزادہ محترم حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی مدظلہٗ کے ساتھ حضرت الشیخؒ کی ملاقات کا مشاہدہ راقم نے بچشم خود کیا ہے اس کو دیکھ کر یہ گمان بھی نہ گزرتا کہ حضرت الشیخؒ آپ کے استاد بھی ہیں جب استاد کے صاجزادے کے ساتھ آپ کے احترام کا یہ عالم تھا تو خود اپنے شیوخ کے احترام کا کیا عالم ہوگا''۔

قیاس کن زگلستان من بہار میرا

اکابر اساتذہ اور شیوخ کا تذکرہ

''حضرات اکابر کے ساتھ حضرت الشیخؒ قدس سرہٗ کی انتہائی عقیدت تھی۔ آپ کی کوئی مجلس بھی ان حضرات کے ذکر سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ من احب شیئاً اکثر ذکرہ۔

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الاّ حدیث یار کہ تکرار میکنم

تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب میں اکثر ان کا تذکرہ بڑے دلنشین انداز میں فرماتے۔ کبھی حضرت بانیؒ دارالعلوم دیوبند کا تذکرہ ہوتا، کبھی حضرت گنگوہیؒ کے وصف میں رطب اللسان ہوتے کبھی حضرت

شیخ الہندؒ اور مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھویؒ کی باتیں فرماتے تو کبھی
حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی یاد سے مشام جاں کو معطر فرماتے
اسی طرح سیاسی زعماء میں امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ امام
انقلاب مولانا ابوالکلام آزادؒ اور امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
کے از حد مداح تھے۔ ایک دفعہ راقم نے آپؒ سے مولانا سندھیؒ کے
ساتھ ملاقات کے بارے میں پوچھا، تو فرمایا کہ ایک دن دیوبند میں
یہ خبر پھیلی کہ مولانا سندھیؒ تشریف لائے ہیں تو ہم ساتھی انتہائی خوش
ہوئے کہ ایک پیکر عزیمت کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل کر
لیں گے۔ انہی دنوں آپ طویل جلاوطنی کے بعد اپنے وطن
ہندوستان تشریف لائے تھے آپ نے فرمایا کہ ہم دیدہ و دل فرش راہ
لیئے آپ کے انتظار میں تھے کہ اتنے میں ایک شخص سانولہ رنگ ہاتھ
میں عصا، نحیف بدن، درمیانہ قد کلاہ و دستار سے بے نیاز سر کے ساتھ
نمودار ہوا۔ کسی نے کہا یہ ہیں مولانا سندھیؒ۔ ہماری حیرت کی انتہا نہ
رہی کہ یہ ہیں وہ عظیم الشان شخصیت جن کی انقلاب آفریں جد و جہد
سے ایک دنیا آشنا ہے۔ انتہائی خواہش کے باوجود آپ کی جلالت
شان کو دیکھ کر کسی میں یہ جراٗت نہ ہوئی کہ آپ کے ساتھ مصافحہ کرتا
اسی طرح ایک مجلس میں حضرت امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کا ذکر
چھیڑا گیا، تو فرمایا کہ واقعی ایک عظیم المرتبت شخصیّت تھے۔ خدا نے ان
کو بلا کا حافظہ عطا فرمایا تھا۔ ان کی نماز کی کیفیت عجیب تھی جس کو دیکھ
کر انسان کو رشک آتا تھا۔ امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے
بارے میں فرمایا کہ تحفظ ختم نبوّت، مرزائیت کے خاتمہ اور تحریک
استخلاص وطن میں آپ کے کارنامے اور کردار انتہائی نمایاں ہے

سرزمین ہند نے آج تک اردو میں ان جیسا خطیب پیدا نہیں کیا۔"

(خصوصی نمبر ص ۹۶)

محبوب استاد

حضرت شیخ الحدیثؒ کو اپنے تمام اکابر اور اساتذہ سے بے پناہ محبت عقیدت اور ادب کا تعلق تھا، لیکن شیخ العرب والعجم حضرت مدنیؒ کی شخصیت کردار اور مثالی طرز تدریس سے بہت متاثر تھے۔ فرمایا کرتے میں نے بہت علماء کی زیارت کی ہے کئی مدرسین علماء کے حلقہ درس میں شمولیت اور رشتہ تلمذ کی سعادتیں نصیب ہوئی ہیں، مگر جو عالمانہ انداز تدریس، بے مثال شفقت ومحبت اور کردار کی بلندی اور امتیازی صفات حضرت شیخ مدنیؒ میں دیکھے وہ کہیں دوسری جگہ نظر نہیں آئے۔ ع

اب نہ کہیں نگاہ ہے اب نہ کوئی نگاہ میں

خود شناسی کی درسگاہ

ایک بار ارشاد فرمایا، جب حضرت مدنیؒ کا نام سنا تھا اور دیکھا نہیں تھا تو نام کی شہرت سے ان کی شخصی عظمت کا ایک نقشہ ذہن میں بیٹھ چکا تھا۔ جب ان کی مجلس دیکھی تو انہیں کچھ اور پایا۔ ان کا علم بھی بے مثال تھا اور حلم بھی بے مثال۔ دوسری درسگاہوں میں منطق اور فلسفہ کی بڑی کتابیں پڑھ کر جب شیخ مدنیؒ کی درسگاہ میں حاضری دی تو ان کی درسگاہ میں سب سے بڑی خصوصیت یہ پائی کہ خود کو پہچان لیا۔ خود شناسی کا احساس ہوا اور علم وعمل کی شان سامنے آئی جب مجھے دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا موقع ملا تو اس زمانہ میں شیخ مدنیؒ کا درس حدیث ہوا کرتا تھا۔ میں نے اپنے زمانہ تدریس میں بھی شیخ مدنیؒ کے درس میں شرکت کی کوشش کی۔ تدریس کے اوقات کے علاوہ ۱۲ بجے کے بعد بعد العصر، بعد العشاء کے درسوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ شیخ مدنیؒ کا درس علمی

اور مدلل ہونے کے ساتھ ساتھ آسان اور سہل ہوا کرتا تھا۔

قوت حافظہ

ایک مرتبہ پندرہ روز تک مسلسل حضرت مدنیؒ سفر پر رہے، جب واپسی ہوئی تو سب کو یقین تھا کہ حضرتؒ تھکے ہوئے ہیں اور مطالعہ بھی نہیں کیا، سبق نہیں ہوگا۔ مگر آپ گاڑی سے اُترے اور سیدھے دارالحدیث میں پہنچے اور سبق پڑھانا شروع کر دیا۔ نواقضات وضوٗ کا بیان تھا۔ ارشاد فرما رہے تھے کہ مسئلہ زیر بحث میں آٹھ مذاہب مشہور ہیں۔ پھر مذاہب ان کے دلائل اور تفصیل سے بحث کی۔ طلبہ متحیّر کہ تھکے ماندے ہونے کے باوجود اس قدر علمی تبحر وسعتِ مطالعہ اور قوت حافظہ یہ تو بس ان ہی کی کرامت تھی۔

ایک مرتبہ درس کے دوران ایک طالب علم نے کسی مسئلہ میں شمس بازغہ کی بحث چھیڑنا چاہی تو شیخ مدنیؒ نے متعلقہ مسئلہ میں عبارات پڑھ پڑھ کر بحث کا مکمل احاطہ کیا اور فرمایا! بھائی میں نے جب شمس بازغہ پڑھی تھی اس زمانہ میں کل نمبر ۵۰ ہوا کرتے تھے اور مجھے امتحان میں ۶۳ نمبر حاصل ہوئے تھے۔

بہر حال اپنے اساتذہ اور اکابر ہند میں شیخ مدنیؒ سے جو قلبی عقیدت اور وارفتگی اور غیر اختیاری تعلق رہا کسی دوسرے سے پیدا نہ ہو سکا۔

(صحبتے با اہل حق، صفحہ نمبر ۱۵۷)

شیخ مدنیؒ، امام الحدیث

حضرت شیخ الحدیثؒ حضرت مدنیؒ پر جان قربان کرتے تھے، کیونکہ حضرت شیخ الحدیثؒ میں حضرت مدنیؒ کی جلالت وعظمت علمی رچ بس چکی تھی ایک بار اپنا سلسلہ سند بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا! میں نے جامع ترمذی اور بخاری شریف شیخنا شیخ العرب والعجم، شیخ المشائخ، شیخ الاسلام والمسلمین، المجاہد فی سبیل اللہ امیر الہند، حافظ الحدیث، سیدنا ومولانا وبالفضل اولنا حضرت

مولانا سیّد حسین احمد المھاجر المدنی، صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند سے پڑھی ہیں حضرت شیخ مدنیؒ حدیث کے امام تھے۔ حافظ الحدیث تھے، بہت بڑے مرد مجاہد اور صاحب الکمالات تھے۔ (حقائق السنن صفحہ نمبر ۸۲)

حضرت مدنیؒ کا کمال حافظہ

حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا! حضرت مدنیؒ کا حافظہ ایسا تھا کہ بخاری آپ کو متن اور سند کے ساتھ یاد تھی، مگر آپ نے کبھی بھی اس امر کو ظاہر نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ اخفا کرتے تھے۔ جب بخاری پڑھاتے تو اپنے سامنے قسطلانی کا نسخہ رکھتے تھے۔ بہت تھوڑے عرصہ میں اپنے شیخ (شیخ الہندؒ) کی دعا سے قرآن مجید یاد کرلیا تھا اور اسی ماہ رمضان میں جس میں قرآن یاد کیا اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ کو تراویح میں سنا بھی دیا (بحوالہ حقائق السنن صفحہ نمبر ۸۲)

شیخ مدنیؒ کا فیضانِ حدیث

یوں تو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگردوں میں بڑے بڑے جبالِ العلم جامع الکمالات تھے اور دین کے ستون قرار پائے اور ان سے دین وعلم کے چشمے جاری ہوئے، مگر حدیث کا جو فیض اور افادہ ہمارے استاذ اور مرشد حضرت شیخ مدنیؒ کے ذریعہ ہوا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آج برصغیر اور بیرون ممالک میں ہزاروں تلامذہ کے ذریعہ ان کا فیض جاری ہے۔ حافظہ اور ذہانت میں ان جیسے اور حضرات بھی تھے مگر اپنے شیخ کی محبت اور جان نثاری جو اُن میں تھی اس کی مثال نہ تھی، عمر بھر وفا شعار غلام اور عاشق بنے رہے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور اس راہ میں آپ نے اپنی اولاد، بیوی، والدین کی جدائی تک برداشت کی۔ ان کی وفات کی اطلاعات پہنچیں، مگر مالٹا کی جیل میں اپنے استاذ کی رفاقت ترک نہ کی۔

ادب ومحبت اور نیاز مندی کا کوئی نمونہ نہ تھا جسے قائم نہ فرمایا ہو اور اسی تعلق خاص اور محبت وخدمت کے ثمرہ میں اپنے شیخ کے علوم اور فیض کا مورد بنے، تصوف وارشاد کا جو فیض جاری ہوا وہ اس کے علاوہ ہے۔ جہاد اور قربانیوں کی شکل میں مختلف حیثیتوں سے جو فوائد اور برکات اہل اسلام کو پہنچے وہ اس سے الگ ہیں۔ یہ سب ادب اور محبت اور عاشق بننے کے نتائج ہیں۔ اگر اساتذہ وشیوخ سے محض رسمی تعلق ہو کہ درسگاہوں میں انہیں اجیر سمجھ کر رہے، کتاب ختم کی تو چلے گئے، تو اس علم کی کوئی برکت نہ ہوگی۔ افسوس کہ آج یہ چیزیں ختم ہوتی جارہی ہیں۔ اساتذہ اور شیوخ طریقت سے اپنے متبعین، شاگردوں اور مریدین کو بھی جو فیض حاصل ہوا وہ عاشق، جان نثار اور فدائی بن کر حاصل ہوا۔ تو میں حضرت شیخِ مدنیؒ کا ذکر کر رہا تھا۔ علم اور اس کی اشاعت اور تعلیم وتدریس سے عشق تھا، دن کو سفر رات کو سبق۔ جس روز بخاری کا امتحان ہونا ہے اس روز پرچہ سے قبل بڑے اطمینان سے بخاری کا درس پڑھا رہے ہیں، تواضع اور انکساری فطرت اور طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ ہم نے بارہا دیکھا کہ غریب اور دیہاتی گنواروں یہاں تک کہ غیر مذہب کے ہنود وغیرہ کے خود ہاتھ دھلا رہے ہیں، مہمانوں کی بے خبری میں ان کے پاؤں دبا رہے ہیں۔ سفر میں راہ چلتے ساتھیوں کیلئے گاڑی میں پاخانے تک صاف کیے۔ اتنی شانِ تواضع وانکساری، دوسری طرف باطل کے خلاف ایک ننگی تلوار تھے، ساری زندگی انگریز سامراج کے ساتھ ٹکرائے۔

(خصوصی نمبر ص ۳۶۶)

حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ کا تذکرہ

حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ مرکز علم دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز مدرس، جید عالم اور شیخ الحدیثؒ کے نہایت شفیق استاذ تھے۔ حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسمیعؒ کا ذکر بڑی محبت، بڑے احترام اور بڑی محبوبیت سے کیا کرتے تھے۔

''ارشاد فرمایا! جب میں دارالعلوم دیوبند میں تھا اور ہمارے استاد مولانا عبدالسمیع صاحبؒ بیمار ہوئے تو ان کی تدریس کی کتابیں مشکوٰۃ شریف وغیرہ میرے حوالے کی گئیں اور یہ عزت مجھے بخشی کہ میں ان کی نیابت کروں اور مشکوٰۃ شریف پڑھاؤں۔

ایک روز مولانا عبدالسمیع صاحبؒ نے مجھے بلایا اور اپنے صاحبزادے (مولانا عبدالاحد) کے متعلق ارشاد فرمایا: ''عبدالاحد اگرچہ لائق اور ذہین ہے مگر اسے تدریس کا تجربہ نہیں ہے، اس کو بڑی کتابیں ہرگز نہ دی جائیں اور نئے فارغ التحصیل کو ابتداء ہی سے بڑی کتابیں پڑھانا غلط اور خطرناک طریقہ ہے۔ میری وصیت یاد رکھنا، میرے بیٹے کو تدریجاً ترقی دی جائے اور اسے اولاً پڑھانے کیلئے ابتدائی درجات کی کتابیں دی جائیں، بعد میں جب وہ ہر کتاب کی تین بار تدریس کرلے، تب تدریجی ترقی دی جائے، تین دفعہ پڑھانے سے مدرس کو کتاب اور فن سے اچھی خاصی مناسبت ہوجاتی ہے اور فن کے مبادی یاد رہتے ہیں۔

(صحبتے با اہل حق ص ۵۶)

حضرت شیخ الحدیثؒ کی ساری زندگی اپنے اساتذہ کی خدمت، خوش خلقی، ادب و مروت اور ان کی ساتھ حسن سلوک میں گذری اور حضرت کی

زندگی کے سارے کمالات، علمی عظمتیں، محبوبیت، محدثانہ جلالت قدر اور جہاد افغانستان میں قائدانہ کردار دراصل اپنے اساتذہ کی جوتیاں سیدھی کرنے کی برکت ہے ایک بزرگ نے تعظیم استاد کے سلسلے میں لکھا کہ جب تمہارے کوئی استاد یہاں آئیں تو ان کے ہاتھ کو بوسہ دو، اونچی اور معزز جگہ پر ان کو بٹھاؤ اور تمیز وادب سے پیش آؤ۔ آج خواہش کے درجے میں ہر طالب علم، شمس الائمہ، فخر الاسلام حجۃ الاسلام، شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر بننا چاہتا ہے۔

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

مندرجہ بالا تمام اوصاف کے حصول کیلئے ایک ہی نسخہ کیمیا ہے کہ دل کی گہرائیوں سے اپنے اساتذہ کی خدمت کو حرز جان بنالیا جائے، اساتذہ کا ادب، خدمت، عزت اوران کے آرام کا خیال کرنے سے عزت اور شہرت کی بلندیاں قدم چومنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتی ہیں، مولانا رومی فرماتے ہیں!

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ
خاک شو تا سبزہ روید رنگ برنگ

باب ۲

درس وتدریس اور افادہ واستفادہ

حضرت شیخ الحدیثؒ وقت کے ان چیدہ اور منتخب روزگار علماء میں سے تھے جو بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، منتظم، سیاستدان، مجاہد اور مدرس ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ ایک فرد کا نام نہ تھا بلکہ صفاتِ خیر کے اس نہایت حسین اور دلآویز پیکر کا نام تھا جس کا وجود تو خاکی تھا مگر صفاتِ ملکوتی تھیں۔ تمام اخلاقی صفات وکمالات کے ساتھ ساتھ جو صفت حضرتؒ کی زندگی کا جزو لاینفک تھی وہ ان کی تدریسی زندگی تھی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کا مزاج ابتدا سے مطالعاتی، اخذ واستفادہ پڑھنے اور پڑھانے کا تھا، گویا وہ طبعی طور پر درس وتدریس کے آدمی تھے اور تدریس ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔

تدریسی سفر کا آغاز:

ان کا تدریسی سفر دوران تعلیم ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ خود بیان فرمایا کرتے کہ:

" جب میں نے دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث مکمل کر لیا اور طلبہ میں تکرار اسباق اور فارغ اوقات میں تدریس اور معقولات میں دلچسپی کی وجہ سے اساتذہ اور دارالعلوم دیوبند کے مشائخ مجھ پر بے حد شفقت

فرمانے لگے تھے اور میرے بارے میں یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ مولانا محمد نبی حسن جو ریاضی منطق اور فلسفہ کے کامیاب استاد تھے' کے وفات پا جانے سے ان کی جگہ مجھے نئے سال سے دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی ذمہ داریاں سونپ دی جائیں۔" (الحق خصوصی نمبر' ص ۴۳۱)

دوران تعلیم کتابوں میں مہارت تامہ کیوجہ سے حضرت شیخ الحدیثؒ کافی شہرت رکھتے تھے اور طلبہ بعض کتابیں خارجی اوقات میں ان سے پڑھتے تھے۔ حضرتؒ جب تکرار شروع کراتے تو آپ کے اساتذہ چپکے چپکے آپ کا تکرار سنتے اور علمی تفوق' ذہانت و فطانت اور فصاحت و گویائی پر بہت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے۔

باقاعدہ حلقہ درس کا آغاز :

جب دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی تو اپنے آبائی گاؤں اکوڑہ خٹک تشریف لائے۔ گھر کے ساتھ متصل اپنی مسجد (قدیم دارالعلوم حقانیہ) میں قدیم طرز کے مطابق درس نظامی کے مختلف علوم و فنون کی چھوٹی بڑی اور اہم کتابوں کا درس دینا شروع کیا۔ صبح و شام تک تدریس میں مشغول رہتے۔ قرب و جوار بلکہ دور دراز کے طلبہ آپ کے حلقہ درس کی طرف ٹوٹ پڑے۔ یہ حلقہ درس اتنا وسیع ہوا کہ ان کے والد مرحوم نے اپنے اخراجات سے ایک اور جید عالم کو بھی بطور معاون مدرس رکھ لیا۔

تدریس اور ضروریات کی تکمیل :

حضرت شیخ الحدیثؒ اپنی خودنوشت سوانح عمری میں رقم طراز ہیں :

" میری ضروریات تو ہمیشہ والد صاحب کے مد نظر رہیں۔ دیوبند سے فراغت اور مسجد میں درس دینے سے ان کو روحانی خوشی ہوئی' دو

طالب علم تو دیوبند سے آئے۔ بقیہ یہاں جمع ہوئے بحمد اللہ تعالیٰ فراغت کے بعد ایک دن بلا تدریس کے نہیں رہا اور اونچی کتابیں مثلاً ہدایہ ' نورالانوار ' میبذی ' تصریح ' صدرا اور جلالین شریف و مشکوٰۃ شریف روزِ اول سے پڑھانے پڑے الحمد للہ علی ذالک۔ حضرت والدؒ کی تمنائیں ظاہر ہونے لگیں اور میرا طب نہ پڑھنے اور ہندوستان سے واپس لوٹنے پر اور طلبہ کے جم غفیر سے ان کی روح خوش تھی۔ تمام طلبہ کے کھانے و سالن و کتاب ' رہائشی ضروریات اپنے جیب سے پورا کرتے تھے اور میرے لئے دونوں وقت کے مکلّف کھانے کا انتظام تھا۔ مجھے تو ندامت تھی کہ والد صاحب پر بوجھ ہوں مگر ان کو بوجہ للّٰہی تدریس کے خوشی تھی ' دن بدن والد صاحب مرحوم خوشی سے عنایات مجھ پر بڑھاتے رہے اور درس و تدریس کی نعمت پر رب العزت کا شکر ادا کرتے رہے۔"

(الحق خصوصی نمبر ' ص ۲۶)

دار العلوم دیوبند سے بلاوا :

ادھر اکوڑہ خٹک میں آپ کے درس میں طالبان علوم نبوت کا حلقہ وسیع ہوتا گیا ' اس کے علاوہ علاقائی اور ملکی خدمات بھی جاری تھیں کہ دار العلوم دیوبند کے اکابر اساتذہ نے آپ کو دار العلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دینے کی پیش کش کر دی اور اس پر اصرار فرمایا۔ آپؒ نے یہ دعوت قبول کر لی اور دار العلوم دیوبند میں تدریسی خدمات میں مشغول ہو گئے۔ دیوبند میں آپ کی تقرری کی تاریخ شوال ۱۳۶۲ھ ہے۔ آپ کی وہاں تدریس پر ابھی ڈھائی ماہ کا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ طلبہ میں شہرت اور مقبولیت کے پیش نظر یکم محرم الحرام ۱۳۶۳ھ ہی سے آپ کو مستقل کر دیا گیا۔ جیسا کہ قاری محمد طیبؒ مہتمم دار العلوم

دیوبند ۶۲-۹-۱۷ کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

" الحمد للہ کہ آپ کے بے ریا خلوص' جذبہ خدمت اور سمع و طاعت کا اعتراف میرے صحیفہ قلب پر ثبت ہے۔ آپ کی ذات میرے لئے ایک نمونہ ہے۔ اگر ہم سب دار العلوم کے دائرہ میں ایسا ہی نمونہ پیش کریں تو ہماری ترقی کا دائرہ بہت وسیع ہو جائے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں آپ کے نام لکھتے ہیں :

" گذشتہ چند ماہ کے عرصہ میں جناب نے جس محنت اور تعلیمی سلسلہ میں حسن کارکردگی کا ثبوت دیا ہے۔ خدام دار العلوم اس کی قدر کرتے ہیں اور آئندہ کے لئے جناب سے اچھی توقع رکھتے ہیں۔ ایسی حالت میں بے انصافی ہوگی کہ ایسے حضرات کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔ چنانچہ جناب کی قابلیت اور شہرت و مقبولیت کے پیش نظر یکم محرم الحرام سے جناب کو مستقل کیا جاتا ہے۔"

چونکہ اللہ رب العزت نے فطری طور پر آپ کو اعلیٰ صلاحیتوں اور قوی علمی استعداد سے نوازا تھا' اس لئے بہت جلد دار العلوم دیوبند میں درس نظامی کی اعلیٰ کتابیں پڑھانے لگے اور آپ کا شمار طبقہ علیا کے اساتذہ میں ہونے لگا۔ آپ کا حلقہ افادہ و تدریس وسیع ہوتا چلا گیا۔ صرف دار العلوم دیوبند میں آپ سے تعلیم حاصل کرنے والے تلامذہ کی تعداد تین ہزار کے قریب ہے۔

(الحق خصوصی نمبر' ص ۲۹)

دار العلوم کی کہانی حضرتؒ کی زبانی :

حضرت شیخ الحدیثؒ دیوبند میں تدریس کرتے رہے۔ اس دوران قیام پاکستان کی تحریک چلی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے تھے کہ تقسیم برصغیر سے

ایک ماہ پہلے تعطیلات رمضان گزارنے کی خاطر اپنے گاؤں اکوڑہ خٹک آیا۔ ۲۷/ رمضان - ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو ملک تقسیم ہوا۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم صاحبؒ و حضرت شیخ مدنیؒ کا اصرار تھا کہ دیوبند حاضر ہو جاؤں مگر فسادات کی وجہ سے والد صاحب نے اجازت دوبارہ نہ دی۔ اب خود پاکستان میں طلبہ دیوبند (جو تقسیم کی وجہ سے واپس نہ جاسکے تھے) کو پڑھانے کے لئے انتظام کی ضرورت تھی اور اس نئے ملک میں دین کی امانت پہنچانے کی ضرورت تھی۔ تمام مدارس ہندوستان کے حصہ میں رہ گئے اور یہ حصہ یعنی پاکستان مدارس سے خالی تھا اور مدرسہ کے چلانے کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے مگر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے محض دین کے تحفظ کی خاطر جس طرح ۱۸۵۷ء کے بعد حضرت نانوتویؒ نے انگریزی الحاد سے دفاع کے لئے چھتہ کی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے ایک استاد شاگرد سے مدرسہ کی بنیاد رکھی اسی کی نقل کرتے ہوئے موجودہ انقلابی دور کے فتنوں سے بچانے کے لئے مسجد ککے زئی اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ جو کچھ ہوا وہ بغیر نام و نمود اور ظہور کے تھا اور اس لئے کہ ڈر تھا کہ دارالعلوم و مدرسہ کے نام سے لوگ متنفر ہو جاویں گے اور رکاوٹ ڈالیں گے۔ انہی ایام میں صوبہ پنجاب کے وزیر تعلیم نے ایک سوال کے جواب میں کہ پاکستان میں دینی تعلیم کا کیا نظام ہوگا تو جواب میں کہا کہ جامعہ ازھر اور دنیا کے مختلف ممالک سے علماء آئیں گے اور وہ نصاب تجویز کریں گے مگر دارالعلوم دیوبند اور اس کے ہمنوا لوگوں کی تعلیم کیلئے پاکستان میں جگہ نہ ہوگی۔ اب داعیہ پیدا ہوا کہ دیوبند کے نصاب کو زندہ رکھا جائے، ہمت نہ ہاری اور اکابر کی امانت پہنچانے کا پاکستان میں تہیہ کر لیا۔ چنانچہ ۳ سال دارالعلوم کو مخفی رکھا اور پڑھائی باقاعدہ ہوتی رہی۔ نہ چندہ، نہ تنخواہ اور نہ اس کا وہم و گمان۔

ابتدائی تین سال میں علمی ترقی اور طلبہ کی آمد خصوصاً وہ جو تقسیم کی وجہ

سے ہند نہ جا سکے تو چھ سے زیادہ طلبہ کے اصرار پر دورہ حدیث ابتدا تاسیس دارالعلوم حقانیہ سے شروع ہوا اور یہ جو ترقی ہے دارالعلوم کی یہ علم حدیث کی برکت ہے، دارالعلوم طلبہ حدیث کی آمد سے دن بدن روبہ ترقی رہا اور اس خدمت حدیث کی برکت سے آفات وبلیات سے حفاظت رہی اور مدرسہ حقانیہ کو تروتازگی اس دعا کی برکت سے نضر اللّٰه امرأ سمع مقالتی فوعاها و اداها کما سمعها کے طفیل ہے ورنہ کہاں یہ بنجر غیر ذی ذرع زمین اور انتہائی مفلس کارکنان اور کہاں یہ دارالعلوم جس کا بحمد اللہ آج چار لاکھ (اور اب ایک کروڑ سے زائد) سے زیادہ سالانہ اخراجات ہیں، اللّهم زد فزد۔

تین سال کے بعد بعض ملازمین ۵ روپیہ ماہوار پر مقرر کئے گئے۔ ایک دفتری اور چند مدرسین جن کی نظر خدمت دین پر تھی اور تنخواہ کے بالکل متمنی نہ تھے اور ان طلبہ ومدرسین کے لئے کھانا وغیرہ ضروریات کے لئے حضرت والد صاحب مرحوم اپنے جیب سے خرچ کرتے رہے۔ تین سال کے بعد طلبہ نے راز افشا کیا۔ ربیع الاول کے مہینہ میں چندہ کی تحریک اور دارالعلوم حقانیہ کی تاسیس کا ذکر عوام میں کیا گیا۔ دیہات والوں سے غلہ اور چندہ کی اپیل کی۔ عوام نے اس اپیل کا خیر مقدم کیا جس سے دارالعلوم والوں کے حوصلے بلند ہوئے اور خوف و ہراس کے بجائے آگے قدم بڑھانے کی ہمت ہوئی۔ اب ارادہ ہوا کہ قوم کے سامنے فضلاء کی دستار بندی کریں، اس دستار بندی میں حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ وغیرہ تمام حضرات تھے۔ (الحق خصوصی نمبر، ص ۲۷)

تدریسی عظمت کا اعتراف:

اپنے وقت کے بڑے بڑے جبال علم کو حضرت شیخ الحدیثؒ کے علم وفضل

اور تدریس پر حد درجہ اعتماد تھا۔ مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد دین فرماتے ہیں :

" مجھے تمام عمر حضرت شیخ الحدیثؒ سے ملنے کی حسرت تھی اس لئے کہ ہمارے شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدینؒ فرماتے تھے کہ اب جب مولانا عبدالحق صاحب وطن (دیوبند سے) آگئے ہیں' اب اگر میں تدریس نہ بھی کر سکوں تو میرا ذمہ فارغ ہوگا اس لئے کہ وہ میرے عوض (متبادل) ہیں اور یہ ایسا ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے ظہور فرمایا اور وہ فتویٰ دینے لگے تو لقمان حکیم نے فرمایا کہ اب ان کا فتویٰ کفایت کرتا ہے۔ اس کے راوی مولانا محمد دین صاحب نے فرمایا کہ یعنی حضرت شیخ الحدیثؒ ان پر ایسے گراں (عزیز) تھے کہ مثالیں دے دے کر ہمیں ان کے بارہ میں سمجھایا کرتے تھے۔ (الحق خصوصی نمبر' ص ۴۱۷)

تدریسی فیضان :

حضرت شیخ الحدیثؒ کے علمی کمال اور تدریسی مہارت نے اتنی شہرت پکڑلی کہ دنیا کے کونے کونے سے لوگ دارالعلوم حقانیہ کو دیکھنے کے لئے آتے۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے ایک موقع پر فرمایا کہ پاکستان میں دارالعلوم حقانیہ دیوبند ثانی ہے۔ اور مصر کی عظیم اسلامی یونیورسٹی جامعۃ الازھر کے وائس چانسلر الشیخ محمد طیب النجار اور قاہرہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر الشیخ حسین حمدی ابراہیم اپنے تعارفی و مطالعاتی پروگرام پر جب دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تو حقانیہ کے طلبا سے مفصل خطاب کیا اور اپنی تقریر میں دارالعلوم حقانیہ 'اس کے تعلیمی ماحول اور تربیت کے انداز اور جہاد افغانستان میں زبردست کردار کے پیش نظر اسے "الازھر القدیم" قرار دیا۔

دارالعلوم دیوبند سے آئے ہوئے مہمانان گرامی میں حضرت مولانا معراج الحق نے فرمایا : میرا جی چاہتا ہے کہ دارالعلوم حقانیہ کے درو دیوار سے لپٹ جاؤں کیونکہ اس کی تہہ میں بالاکوٹ کے شہداء کا خون موجود ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کے فیض یافتہ اس وقت ملک و بیرون ملک کے کونے کونے تک پہنچ کر دین متین کی خدمت کر رہے ہیں۔ افغانستان کی اسلامی حکومت کے تمام کارپردازان حکومت حضرتؒ کے بالواسطہ یا بلاواسطہ تلامذہ ہیں اور حضرتؒ کے لئے آخرت کی پونجی ہیں۔

تدریس حدیث کے برکات :

حضرتؒ کے تلامذہ اپنے اعلیٰ صفات' بہترین تربیت اور مثالی کردار سے ایک عالم کو مستفید کر رہے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے لاکھوں انسان دیندار ہوئے' فاسق و فاجر متقی اور پرہیزگار بن گئے' سینکڑوں کے اعمال و عقائد اور اخلاق کی اصلاح ہوئی اور اب تو پاکستان یا افغانستان کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں دارالعلوم حقانیہ اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے فیض یافتہ فضلا کوئی مدرسہ نہ چلا رہے ہوں یا کسی مدرسہ میں خدمت درس میں مشغول نہ ہوں۔ یہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی تدریسی برکات ہیں کہ ہر جگہ قرآن' حدیث' فقہ حنفیہ' اطاعت رسولؐ' حب صحابہؓ اور حب اولیاء اللہ اور جہاد کی روشنی کا ایک نور پھیلا ہوا ہے۔ آپ نے ۴۵ سال کا طویل عرصہ تدریس حدیث میں گذارا۔ اسی انہماک اور علم حدیث سے بے پناہ شغف کی وجہ سے شیخ الحدیث کا لفظ آپ کا اسم علم بن گیا۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد تقریباً چھ ہزار سے زائد ہے۔

تدریس محبوب مشغلہ :

آپ کے صاحبزادے مولانا حافظ انوار الحق صاحب حضرتؒ کی تدریس

سے عشق ومحبت کی داستان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" علوم دینیہ کی تدریس حضرت شیخ الحدیثؒ کی زندگی کا اہم ترین مشغلہ تھا۔ کسی صورت میں تدریسی سلسلہ میں انقطاع کو برداشت نہ کرتے۔ اگر کبھی درس حدیث کے دوران جنازہ کی اطلاع آجاتی تو درس کی تمام جماعت کو کتب سمیت اپنے ساتھ لے جاتے اور جنازہ پڑھانے کے بعد جنازہ گاہ ہی میں بیٹھ کر تدفین تک اپنی تدریسی ذمہ داری کو ادا کرتے۔ بیماریوں کے حملہ سے پیشتر دارالعلوم حقانیہ میں صحاح ستہ کا بیشتر حصہ خود پڑھاتے تھے اور سال کے آخری مہینوں میں تو فجر کی نماز کے بعد پڑھانے کے لئے بیٹھتے تو یہ سلسلہ رات دس گیارہ بجے تک جاری رہتا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ علوم نبویہ کی تدریس ہی ان کی روح وجان کی اصل غذا اور مدار حیات ہے۔

تدریس کا سلسلہ قریباً نصف صدی تک بڑے انہماک سے جاری رکھا' درس حدیث کا طرز ونہج اپنے استاذ ومرشد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کے طریقہ سے مشابہ تھا۔ درس میں شروع سے آخر تک ایک ہی طرح کا اسلوب اور جوش وخروش رہتا۔ سال کی ابتدا اور آخر میں کچھ فرق نہ ہوتا۔ جس مسئلہ پر تفصیل سے وضاحت کی ضرورت پڑتی اگر طبیعت خراب بھی ہوتی تب بھی تفصیل و وضاحت میں اختصار سے کام نہ لیتے۔ اختلافی مسئلہ بیان کرتے وقت ہر امام و مجتہد کا نام بے پناہ عقیدت کی وجہ سے القابات واحترام سے لیتے اور کسی قول کو ترجیح دیتے وقت اس سے مختلف رائے رکھنے والے کسی بھی صاحبِ مسلک کا تذکرہ بے ادبی یا عامیانہ انداز سے بیان نہیں فرماتے تھے بلکہ فریقین کے ائمہ اور اصحابِ مسلک کے نام میں برابر کا احترام جاری رہتا۔

تدریس کے ساتھ یہ والہانہ عقیدت و تعلق صرف اپنی ذات تک محدود نہ رکھا' اپنے لئے جو کچھ پسند فرمایا دوسروں کو بھی اس کی تلقین کی۔ جب بھی دار العلوم کا کوئی فاضل یا عالم اپنے آئندہ لائحہ عمل کے بارہ میں مشورہ لینے کے لئے آیا' دنیاوی مشاغل کا مشورہ دینے کے بجائے صرف اور صرف تدریس شروع کرنے کی نصیحت فرماتے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے کہ یہ پروا نہ کی جائے کہ چھوٹی کتاب پڑھانے کو ملی ہے یا بڑی' بلکہ اشاعت دین کے فضائل بیان کرنے کے بعد اپنے اساتذہ و اکابر علماء دیوبند کی تدریسی مصروفیات و کارناموں کے واقعات سناتے کہ ان کی شہرت اور علمی عظمت کی بنیادی وجہ تدریس تھی۔

(الحق خصوصی نمبر' ص ۱۱۸)

آخری لمحات میں امالیٔ ترمذی کی فکر :

حضرت شیخ الحدیثؒ دار العلوم دیوبند سے تحصیل علم سے فراغت اور تدریس سے وابستہ ہو جانے کے بعد اپنی آخری سانسوں تک کبھی درس و تدریس کے شغل اور انہماک سے دور نہیں رہے' بلکہ ایام بیماری میں بھی آپ کو یہ فکر دامن گیر تھی۔

حضرت شیخ الحدیثؒ سے مولانا سمیع الحق کی آخری ملاقات وفات سے ایک دن قبل ہوئی۔ وہ نہایت نگہداشت کے وارڈ میں تھے' مولانا سمیع الحق عصر کے وقت ان کے پاس حاضر تھے کہ حضرتؒ لیٹے لیٹے اپنے پہلو میں بستر پر کچھ ٹٹولنے لگے تو مولانا سمیع الحق نے کہا حضرت! کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟ فرمایا ترمذی شریف کے امالی (جس میں ان کے شیخ حضرت مدنیؒ کی آرا بھی شامل ہوتے تھے اور حضرتؒ کو ان کی حفاظت کا زندگی بھر بڑا اہتمام رہتا تھا) کے اوراق اور

مسودات بکھر رہے ہیں، کہیں ورق اِدھر اُدھر نہ گر جائیں، انہیں تلاش کر کے اکٹھے کر لو اور رومال میں جمع کر کے باندھ لو۔ مولانا سمیع الحق نے کہا بہت اچھا! آپ آرام فرمائیں، میں دیکھتا ہوں اور پھر کہا کہ حضرت سارے مسودے موجود ہیں، کوئی ورق نہیں گرا، میں نے باندھ دیئے ہیں۔ مولانا سمیع الحق فرماتے ہیں کہ میں نے پھر ان کی نیم غنودگی کے عالم میں ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، مصافحہ کر کے اجازت لینی چاہی اور جاتے وقت چند لمحے قدموں میں کھڑے ہو کر حضرتؒ پر نگاہ ڈالی۔ حضرتؒ اس حالت میں بھی عمامہ زیب تن کیے ہوئے تھے اور چہرہ پر عجیب انوار اور طمانیت محسوس ہو رہی تھی جسے سنت میں گویا مصحف کریم کے صفحہ سے تعبیر کیا گیا۔ مولانا سمیع الحق فرماتے ہیں کہ کیا معلوم تھا کہ سراپا انوار چہرہ اقدس پر یہ میری آخری نگاہ ہے، مجھ سے حضرتؒ کی آخری بات احادیث کے امالی اور مسودات کے حفاظت کی ہوئی۔ یہ شغف حدیث اور تدریس حدیث کی انوکھی مثال ہے۔ (الحق خصوصی نمبر، ص ۸۸۶)

یہ تھا ہمارے حضرت شیخ الحدیثؒ کا علمی اور تدریسی شغف واشتغال۔ یہ ہے اس شیخ الحدیثؒ کی حالت کہ شیخ الحدیث جن کا اسم علم بن گیا اور ایک ہم ہیں ننگ اسلاف --- ؎

تمہیں آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

حضرت شیخ الحدیثؒ کی نسبت معلوم ہو چکا ہے کہ اپنے وقت کے مفتی، فقیہ اور علمی کمال کے حوالے سے شہرت کی بلندیوں کو چھو چکے تھے۔ تو یہ سب کچھ درس، تدریس، ذوق و شوق مطالعہ اور علمی انہماک کے ثمرات تھے۔ تدریس گویا حضرتؒ کی زندگی کی تمام مساعی کا ہدف تھا ---- ؎

دست از طلب ندارم تاکار من بر آید
یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید

باب ۳

نظریہ تعلیم و تربیت

آج ہر طرف ناچ گانے کی ثقافت کلچر کے نام سے متعارف کرا کے نئی نسل کے قلوب واذہان میں راسخ کی جارہی ہے۔ اس کے ساتھ عریاں مغربی میڈیا کی یلغار اور لارڈ میکالے کا نظام تعلیم مستزاد ہے۔ ہماری نئی نسل کا نمائندہ نوجوان صبح جب اخبار اٹھاتا ہے تو عریاں تصاویر کا پلندہ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور جب سکول، کالج اور یونیورسٹی کا رُخ کرتا ہے تو اس کے فکر ونظر کی معراج مغربی تہذیب میں لتھڑے ہوئے جنسی لٹریچر پر پہنچ کر اس کے پراگندہ ذوق کی تسکین پر ختم ہوتی ہے۔ اذہان بدل گئے، معیار بدل گئے، خیر وشر کا پیمانہ بدل گیا، نیکی اور بدی کی کسوٹی تبدیل ہوگئی۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا نام خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

نسل نو تباہی کی طرف رواں دواں ہے اور کسی کو پرواہ تک نہیں۔ معاشرے کا ہر فرد آئندہ آنے والے خطرات سے بے نیاز ہو کر سہل پسندی اور تن پرستی کے گنبد میں بند ہے۔ لارڈ میکالے کی ہڈیاں خاک میں مل کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہونگی، لیکن اس کا نظام تعلیم اس کی منشاء اور مرضی کے مطابق آج بھی ہم پر

مسلط ہے۔ وہ نظام تعلیم جس کے متعلق خود لارڈ میکالے نے کہا تھا، اگر اسی نظام سے مسلمان عیسائی نہ بنیں تو نہ بنیں، لیکن وہ مسلمان بھی نہیں رہیں گے۔ آج بھی کالجز، یونیورسٹیوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے، اس سے انسان کے پیٹ کا مسئلہ تو حل ہوسکتا ہے، لیکن اس تعلیم کا عقیدہ، اعمال اور حسن اخلاق کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں۔ آج ہم اپنے اعمال کی سزا بھگت رہے ہیں کہ نئی نسل کا کوئی پرسان حال نہیں۔ نئی نسل، ڈاکٹر، انجینیر، پروفیسر، الغرض سب کچھ بن سکتی ہے اور بن رہی ہے لیکن انسانیت کا وہ بلند مقام جو مطلوب و مقصود ہے، اس تک رسائی ممکن نہیں۔

مولوی صاحب فرشتہ ہوں تو ہوں آدمی بننا بڑا دشوار ہے

انسانیت کے بلند مقام کے حصول کیلئے قرآن و حدیث کے علوم سے رشتہ جوڑنا نئی نسل کی بقا اور تحفظ کیلئے از بس ضروری ہے۔ الحمدللہ دینی مدارس اس ضرورت کو کما حقہٗ پورا کر رہے ہیں، لیکن...... ع

ہے جستجو کہ خوب سے خوب تر کہاں

کی تلاش میں دینی مدارس نے باہمی مشورے اور وقت کے حالات اور تقاضوں کو مدنظر رکھ کر اپنی تعلیمی اور تربیتی پالیسی پر ہمیشہ نظر ثانی کی ہے اور اپنے اکابر اور اسلاف کی آرا اور مشوروں کو مقدم رکھا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے دارالعلوم حقانیہ میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ کے اجلاس میں چند مشورے دیے تھے، جو افادہ عام کی غرض سے نذر قارئین ہیں۔

تعلیم

(۱) طلبہ کو بالکل ابتدائی زمانہ ہی سے نوشت و خواند اور حساب کتاب سکھانے کا خاص اہتمام کیا جائے، بلکہ ہو سکے تو قرآن کریم ناظرہ

کے دوران ہی اس کا آغاز کسی حد تک کر دیا جائے ، حفظ کے طلبہ کا کچھ وقت اس کام کیلئے مخصوص کیا جا سکتا ہے اور درس نظامی کے درجہ اعدادیہ واولیٰ سے طلبہ کو باقاعدہ تحریر و کتابت کا عادی بنایا جائے اور عربی و اردو میں انشاء کی مشق کرائی جائے۔

(ب) اسباق کی تیاری کیلئے اساتذۂ کرام اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے گہرے اور وسیع مطالعے کا اہتمام فرمائیں ، جو ہمارے اسلاف کا شعار رہا ہے اور ایسے تمام مشاغل کو زہر سمجھیں جو اس کام میں ادنیٰ خلل کا باعث ہو سکتے ہیں۔

(ج) طلباء کو مطالعہ اور تکرار کا پابند بنایا جائے اور اس کی بطور خاص نگرانی کی جائے اور دوسرے مشاغل مثلاً اخبار بینی ، جلسے جلوس لایعنی مجالس اور بازاروں میں گھومنے سے پورے اہتمام کے ساتھ ان کو روک کر ان کی تمام تر توجہ اپنی تعلیم و تربیت پر مرکوز کر دی جائے

(د) درس حتی الامکان اردو میں ہونا چاہیئے تا کہ بعض طلباء اردو نہ جاننے کے باعث دوسرے مدارس کے طلباء سے پیچھے نہ رہ جائیں اور عالم دین بن کر قومی زبان کے ذریعہ دین کی مفید، وسیع اور مؤثر خدمات انجام دے سکیں اور سوشلزم ، قادیانیت ، انکار حدیث اور بدعت والحاد جیسے جیسے فتنوں کا مقابلہ کر سکیں ، جو زبان کے راستے سے داخل ہو رہے ہیں۔

(ھ) مدارس کے ماحول میں زیادہ سے زیادہ عربی زبان کو رائج کرنے کی کوشش کی جائے۔ جمعرات کو طلبہ تقریر و خطابت کی مشق کرتے ہیں ، اس مشق میں عربی تقریروں ، عربی نظموں اور مشاعروں کا بھی اہتمام کیا جائے ۔ ادب عربی کے اسباق میں انشاء عربی کی

مشق پر خصوصی توجہ دی جائے اور امتحانی نمبروں میں بھی ان کو ملحوظ رکھا جائے ۔ مدارس میں تمام تختیاں اور بورڈ اردو کے ساتھ عربی زبان میں بھی ہونے چاہئیں اور درسِ نظامی کے تمام درجات کے داخلہ فارم عربی زبان میں طبع کرائے جائیں اور مدارس کے اندر بول چال عربی زبان میں رائج کرنے کی کوشش کی جائے۔

ان تدابیر پر بتدریج عمل کرنا مشکل نہیں۔ تھوڑے سے اہتمام اور کوشش سے یہ کام ہوسکتا ہے۔ ہمارے بزرگانِ دیوبند نے اردو کے علاوہ عربی زبان میں بھی ایسی نادرۂ روزگار تصانیف چھوڑی ہیں جن کو بلا شبہ گذشتہ صدی کا بہترین علمی سرمایہ کہا جا سکتا ہے۔ آج عرب کے علماء کرام ہمارے بزرگوں کے ان محققانہ و ادیبانہ کارناموں پر رشک کرر ہے ہیں۔

(و) بعض مدارس تعلیمی سال کے آغاز پر اسباق بہت تاخیر سے شروع کرتے ہیں اور بعض مدارس میں اختتام سال شعبان کے بجائے رجب ہی میں ہو جاتا ہے، بلکہ بعض مدارس میں تو نوبت سال جمادی الثانی تک آ گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ مدت تعلیم کم ہو جانے سے تعلیم کا سخت نقصان ہوتا ہے اور استعدادیں بہت ناقص رہ جاتی ہیں ۔ اہل مدارس اہتمام فرمائیں کہ اسباق ۱۵ شوال تک شروع ہو جائیں اور رجب کے آواخر تک جاری رکھیں۔

(ز) مدارس، اساتذہ اور طلبہ کو عملی سیاست سے دور رکھا جائے اور ان کی پوری توجہ تعلیم و تربیت پر مرکوز رکھنے کیلئے تمام ممکنہ وسائل و تدابیر اختیار کی جائیں۔ (الحق خصوصی نمبر ص ۸۶۶)

دینی مدارس کے دو ہی بنیادی مقاصد ہیں، ”تعلیم دین اور دینی

تربیت''۔ اگر تعلیم ہو اور تربیت نہ ہو تو بھی اعلیٰ ترین رجال کار اور جید علماء کی تیاری مشکل ہے ...... دینی معاشرے کے احیاء اور بقا کیلئے دینی مدارس میں تربیت بھی ضروری ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا:

تربیّت

(ا) تعلیم جتنی ضروری ہے، اتنی ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم اور ضروری چیز اخلاقی تربیت ہے۔ قرآن کریم نے آنحضرت ﷺ کے مقاصد بعثت میں تزکیہ کا ذکر تعلیم سے بھی مقدّم کیا ہے۔ وَ یُزَکِّیهِمُ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ ...... احقر کے نزدیک تربیتِ اخلاق کیلئے مندرجہ ذیل تین تدابیر فوری طور پر اختیار کرنے کی ضرورت ہے:

(ا) اساتذۂ کرام اپنے درس میں اور درس کے باہر بھی طلبہ کی اخلاقی تربیت کا فریضہ اپنے دیگر فرائض منصبی کی طرح انجام دیں اور اپنے قول و عمل سے ان کے سامنے اسلاف کا نمونہ پیش فرمائیں۔

(ب) ہفتہ وار اور دیگر چھوٹی بڑی تعطیلات میں طلبہ کو ترغیب دی جائے کہ وہ کسی متبع سُنّت شیخِ طریقت کی خدمت میں کچھ وقت گذاریں۔

(ج) اور جن کو اس کے مواقع میسّر نہ ہوں وہ اپنی تعطیلات کا کچھ وقت اور کچھ ایّام تبلیغی جماعت میں لگائیں۔

(ب) ایک چیز جو سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ آج ہمارے ان مدارس کو طرح طرح کے فتنوں اور بے شمار اُلجھنوں کا سامنا ہے جن کے لئے ممکنہ تدابیر اختیار کرنی چاہئیں، لیکن یہ کبھی نہ بھولنا چاہیئے

کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت کے حصول کا سب سے مؤثر ذریعہ تقویٰ اور اخلاص ہے وَمَن یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجعَل لَہ' مَخرجاً ط وَیَرزُقہُ مِن حَیثُ لَا یَحتَسِب ۔اس آیت مبارکہ میں ہمارے مدارس کے بھی تمام مسائل کا حل موجود ہے۔لہٰذا اس وعدۂ خداوندی کے حصول کیلئے تمام مدارس کے منتظمین اور اساتذۂ کرام کا فرض ہے کہ وہ تقویٰ ، اخلاص ، زہد وتوکل اور استغناء کو سب سے پہلے اپنا شعار بنائیں۔اگر ہم نے یہ اوصاف اپنے اندر پیدا کر لیے تو طلبہ ان اوصاف میں خود بخود ڈھل جائیں گے، ورنہ یہ اوصاف محض تقریروں اور مواعظ سے پیدا نہیں ہو سکتے۔

(ج) آج ہمارے مدارس میں جہاں اور بہت سے مفاسد پیدا ہو گئے ہیں، ایک مفسدہ یہ بھی نظر آنے لگا ہے کہ خلاف شرع امور مثلاً تصاویر، مخرب اخلاق لٹریچر، ناجائز لہو ولعب اور وضع قطع سے اتنی احتیاط نہیں کی جاتی جتنی کہ شرعاً واجب ہے۔اتباع سنت مسلک دیوبند کی سب سے بڑی اور بنیادی خصوصیت ہے۔آج ہمارے مدارس میں اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا، بے شمار سنتیں آج ہمارے ہی مدارس میں مردہ ہو چکی ہیں۔ اگر ہمیں مسلکِ دیوبند کو زندہ رکھنا ہے تو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی ایک ایک سنت کو اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں زندہ کرنا ہوگا۔اگر دینی مدرسوں میں بھی یہ کام نہ ہو سکا تو باہر کے معاشرے اور عامۃ المسلمین میں محض زورِ خطابت اور مناظروں کے بل بوتے پر کوئی سنت زندہ نہیں کی جا سکے گی۔اگر ہم نے اتباع سنت میں اپنی اور طلبہ کی زندگیوں کو نہ ڈھالا تو تاریخ ہمارا یہ جرم کبھی معاف نہیں کرے گی اور مستقبل کا مؤرخ جب مسلک

دیوبند کو نقصان پہنچانے والوں کا شمار کرے گا تو ہمارا نام بھی ان میں شامل کرنے پر مجبور ہوگا۔ و لا فعلها الله۔

(د) آج مسلک دیوبند پر جتنی شدید یلغار بیرونی حملوں کی ہے اندرونی فتنوں کی یلغار اس سے کم نہیں۔ اندرونی فتنہ سب سے بڑا یہی ہے کہ ہمارے مدارس میں اتباع سنت میں بہت ڈھیل اور سستی پیدا ہوگئی ہے۔ ہم اپنے اسلاف کی جفاکشی، سادگی، تواضع، خشیت اخلاص، زہد و توکل اور استغناء کو بھولتے جارہے ہیں، حب جاہ اور حبّ مال کے فتنے ہماری کارکردگی پر ضرب کاری لگارہے ہیں، یہ ہمارا اندرونی فتنہ ہے اور سب جانتے ہیں کہ اندرونی فتنہ بیرونی حملوں سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے، بلکہ درحقیقت بیرونی حملوں کو بھی اندرونی فتنوں سے شہ ملتی ہے، اس لئے اس خطرناک اندرونی فتنہ کا سدباب ہماری سب سے پہلی اور سب سے اہم ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

نظم و نسق اور باہمی تنظیم

(ا) مدرسوں کا نظم و نسق مثالی ہونا چاہئے۔ ہر کام میں شائستگی، سلیقہ اور صفائی ستھرائی اگر ہوگی تو دینی تعلیم میں کشش پیدا ہوگی اور ابنائے زمانہ کا رجوع ان مدارس کی طرف زیادہ ہوگا۔

(ب) ہر مدرسہ میں ہر شعبہ عمل کیلئے قواعد و ضوابط مرتب اور ان پر عمل کرنا اس زمانے میں بہت اہم ہوگیا ہے۔ ہر مدرسہ اپنے حالات کے مطابق ضابطے خود مقرر کرے، پھر جو ضابطے مقرر ہو جائیں، اُن کی تکمیل ہر خورد و کلاں سے کرائی جائے اور کسی سفارش یا منت سماجت کا ہرگز لحاظ نہ کیا جائے ورنہ بے شمار فتنے پیدا ہوتے رہیں

گے۔

(ج) وفاق المدارس کو مفید، مؤثر اور فعّال بنانے کیلئے ضروری ہے کہ اس کے اغراض و مقاصد (جو طبع شدہ ہیں) ان کی تکمیل کیلئے بھرپور کوشش کی جائے۔ وفاق بحیثیتِ وفاق کی جملہ کاروائیاں انہیں اغراض و مقاصد کی حدود میں رہنی چاہئیں، ان حدود سے باہر کے کام اگر چہ فی نفسہٖ کتنے ہی مفید کیوں نہ ہوں اگر ان میں وفاق کی توانائیاں اور وسائل خرچ کئے گئے تو ہماری توانائیاں بکھر کر رہ جائیں گی اور کوئی کام بھی پائیدار نہیں ہو سکے گا۔ (خصوصی نمبر ص ۸۶۷)

مدارس کی اصلاح اور تصحیح نیت

موجودہ دینی مدارس کی ترقی اور نظام تعلیم و تربیت کیلئے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کے ایک سوال نامہ کے جواب میں فرمایا:

''مدارس کے اصلاح اور مردم خیز ہونے کیلئے اوّلین شرط تصحیح نیت ہے کہ ارباب مدارس، مدارس قائم کرنے، اس کو چلانے اور اساتذہ وطلبہ اپنے تمامتر تعلیم وتعلم کی غرض اور مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا اور آخرت کی فلاح وسعادت سمجھیں اور ارشاد ربانی: فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهو فی الدين والينذر و اقومهم اذا رجعوا اليهم ،کو ہمہ وقت منظور نظر رکھیں، دین محمدی ﷺ پر خود عمل مقصود ہو اور دنیا کی ظلمتوں میں نور اسلام پھیلانا مطمح نظر ہو۔ اگر طلبہ واساتذہ...... كُنتُم خيرَ اُمَّةٍ اُخرِجَتَ لِلنّاسِ تَامرُونَ بِالمعرُوفِ وَ تَنهَونَ عَنِ المُنكَر کا مصداق ہوں، تفقہ فی الدّین اور امر بالعروف و نهی عن المنكر کا مظہر ہوں، اَتَامرُونَ بِالبِرِّ وَ

تنسون انفسکم و انتم تتلون الکتب، کا مصداق نہ ہوتو پوری امت پر اس کے نہایت بہتر اثرات مرتب ہونگے۔ اس سلسلہ میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد...... العلماء ورثۃ الانبیاء، منجملہ جوامع الکلم ہے کہ مقام و مرتبت کی بلندی اور ذمہ داریوں کی نزاکت کا سارا نقشہ اس میں آجاتا ہے۔ طلبہ اور اساتذہ کی اخلاقی اصلاح اور کردار کی تربیت کی طرف توجہ نہایت ضروری ہے۔ مدارس میں اساتذہ ایسے ہوں، جو اسلامی کردار کا بہترین نمونہ ہوں۔ اخلاقی کمالات سے بھرپور ہوں اور ظاہر و باطن میں شریعت اور علوم شریعت کے فدائی ہوں۔ صوم وصلوٰۃ اور اخلاق حسنہ سے متصف ہوں۔ مطالعہ اور علمی ذوق تحقیق ان کا اڑھنا بچھونا ہو۔ مدارس کے مردم خیز ہونے میں اساتذہ و منتظمین کے اخلاص وللھیّت اور بلند کردار و بااخلاق ہونے کا بنیادی حصہ ہے۔ اس کے علاوہ حصول علم کی راہ میں فنائیت، تواضع، مسکنت اور انکساری، سادگی، قناعت، زہد و توکل کی زندگی اور علوم وفنون کے ادب و احترام کا ہمہ وقت لحاظ ضروری ہے''۔ (خصوصی نمبر ص ۸۷۲)

جامع نصاب تعلیم

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے شائع کردہ نصاب تعلیم پر نظر ثانی کی غرض سے ۲۸ نومبر ۱۹۸۳ء کو ملتان میں وفاق کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ بھی کئی وجوہ سے مجوزہ نصاب کو نا تمام اور قابل ترمیم سمجھتے تھے اور حضرتؒ کی یہ خواہش تھی کہ وفاق المدارس کے ارباب حل وعقد اور نصاب کمیٹی نئے حالات کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے درس نظامی کے دوسو سالہ کامیاب نصاب تعلیم، اس کے نتائج وثمرات اور اکابر کے مشاہدات و

ارشادات اور اصول و تجربات کو بھی ملحوظ رکھیں۔ چنانچہ ۲۶ نومبر ۱۹۸۳ء کو آپ نے دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ کی میٹنگ بلائی اور خود بھی باوجود تکلیف وشدت ضعف ونقاہت کے میٹنگ میں موجود رہے، جو ساڑھے تین گھنٹے جاری رہی، جس میں اس نصاب تعلیم پر کافی غور وخوض ہوا۔ اہم تجاویز اور ترمیم زیر بحث آئیں۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیثؒ اور دارالعلوم کے اساتذہ کی آراء و تجاویز پر احقر نے بطور نمائندہ شیخ الحدیثؒ ۲۸ نومبر ۱۹۸۳ء کو وفاق کی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ملتان میں پیش کیں اور بحث میں حصہ لیا۔ حضرتؒ کی بات مؤثر رہی، سب نے احقر کی اُن باتوں کی جو دراصل حضرت کی باتیں تھیں تصدیق کی۔ نصاب کے بارے میں اکیس رکنی کمیٹی قائم کردی گئی۔ جس نے درس نظامی کو باقی رکھتے ہوئے جدید تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر نصاب کی تشکیل جدید کا کام کیا۔ اس موقع پر احقر نے حضرت شیخ الحدیثؒ کا وفاق کی مجلس عاملہ کے نام خط بھی پڑھ کر سنایا۔ ذیل میں اس کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے جس سے حضرت شیخ الحدیثؒ کے نصاب تعلیم اور تعلیمی معیار کے ہدف کی نشان دہی ہوتی ہے۔

''عالم اسلام کے موجودہ دورِ زوال و انتشار اور لادینیت و مغربیت، مادہ پرستی ومعدہ پرستی کے عالمگیر سیلاب کے موقع پر علماء اسلام کی بالعموم اور وفاق المدارس کے حالیہ اصلاحِ نصاب کے اجلاس کے شرکاء کی بالخصوص ذمہ داریاں پہلے سے کئی گنا زیادہ ہوجاتی ہیں۔ نصابِ تعلیم میں غور وفکر اور ترمیم واضافہ کا مطمح نظر مدرسہ کی تعلیم، مدرسہ کے طالب علم کی ذمہ داری، اسباق کی ترتیب اوقات کا لحاظ، محنت ومطالعہ اور تکرار کے اوقات، دماغی سکون اور دماغی صلاحیت کو جلا دینے اور صیقل کرنے والے ذرائع، اکابر و

اسلاف کے علوم و معارف سے وابستگی، علمی کمالات، امتیاز و اختصاص، صدق و اخلاص کے ساتھ ساتھ موجودہ دور میں اس کا کردار، دنیا کے نقشہ میں اس کی حیثیت اور جاں بلب ملتِ مرحومہ اور مطلق انسانیت کیلئے اس کی مسیحائی و جاں نوازی اور اس کے عظیم علمی و دعوتی مقاصد اور فوائد کی اہمیت ہونا چاہیئے''۔

(خصوصی نمبر ص ۸۶۹)

تعلیم کا بنیادی مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل ہے، اگر تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا اہتمام نہ ہو، تو اس ہدف تک پہنچنا کارے دارد۔ طلبہ کی اخلاقی وعملی تربیت کا مسئلہ اور اس کی اہمیت کسی طرح بھی تعلیمی معیار قائم رکھنے سے کم اہمیت کی حامل نہیں۔ طلبہ کی اخلاقی اصلاح اور سیرت و کردار کی تربیت نہایت ضروری ہے۔ مغربی نظام تعلیم میں تعلیم کی کمی نہیں تربیت کی کمی ہے۔ اسی تربیت کے فقدان کی وجہ سے کالج اور یونیورسٹیز کے تعلیم یافتہ مذہب سے دور اور اخلاق سے عاری ہوتے جا رہے ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں......

علم مغرب بھی پڑھا زائر لندن بھی ہوئے
مثل انجم افق قوم پہ روشن بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جوان دین سے بدظن بھی ہوئے
صفت طائر گم کردہ نشیمن بھی ہوئے

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے! تعلیم کے ساتھ تربیت ہماری اخلاقی زندگی کیلئے ہوا میں سانس لینے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

باب ۴

ذوقِ علم ، شوقِ مطالعہ
اور پسندیدہ اشعار

جہالت کی ذلت سے بچنے کیلئے علم کی مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔ انسان یکا یک شہرت، عزت اور عظمت کی بلندیوں تک نہیں پہنچ پاتا، بلکہ اس کے پس منظر میں مصائب اور تکالیف کی ایک طویل داستان پنہاں ہوتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایک وقت تھا جب سلف صالحین ساری ساری رات دکانداروں کی دکانوں کے دروازوں سے چراغوں کے روشنی کے دھاروں کو غنیمت سمجھ کر مطالعہ و استفادہ کتب میں گذار دیتے تھے۔ ایک ایک کتاب کیلئے ترستے تھے پگھلتے تھے اور دور دراز علاقوں کے سفر کرتے تھے۔ ہمارے اسلاف نے تو دل گردے اور خون جگر سے علوم نبوت اور فنون اسلامی کی آبیاری کی، اور اب وہ کہاں؟

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

ہمارے اسلاف کا ایک یادگار دور تھا، جب علم دین ان کی پہلی اور آخری

خواہش ہوا کرتی تھی۔ اگر زندگی بسر کرتے تو علم کیلئے، کماتے اور کھاتے تو علم کیلئے، لڑتے اور جہاد کرتے تو علم کیلئے۔ ان کی حیات وفات علم پر تھی۔ علمی تشنگی اور ذوق وشوق مطالعہ نہ ہوتا تو آج قاسم نانا توئؒ حجۃ الاسلام نہ بنتے، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ابوحنیفہ ہند کے لقب کے حقدار نہ ٹھہرتے، حضرت مدنیؒ شیخ الاسلام اور شیخ العرب والعجم کے لقب سے ملقب نہ ہوتے، حضرت مولانا مفتی محمودؒ سیاسی عظمت کی معراج کو نہ چھوتے اور حضرت مولانا عبدالحقؒ شیخ الحدیث اور قائد شریعت کا بلند مقام نہ پاتے۔ ان اکابر کی محنت ومطالعہ، ذوق وشوق علم اور تعب ومشقت کے پیش نظر خدا نے انہیں علمی کمالات سے نوازا اور ایک دنیا ان کی علمی عظمت کی معترف ہوئی۔

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا ، سو بار جب عقیق کٹا تب نگین ہوا

اور اسی حقیقت کو کس قدر پیارے انداز سے سمجھایا گیا ہے۔

بے کوشش وبے جہد ثمر کس کو ملا ہے، بے غوطہ زنی گنج گوہر کس کو ملا ہے
بے خاک کے چھانے ہوئے زر کس کو ملا ہے، بے جورکشی تاج ظفر کس کو ملا ہے
جو رتبہ بالا کے سزاوار ہوئے ہیں، وہ پہلے مصیبت کے طلبگار رہوئے ہیں

آشیانہ علم

حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے ابتدائی دور طالب علمی کے واقعات بیان کرتے۔ ایک بار فرمایا کہ میں ابتدائی کتابیں پڑھنے کیلئے ضلع مردان کے قصبہ طورو میں گیا۔ تو مدرسے کی پڑھائی کے بعد میں نے کھیتوں میں اپنے مطالعہ کیلئے ایک درخت پر جگہ بنائی تھی۔ اپنے ساتھ کھانے پینے کی اشیاء لے کر میں شام تک اس درخت پر چڑھ کر مطالعہ میں مصروف ہوتا (گویا درخت میں آشیانہ بنالیا تھا)۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی نظر میں علم کی بڑی اہمیت اور عظمت تھی۔ تمام تر

سیاسی، انتظامی امور میں مشغولیت کے باوجود آپ زیادۃ فی العلم کیلئے ہر وقت مطالعہ کو حرز جان بنائے رکھتے۔ اسی ذوق مطالعہ اور انہاک علم نے آپ کو اپنے ہم عصر علماء میں ممتاز کر دیا تھا۔

وہ بزم اب کہاں وہ طرب کا سماں کہاں
ساقی کہاں وہ جام مے ارغواں کہاں
ڈھونڈیں ہم اب نقوش سبک رفتگان کہاں
اب گرد کارواں بھی نہیں کارواں کہاں

ذوق مطالعہ اور کتب بینی کا اشتیاق

مخدوم ومکرم حضرت مولانا حافظ انوار الحق مدظلہ، جو حضرتؒ کی مجلس کے حاضر باش ہونے کے علاوہ آپ کے نور نظر بھی ہیں اور حضرتؒ کے شب و روز کے رفیق سفر اور خادم بھی۔ اللہ نے انہیں علم و فضل سے بھی نوازا ہے۔ وہ فرماتے ہیں!

"گھر میں زیادہ تر وقت مطالعہ یا عبادت اور ذکر واذکار میں گزرتا۔ اپنی چارپائی کے اردگرد بے شمار بکھرے ہوئے ذخیرۂ کتب میں سے جو کتب زیر مطالعہ یا زیر درس رہتیں، کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد ان کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔ حتیٰ کہ جب آخری عمر میں بینائی میں کافی کمی آگئی اور کتب کے حواشی وغیرہ کے مطالعہ میں دقت محسوس ہونے لگی تو اس کی وجہ سے ان کو جو پریشانی اور قلق رہتا اس کا بار بار اپنے معالجین سے اظہار فرماتے رہتے جب ڈاکٹر دل کی تکلیف پر پریشانی کا اظہار کر کے اس کیلئے دوائیں تجویز کرتے تو ان کو جواباً فرماتے کہ مجھے دل کی تکلیف کی فکر نہیں، بلکہ آنکھوں کے ضعف کیلئے ایسی دوا بتا دیں جس کے ذریعے سے مطالعہ

اور تدریس کا سلسلہ جاری رکھ سکوں۔

انہماک مطالعہ

جن دنوں صحت کچھ اچھی رہی گھر میں زیادہ تر وقت مطالعہ میں صرف کرتے۔ جبکہ حالت یہ تھی کہ چھوٹے سے گھر میں مختصر سا کمرہ اور اس کے ارد گرد ہم بھائیوں، بہنوں کے ہجوم اور ان کے شور و غوغا کی وجہ سے (کسی معمولی سے طالب علم تک کیلئے بھی مطالعہ ناممکن ہوتا) لیکن انہوں نے کبھی بھی کسی قسم کی تنگی کا اظہار نہ فرمایا۔
(خصوصی نمبر ص ۱۱۵)

مطالعہ کے وقت کانوں میں روئی رکھ لیا کرتے تھے

حضرت مولانا حافظ محمد سیار الدین صاحب فاضل حقانیہ راوی ہیں کہ احقر نے دارالعلوم دیوبند میں میبذی حضرت شیخ الحدیثؒ سے پڑھی تھی، عصر کے وقت میں باب الظاہر جایا کرتا تھا۔ عصر کے بعد حضرتؒ کا میبذی کا درس ہوا کرتا تھا۔ میرا زیادہ قریبی تعلق دارالعلوم دیوبند میں مولانا عبدالحق نافعؒ سے تھا جو کہ خود بھی خاموش رہتے تھے اور ان کے کمرے میں سکوت ہوا کرتا تھا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے کمرہ میں طلبہ کا ہجوم اور شور وغوغا ہوتا مگر اس کے باوجود حضرت شیخ الحدیثؒ برابر مطالعہ کرتے رہتے اور جب آپ کے کمرہ میں شور زیادہ ہو جاتا تو آپ کانوں میں روئی رکھ لیا کرتے تھے، مگر غایت شرم وحیا کی وجہ سے کسی کو یہ نہ کہتے کہ شور نہ کرو، اس سے حضرتؒ کی غرض یہ ہوتی کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، طلبہ اپنی ظرافت میں لگے ہوتے ہیں، صبر وحلم اور خندہ روئی میں آپ کے مقابل اُس

وقت دارالعلوم دیوبند میں کوئی دوسری نظیر نہیں تھی۔

(خصوصی نمبر ص ۲۱۶)

چلتے چلتے مطالعہ

حضرت مولانا محمد زمان کلاچوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت شیخ الحدیثؒ کو مطالعہ حدیث کا اتنا شغف تھا کہ گھر اور مدرسہ میں تو یہ معمول رہا۔ گھر سے مدرسہ آتے وقت جبکہ ان دنوں راستہ میں کھنڈرات تھے پھر بھی راستہ میں ترمذی کی تقاریر وغیرہ کے مسودات پر نظر ڈالتے چلتے رہتے تھے۔

ذوق شعر وادب

حضرت شیخ الحدیثؒ اپنی ذات میں ایک ادارہ تھے وہ دریائے شریعت وطریقت کے شناور، علم وعمل کے شہسوار، تصوف وسلوک کے امین، کارزار سیاست کے شناسا، درس وتدریس میں منہمک، تحقیق وتدقیق کے علاوہ کتب بینی اور مطالعہ کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ لیکن شاعری ان کا میدان اور فن نہیں تھا البتہ تدریس کتب کے دوران آپ نے مختلف شعراء کے کلام کے علاوہ ادب کی بنیادی کتابوں کو مطالعہ میں رکھا۔ جس کی وجہ سے آپ میں عربی شاعری کا بڑا صاف ستھرا اور اعلیٰ ذوق پیدا ہو گیا تھا۔

ایک دفعہ احقر حسب معمول حضرت شیخ الحدیثؒ کو ڈاک میں آئے ہوئے خط پڑھ کر سنا رہا تھا ان خطوط میں ایک خط پشتو اشعار سے مزیّن تھا، تو حضرتؒ نے فوراً مجھے فرمایا یہ خط بھیجنے والا کوئی باذوق آدمی ہے، اس کو خط کا جواب بھی پشتو اشعار میں دینا چاہیئے۔ تم جاؤ اور حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانیؔ صاحب کو بلاؤ۔

خود حضرت شیخ الحدیثؒ کو عربی کے کئی اشعار یاد تھے۔ احقر نے

حضرت سے کئی اشعار سنے۔ لیکن ان اشعار میں، مبالغہ آرائی، مدح سرائی کے بجائے حکمت، نصیحت اور موعظت ہوتی۔ برادر مکرم مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب نے اس موضوع پر مفصل مقالہ تحریر فرمایا ہے۔ ذیل سے اس کے چند اقتباس نذر قارئین ہیں۔

امام شافعی کی وصیت

؎ شکوت اِلیٰ وکیع سوء حفظی فاوصانی اِلیٰ ترکِ المعاصی

فان العلم فضل من الله و فضل اللّٰہ لا یعطیٰ لمعاصی

(دعوات حق جلد ۱ صفحہ ۶۰۰)

مذکورہ شعر میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد امام وکیعؒ کو اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو میرے استاد نے فرمایا۔ علم اللہ کا نور اور فضل ہے۔ جب تک ہر قسم کے منکرات اور گناہوں سے اجتناب نہ کیا جائے علم کا حصول ناممکن ہے۔ آج کے اس گئے گذرے دور کیلئے کتنا بہترین نسخہ ہے کہ اگر تم علم کی دولت چاہتے ہو تو یہ دولت، تقویٰ، خشیت الٰہی اور ترک معاصی کے بغیر تمہیں حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس شعر میں طالبان علوم نبوّت کیلئے کتنی عمدہ اور زرین نصیحت ہے؟ فهل من مدّكر

جب نصب العین واضح ہو

کبھی حضرت شیخ الحدیثؒ فرمایا کرتے، نصب العین کا تعیّن اور مقصد بلند اور محبوب کی رضا سامنے ہو، تو حضرت خبیبؓ کی طرح آدمی سولی پر چڑھ جاتا ہے مگر سولی پر بھی کہتا رہتا ہے۔ ؎

ولست ابالی حین اقتل مسلما بایة شق کان فی الله مصرع

و ذالك فی ذات اِلالٰه وان یشاء یبارك علی اوصال شلو ممزع

''اللہ کے حکم کی تعمیل میں میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو کیا

پرواہ ہے؟ وہ چاہے گا تو ان ٹکڑوں پر اپنی برکتیں نازل کردے گا''۔

(دعوات حق جلد ا صفحہ ۵۴۲)

محبوب کا قلیل بھی بہت ہے

حضرت شیخ الحدیثؒ کی ملاقات کیلئے عالم اسلام کے نامور حنفی عالم استاذ عبد الفتاح ابو غدہ دار العلوم حقانیہ تشریف لائے، تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے انہیں اپنے مبارک ہاتھوں سے استقبالیہ پیش کیا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا، اے معزز مہمان! آپ بہت قلیل مدت کیلئے یہاں تشریف لائے ہیں اور ہم کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا ہے لیکن پھر بھی یہ بسا غنیمت ہے کہ آپ کے دیدار سے دار العلوم حقانیہ کے طلبہ اور علماء و مدرسین شرفیاب ہوئے۔ پھر خود حضرت شیخ الحدیثؒ نے مندرجہ ذیل شعر پڑھا۔

قلیل منك یکفینی و لٰکن قلیك لایقال له قلیل

معزز مہمان نے جب حضرت شیخ الحدیثؒ کی زبان مبارک سے یہ شعر سنا تو وہ بہت محظوظ ہوئے۔ (خصوصی نمبر ص ۸۳۶)

پسندیدہ اشعار

ذیل میں چند اشعار جو کہ آپ نے مواعظ، خطبات یا درس کے دوران سنائے۔ نذر قارئین ہیں، باذوق قارئین اس سے حظ وافر حاصل کر سکتے ہیں،

ارشاد فرمایا: عشق کی یہ حالت اسلام میں ''حج'' سے تعبیر کی جاتی ہے اور روزوں کا مہینہ ختم ہوتے ہی اشہر حج شروع ہوجاتے ہیں گھر بار چھوڑ کر مسجد میں آ بیٹھا تو وہاں سے خیال آیا کہ خدا کا گھر اور محبوب کی تجلیات کا یک بڑا مرکز تو خانہ کعبہ ہے۔ تو محبوب کی تلاش میں سرگرداں سفرِ حج پر روانہ ہوجاتا ہے۔ تصوّرِ یار میں مجنوں کی طرح

نغمے الا پتا ہے کہ وہ عشق میں پرند چرند سے بھی باتیں کرتا ہے اور کہتا ہے ؎

بِاللّٰہِ یَا ظَبیَاتِ القَاعِ قُلنَ لَنَا
لیلٰی مِنکُنَّ اَم لَیلٰی مِنَ البَشَر

اے آہوانِ صحرا تمہیں خدا کی قسم مجھے جواب دیجیئو کہ لیلیٰ تم میں سے ہے یا انسانوں کی زمرے میں سے ہے۔ مگر اس عاشق حقیقی کا نغمہ تو تلبیہ ہے ...... لبَّیك لا شریك لك لبیك .... ان الحمد والنّعمة لك والملك لا شریك لك۔

(دعوات حق ج ا ص ۶۱)

....

ارشاد فرمایا: محترم بھائیو! کہاں ہم جیسے ناچیز اور کہاں آقائے نامدار ﷺ کا بیان۔ ؎

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک وگلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی ست

حضور اقدس ﷺ کی جو شان ہے، خدا کے نزدیک تو ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

خدا اور خدا کی صفتیں تو خدا کے اندر ہیں، لَیسَ کَمِثلِہ شَئی، قل ھُوَ اللّٰہُ اَحَد۔ خدا کی شان یکتا ہے، بے نظیر ہے، بے مثل ہے، مگر خدا کی تمام مخلوقات میں خواہ کوئی بھی مقرّب مخلوق ہو، حضور ﷺ کی شان۔ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
حسن یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری

(دعوات حق جلد۲صفحہ۳۰۸،۳۰۹)

....

ارشادفرمایا: حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحب مرحوم شیخ التفسیر کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ چالیس پچاس سال تک قرآن پاک کا درس دیا۔ جب دارالعلوم حقانیہ کے طالب علم دورۂ حدیث سے فارغ ہوکر وہاں درس میں شرکت کرتے تو بیحد خوش ہوکر دعائیں دیتے، درس میں ایک ایک طالب علم کے بڑھنے سے خوش ہوتے اور قرآن کی خدمت نے ان کو کیسا دوام بخشا کہ وصال کے بعد قبر مبارک کی مٹی سے عجیب خوشبو لاکھوں لوگوں نے محسوس کی، دس بیس دن بعد میں نے خود جاکر قبر مبارک کی مٹی سونگھی اور ایک عجیب کیفیت پائی۔ ؎

جمال ہم نشینِ درمن اثر کرو

وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

امام بخاریؒ کے مزار سے چھ ماہ تک خوشبو آتی رہی جو حدیثِ رسول اللہ ﷺ کی برکات کا ظہور تھا۔ مٹی اٹھا اٹھا کر لے جاتے تھے لوگ قبر کو بھر دیتے تھے اور پھر وہ خالی ہوجاتی تھی۔ آخر لوگوں نے دعا کی تو اس کرامت کا ظہور بند ہوا۔

(دعوات حق جلد اصفحہ۱۹۷)

....

ارشادفرمایا: اطبّاء، حکماء اور بڑے بڑے ڈاکٹر جو صحت کے متعلق سب کچھ جانتے ہیں وہ اسباب کے اختیار کرنے کے باوجود

بیمار ہوتے ہیں اور مرتے ہیں......تو حضرت آدمؑ نے ان (موسیٰ) کو تسلی دی اور تقدیر کے سپرد کردیا۔ مگر خداوند کریم نے جب استفسار فرمایا، پوچھا کہ دانہ کیوں کھایا تو ان کو یہ جواب نہ دیا کہ میری تقدیر میں آپ نے مقرر کیا تھا، بلکہ اعتراف قصور فرمایا اور گڑگڑانے لگے......رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ -

بندہ ہماں بہ کہ زتقصیر خویش
عذر بدر گاہِ خدا آورد

(دعوات حق جلد۱ صفحہ ۱۵۷)

....

ارشاد فرمایا: مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنا ایسا آسان ہے مگر اسے نباہنا مشکل ترین کام ہے۔ کیونکہ اس دعویٰ کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں اس کی مرضی کی خاطر فروخت کردیا پھر یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی ہے کہ جو چیزیں ہم نے بیچ دیں وہ بھی ہماری نہیں بلکہ اسی کی دی ہوئی تھیں، اور اگر ہم نے یہ سب کچھ اس کی راہ میں قربان کر بھی دیا تو اُسی کا دیا ہوا تھا۔

جان دی، دی ہوئی اس کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(دعوات حق جلد۲ صفحہ ۳۸۶)

....

ارشاد فرمایا: اسلام کی عمارت نماز کے ستون اور روزہ کے ستون پر قائم ہوتی ہے اور ستون نہیں نہ نماز نہ روزہ، تو خطرہ ہے کہ

ایسا شخص اسلام سے باہر ہو جائے۔ امام ابو حنیفہؒ اس لئے فرماتے ہیں کہ کافر تو نہیں مگر اس پر خطرہ ہے کفر کا۔ یَخشیٰ عَلیہِ الکُفرَ۔ اسلام کو مانو گے تو دروازہ بھی بڑا رکھو گے۔

یا مکن با فلیبانان دوستی
یا بنا کن خانہ برانداز فیل

(دعوات حق جلد ۲ ۱۵۸)

....

ارشاد فرمایا: جب صحابہ کرامؓ ہجرت کر کے مدینہ منورہ منتقل ہوئے تو ان میں سے اکثر بخار میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بخار ہوا اور حضرت بلالؓ کو بھی، دوسری طرف فطری تقاضے کی بناء پر انہیں اپنے شہر مکہ مکرمہ کی یاد بھی ستاتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ بخار کی حالت میں یہ شعر گنگنایا کرتے تھے۔

کل امریء مصبح فی اهله
والموت ادنیٰ من شراك نعله

اہل عرب رات گذار کر جب ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے صبحك الله بخير كيف اصحبت بخير ام لا حضرت بلالؓ بخار سے صحت یاب ہونے کے بعد فرمایا کرتے

الا ليت شعري هل ابيتن ليلة
بواد و حولی اذخر و جليل
وهل اردن یوماً میاه مجنة
وهل يبدون لی شامة و طفيل

(حقائق السنن جلد ا صفحہ ۳۳۰)

ارشاد فرمایا: بعض صوفیاء حضرات نے فرمایا ہے کہ سؤرِ کلاب کی تطہیر میں سات کے عدد کی رعایت اصحابِ کہف کی تعداد ''سات'' کے ساتھ خوب منطبق ہوتی ہے ایک کُتے نے اصحاب کہف کے ساتھ رہ کر ایک عزت اور عظیم شرف حاصل کرلیا۔

سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت و مردم شد

(حقائق السنن ج۱ص ۴۰۶)

....

ارشاد فرمایا: ایک طالب علم جو کتاب نہیں سمجھتا مگر اپنے کو ناسمجھ تصور کرتا ہے تو اس کا عالم بننا ممکن ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو جاہل سمجھ رہا ہے۔ آج بے شوق ہے، محنت نہیں کرتا لیکن آخر ایک دن فکر مند ہو کر کام پر لگ جائے گا، وہ سوچے گا کہ علم کی خاطر گھر اور وطن چھوڑا ہے اب وقت کیوں ضائع کروں اور پڑھنے لگ جائے گا کیونکہ اس کا اپنے متعلق ناسمجھ ہونے کا عقیدہ ہے۔ مگر جو شخص خود کو سب سے اچھا اور سمجھ دار گمان کرتا ہو اُس کا عالم بننا ناممکن ہے اور اس کی اصلاح مشکل ہے۔

ہر کس کہ نداند وبداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالدھر بماند

(دعوات حق جلد ۱ صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶)

....

ارشاد فرمایا: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا میں نے خواب میں ایک عجیب وغریب خوبصورت عورت کو

دیکھا ہے اُس نے کہا میں تمہاری حور ہوں۔ مگر وہ آنکھوں سے اندھی تھی۔ حضرت نے فرمایا بھائی! تم نماز پڑھنے میں اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہو اور یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے، کیونکہ کمال تو یہ ہے کہ دنیا کا بازار بھی گرم ہو مگر عاشق کا خیال محبوب ہی کی طرف ہو۔ تمہیں کسی کا دھیان ہے تو اس بھرے ہوئے بازار میں چلتے ہوئے تمہاری توجہ ادھر اُدھر کی چیزوں کی طرف نہ ہوگی۔ خدا چاہتا ہے میرے بندہ کی آنکھیں کھلی رہیں مگر دل میری طرف ہو اس حال میں بھی خشوع و خضوع کو قائم رکھے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن، ہشیار باش

(دعوات حق جلد ا صفحہ ۳۳۱)

باب ۵

اخلاق وعادات اور معمولات

محبوب دوعالم ﷺ کا چہرہ اقدس دیکھ کر مخالفین، کافر اور معاندین بھی بے ساختہ پکار اٹھتے کہ یہ چہرہ کسی کذاب، مفتری اور جھوٹے کا نہیں ہوسکتا محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو ایک ان پڑھ قلی نے جب دیکھا تو کہا جب امتی اتنا حسین ہے تو نبی کتنا حسین ہوگا؟............

مرد حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

حلیہ!

حضرت شیخ الحدیثؒ کو اللہ نے ظاہری حسن و جمال کی دولت سے بھی نوازا تھا حضرت شیخ الحدیثؒ نورانی شکل وصورت، سرخ وسفید رنگت، پھول کی طرح کھلتا ہوا کتابی چہرہ، نور عبادت سے چمکتی ہوئی پیشانی، ستوان اور خوبصورت ناک، روشن وتابندہ اور حیاء سے معمور شرمیلی موٹی موٹی آنکھیں انار کی طرح سرخ رخسار، خوبصورت اور گنجان داڑھی اور بھرے ہوئے جسم کے پرکشش اور وجیہہ انسان تھے۔

لباس

عام طور پر اکثر سفید کرتا، سر پر سفید ٹوپی اور ململ کا سفید عمامہ، موسم کی رعایت رکھتے ہوئے کبھی کبھار چترالی چغہ، پاؤں میں دیسی جوتا (کھسہ) پہنتے

تھے۔ اپنے اسلاف کی طرح ہمیشہ سادہ لباس میں ملبوس رہتے تھے۔ کبھی لباس کی نفاست، جدت اور قیمت کا لحاظ نہیں رکھا۔ لباس کے معاملے میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی عادت وسعت اور ترک تکلف کی تھی۔ کسی خاص قسم اور خاص لباس کی جستجو نہ فرماتے، جو میسر ہوتا پہن لیتے۔ لیکن دستار اور عمامہ سنت کی مطابقت کی وجہ سے ہمیشہ پہنتے اور اس پر دوام اختیار فرماتے تھے۔

تاریخ سلف صالحین میں سوائے چند معدودے افراد امت کے اکثر بڑے لوگوں نے لباس کو زائد از ضرورت اور ستر پوشی کے علاوہ اہمیت نہیں دی حضرت شیخ الحدیثؒ فرمایا کرتے کہ عربی کا یہ مقولہ الناس باللباس غلط ہے بلکہ اصل میں اللباس بالناس ہونا چاہیئے۔

انداز گفتگو

حضرت شیخ الحدیثؒ جب گفتگو کرتے تو آواز نہ زیادہ بلند اور نہ پست ہوتی بلکہ حضرت کی گفتگو نپی تلی، حشو و زوائد سے پاک، عام فہم اور ٹھہر ٹھہر کر سکون سے ہوتی۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال　　مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

حضرت شیخ الحدیثؒ جس موضوع پر بات کرتے کھل کر بولتے کہ سننے والوں کی تشفی ہو جاتی۔ وعظ و نصیحت کا انداز اتنا دل نشین ہوتا کہ از دل خیزد بر دل ریزد کا مصداق بن جاتا۔ جب گفتگو میں محمد عربی ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آتا تو درود شریف ضرور پڑھتے۔

یومیہ معمولات

احقر کو جس زمانہ میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضری اور مصاحبت کی سعادت حاصل ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب حضرتؒ پر ضعف بڑھاپے اور اعذار و امراض کے اثرات نمایاں تھے۔ گھر سے دو

آدمیوں کے سہارے سے مسجد اور دار العلوم تشریف لاتے۔ اس زمانہ میں معمول یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھ جاتے، اپنے اوراد و ظائف اور معمولات جاری رکھتے آنکھیں بند رہتیں، طلبہ اور خدام خاموشی سے مصروف خدمت رہتے۔ گاہے گاہے خدام کیلئے دعائیہ کلمات سننے یا اللہ کریم سے مناجاتی انہاک میں آپ کی دھیمی مگر پرتاثیر آواز سے خاموشی اور سکوت کی فضاء ٹوٹ جاتی تھی اور اگر کبھی کسی طالب علم یا خادم نے حضرتؒ کے اشتغال و انہاک، فکر و مراقبہ اور ذکر و تلاوت کے باوصف مداخلت کردی، کوئی سوال پوچھ لیا، کوئی خبر دے دی تو حضرتؒ کی نیم باز آنکھیں کھل جاتیں۔ لبوں پر مسکراہٹ اور چہرہ پر ہمہ توجہ اور بشاشت کی لہر دوڑ جاتی۔ ہم طلبہ ایسے شخص کو ملامت کرتے، اس کی اس حرکت کو بے ادبی اور بے جا جسارت پر حمل کرتے۔ مگر حضرتؒ اپنے طرز عمل اور توجہ و التفات سے کبھی یہ تاثر ظاہر نہ فرماتے کہ یہ بے وقت کی گفتگو کیوں شروع کردی۔ حضرتؒ کا ذکر و مراقبہ اور تلاوت کا یہ معمول چاشت تک جاری رہتا۔ بعد ازاں چاشت کی نماز ادا فرماتے۔ حاضرین و محبین طلبہ و خدام اور اضیاف، دار العلوم کے فضلاء امت مسلمہ اور عالم اسلام کیلئے بڑے انہاک، توجہ خشوع و خضوع اور تضرع و ابتہال سے جامع دعا کرتے۔ گھر تشریف لے جاتے مہمان ہوتے تو انہیں اپنے ساتھ اپنی بیٹھک میں تشریف لانے کی درخواست کرتے اور کوشش یہ ہوتی کہ بیٹھک کا دروازہ بھی مہمانوں کے لئے خود کھولیں۔ ہم طلبہ دعائیں لے کر اسباق میں حاضر ہونے کیلئے دار العلوم آجاتے۔ حضرتؒ اپنی ضروریات، مہمانوں کی ضیافت و خدمت اور گھریلو امور

سے فارغ ہو جاتے تو گھنٹہ ڈیڑھ بعد مخدوم زادہ مولانا انوار الحق مدظلہٗ کے ذریعہ گاڑی میں دارالعلوم تشریف لے آتے۔ میں نو وارد تھا، دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ ملا اور پھر فوراً حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت و قربت کی سعادت بھی حاصل ہوگئی۔ منتظر رہتا، حضرتؒ دارالعلوم تشریف لے جائیں گے تو مجھے بھی اپنی گاڑی میں ساتھ بٹھائیں گے جب گاڑی سٹارٹ ہو جاتی، حضرتؒ میری طرف دیکھ کر مسکرا دیتے خود بیٹھتے مگر بیٹھنے سے پہلے میرے لئے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولتے مجھے بٹھاتے، یہ حضرتؒ کا معمول بن گیا تھا اور یہ میرا وہ زمانہ تھا، جب مجھے گاڑی کا دروازہ کھولنے کا سلیقہ بھی نہیں آتا تھا حضرتؒ ہی سے بٹن دبانا اور دروازہ کھولنا سیکھا۔ آج اس کی برکتیں ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم کے کتنے کتنے دروازے کھول دیئے۔

جب دارالعلوم تشریف لے آتے تو دفتر اہتمام میں مہمانوں سے ملتے ان کی ضروریات پوچھتے، ناظم مدرسہ مولانا سلطان محمودؒ سے دارالعلوم کے حالات، رات کے واقعات، مہمانوں کی خدمت اور معاونین کی آمد و نصرت کے بارے میں دریافت فرماتے ملک یا بیرون ملک سے دارالعلوم کے لئے چندہ بھیجنے والوں کو فوری جواب لکھوانے کا اہتمام فرماتے، اگر ڈاک آئی ہوتی تو مجھے بلا کر تازہ ڈاک سنتے اور جوابات تحریر کرنے کیلئے اشارات لکھواتے، درس حدیث کا وقت ہو جاتا تو تمام مشاغل اور مصروفیات یک لخت ترک کر کے فوراً دارالحدیث میں تشریف لیجاتے اور ضعف و امراض اور متعدد عوارض کے باوصف بڑے شوق اور محبت سے حدیث کا درس دیتے۔ دوپہر کو مہمان ہوتے، تو ان کی ضیافت کا خوب خوب اہتمام

کرتے طبیعت پر ضعف و مرض کا اثر ہوتا، تو مہمانوں سے اجازت لے لیتے اور اگر طبیعت درست ہوتی، تو تعلیمی سال کے آخر میں ظہر کے بعد بھی درس حدیث کیلئے وقت لیتے ، مولانا انوارالحق کے کوارٹر میں قیلولہ بھی کرتے اور مطالعہ بھی ، احقر سے ترمذی شریف کا متن، حواشی اور بعض شروحات کی عبارات پڑھواتے کہ اپنی نظر کمزور ہو چکی تھی درس پڑھانے کے بعد مولانا حافظ انوارالحق آپ کو گاڑی میں گھر پہنچا دیتے عصر کی نماز کیلئے تشریف لاتے تو مسجد محبین و مخلصین اساتذہ و طلبہ اور دور دراز سے آنے والے اضیاف سے بھری رہتی تھی حضرتؒ نماز سے فارغ ہوتے تو محبین میں گھر جاتے ، ملاقاتیں دعائیں اذکار ، علوم و معارف سے معمور ارشادات ، ملکی و بین الاقوامی حالات خاص کر جہاد افغانستان گفتگو کا موضوع ہوتا اور جس روز احقر حقائق السنن شرح اردو جامع السنن للترمذی کے مسودات لے کر حاضر خدمت ہوتا تو وہ کام بھی ساتھ ساتھ چلتا۔ حضرتؒ املی سنتے بھی تھے اور اصلاح بھی کرتے تھے یہ سلسلہ مغرب تک اور جب کام زیادہ ہوتا تو مغرب کے بعد بھی کافی دیر تک چلتا رہتا تھا، تاہم عصر کی مجلس میں اگر افغان مجاہدین موجود ہوتے تو حضرتؒ پر شوق جہاد کے غلبہ کے پیش نظر خصوصی کیفیات کا اظہار ہوتا تھا۔

(خصوصی نمبر ص ۹۹)

عادات و خصائل

حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنے قصبہ میں پاک صاف ، بے داغ غیر جانبدارانہ زندگی گزاری۔ کبھی کسی کی ذاتیات ،لڑائی اور فساد میں مداخلت نہیں کی ، بلکہ صلح کیلئے ہمیشہ کوشاں رہتے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ

کے زمانہ طالب علمی میں دیوبند کے طلبہ کہا کرتے، خدا تعالیٰ نے ایک فرشتہ (مولانا عبدالحقؒ) دارالعلوم دیوبند میں بھیج دیا ہے کیونکہ آپ کے مزاج میں پٹھانوں کی روایتی سختی، ضد اور تشدد کا غلبہ نہیں تھا حضرت شیخ الحدیثؒ کے ایک دیرینہ رفیق اور زمانہ طالب علمی کے ہم سبق ساتھی مولانا انور شاہ نے ایک بار اکوڑہ میں احباب سے فرمایا ''میں نے چار سال کی رفاقت میں نوجوانی کے عالم میں اس شخص (مولانا عبدالحقؒ) میں کسی گناہ کا اثر محسوس نہیں کیا۔ بعینہ اسی طرح کے الفاظ میاں جی ''منّے شاہ'' (جو دیوبند میں صاحب کشف و کرامات بزرگ ہوئے ہیں) کے بارے میں علماء دیوبند کہا کرتے تھے کہ منّے شاہ صاحب وہ عارف باللہ ولی کامل ہیں جن کے قلب و جگر میں کبھی کبیرہ گناہ کا تصور ہی نہیں آیا (واللہ اعلم)۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کو اپنے اخلاق کریمہ کی وجہ سے طلبا ''انفع گل'' کے لقب سے یاد کرتے حضرت شیخ الحدیثؒ دوران طالب علمی حصول علم کے ساتھ ساتھ اپنے طالب علم ساتھیوں کے ساتھ ہر ممکنہ تعاون کرتے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ قریبی دیہاتوں میں تبلیغی جلسوں کا انعقاد کرتے تاکہ سادہ لوح شودر ہندوؤں کو عیسائیوں کے نرغے سے بچا کر اسلام کے دامن سے وابستہ کردیں۔

مولانا عبدالحق انفعؒ

مولانا عبدالحق نافع دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ جب خدمت تدریس پر مامور ہوئے تو طلبہ کے رجحان محبوبیت و مقبولیت اور اساتذہ و اکابر کی توجہ و عنایت کا مورد بن گئے شیخ العرب والعجم مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ نے آپ کو مولانا عبدالحق

نافع سے اسی امتیاز کو قائم رکھنے کیلئے انفع کہہ دیا۔ بس پھر کیا تھا، سب کو یہ پسند آیا، کہ سب کے دلوں کی ترجمانی تھی ۔ ارباب اہتمام اساتذہ اور طلبہ سب کی زبان پر ''عبدالحق انفع'' آ گیا اور آپ اسی نام سے معروف ہو گئے اور پھر یہ ایک حقیقت واقعہ ہے کہ آپ اپنی عمدہ صلاحیتوں، درس وتدریس، جامعیت اور قومی وملی خدمات کے لحاظ سے ''انفع ہی انفع'' ثابت ہوئے۔

حکمت وتدبیر

حضرت مولانا عبدالحنان صاحب حضرت شیخ الحدیثؒ کے دور طالب علمی کے ساتھی ہیں وہ اپنی عینی شہادت بیان کرتے ہیں۔

''حضرت کے حسن اخلاق کا یہ اثر تھا کہ ایک مرتبہ دھلی میں پٹھان طالب علموں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا، جس کے نتیجہ میں موضع ٹوپی کا ایک طالب علم قتل ہو گیا۔ پھر کیا تھا واقعہ نے اتنی شدت اختیار کی کہ حکومت وقت بھی فساد روکنے میں ناکام اور بے بس ہو گئی۔ بالآخر ایک وفد حضرت شیخ الحدیثؒ کی قیادت میں بطور جرگہ دھلی پہنچا۔ فریقین سے بات چیت ہوئی تو اہل جرگہ کے خلوص اور حضرت شیخ الحدیثؒ کی نرم گفتگو اور پراثر شخصیت نے کام کر دیا۔ راضی نامہ ہو گیا اور شر وفساد کے بادل چھٹ گئے۔ تو دھلی کے لوگ انگشت بدندان تھے کہ جو کام حکومت نہیں کر سکی وہ چند بوریا نشین طالبان علوم نبوت نے کر دکھایا''۔ (خصوصی نمبر ص ۱۱۰)

وفور شفقت ومحبت

مولانا انوار الحق صاحب راوی ہیں

''ان کا یہ تعلق صرف اہل محلہ اور ہمسایوں تک محدود نہ تھا بلکہ

پورے شہر اور ارد گرد کے اہل دیہات اور متعلقین کو بھی اپنی خصوصی توجہات سے نواز تے تھے۔ صحت کے ایام میں اکوڑہ خٹک جیسے بڑے قصبہ اور قرب و جوار کے دیہات میں جہاں کہیں سے بھی میت و جنازہ کی اطلاع آتی شرکت کیلئے پہنچ جاتے۔ حتیٰ کہ جب تک مکمل صاحب فراش نہ ہوئے یہ معمول جاری رکھا اور یہ ان کے اس تعلق اور روحانی عظمت کا نتیجہ تھا کہ عیدین کے موقع پر علاقہ کے ہزاروں لوگ عید کی مبارکبادی کی خاطر دور دراز سے ان سے ملنے کے لئے آتے، ہر ایک سے ملنے کیلئے اپنے مقام سے ضرور اُٹھتے اور رخصتی سے پہلے ہر ایک کو اپنی مخلصانہ اور طویل دعاؤں سے نواز تے۔ ہر ایک ملاقاتی واپسی پر یہ تصور لے کر جاتا کہ آپ کی خصوصی محبت اور تعلق کا محور میں ہی ہوں اور یہی نبی کریم ﷺ کی سنت بھی ہے''

(خصوصی نمبر ص ۱۱۷)

صبر و تحمل

سلف صالحین، ائمہ دین اور اکابرین علماء دیو بند کو اللہ نے بُرد باری اور حلم کی جو صفات عالیہ عطا فرمائی تھیں۔ آج ان کی مثالیں ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے متعلق منقول ہے۔ آپ دو پہر کو قیلولہ فرما رہے تھے، ایک شخص نے آواز دی، آپ باہر نکلے، تو اس شخص نے کہا، مجھے مسئلہ پوچھنا تھا لیکن بھول گیا ہوں۔ فرمایا! اچھا جب یاد آ جائے تو آ جانا۔ وہ چلا گیا پھر واپس آیا، حضرت امام صاحبؒ سوئے ہوئے تھے، آنکھ لگ گئی تھی۔ اس شخص نے آرام میں خلل ڈالا، نیند سے بیدار کیا، جب امام صاحبؒ دروازے پر پہنچے، تو اس شخص نے پھر کہا، حضرتؒ مسئلہ پوچھنا تھا لیکن بھول گیا

ہوں۔ الغرض تین چار بار امام اعظمؒ کو دھوپ میں بلایا، نیند میں خلل ڈالا اور آخر میں مسئلہ پوچھا کہ انسان کا پاخانہ میٹھا ہوتا ہے یا کڑوا؟ تو امام اعظمؒ نے جواب دیا، جب انسان پاخانہ کرتا ہے، تو اس وقت میٹھا ہوتا ہے، جب سوکھ جاتا ہے تو کڑوا ہو جاتا ہے۔ اس شخص نے پھر کہا، اس کی دلیل کیا ہے؟ کیا آپ نے پاخانے کا ذائقہ چکھا ہے؟ امام اعظمؒ نے بڑے صبر و تحمل سے جواب دیا نہیں، میں نے نہیں چکھا، البتہ دلیل یہ ہے کہ جب آدمی پاخانہ کرتا ہے، تو اس پر مکھیاں بیٹھتیں ہیں اور جب پاخانہ سوکھ جاتا ہے، تو مکھیاں نہیں بیٹھتیں، چونکہ مکھیاں ہمیشہ میٹھی چیز پر بیٹھتی ہیں۔ اس لئے میں نے کہا کہ پاخانہ پہلے میٹھا ہوتا ہے اور سوکھنے کے بعد کڑوا ہو جاتا ہے۔

حلم اور بُردباری

حضرت شیخ الحدیثؒ صبر و تحمل، حلم و بُردباری اور اسلامی اخلاق کے بلند معیار کے حامل تھے۔ ایک بار ایک سائل مہمان کے لباس میں دفتر دارالعلوم میں آئے حضرت شیخ الحدیثؒ نے پوچھا کیسے تشریف لائے؟ کیا کچھ کام ہے؟ تو وارد مہمان نے کہا، مجھے پوشیدہ بات کرنی ہے، آپ باہر آیئے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا ٹھیک ہے، اس کے ہمراہ باہر تشریف لے گئے۔ اس نے پوچھا مجھے گندم کا بھاؤ معلوم کرنا ہے۔ آج کل کیا بھاؤ ہے؟ حضرتؒ نے مسکرا کر فرمایا بھائی! گندم کے بھاؤ کا مجھے تو پتہ نہیں۔ دفتر والوں کو پتہ ہوگا۔ ناظم صاحب سے پوچھ لو۔ اس شخص کا یہ بھدا طریقہ بھی حضرتؒ کو شاق و ناگوار نہ گزرا۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
شاید کہ تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

اسی قسم کا ایک اور واقعہ حضرتؒ کے پوتے مخدوم زادہ حافظ راشد الحق صاحب سناتے ہیں۔

میں آرام کروں اور مہمان انتظار کرے؟

''ایک واقعہ یہ بھی سن لیجئے، ایک دفعہ حضرتؒ مدرسے سے گھر تشریف لائے، ایک بجے کا وقت تھا، کھانا کھایا، نماز پڑھی، آنکھوں میں دوائی ڈالی اور سو گئے۔ اتنے میں باہر بیٹھک میں کوئی مہمان آیا تو کسی بچے نے حضرتؒ کو نیند سے اٹھایا تو حضرتؒ نے کہا کہ مہمان کو اوپر بالائی منزل (جہاں حضرتؒ ٹھہرتے) لے آؤ، میں حضرتؒ کے کمرے میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ مہمان کو میں نے بٹھا دیا ہے، شام کو آپ مل لیں گے۔ آپ نے ابھی دوائی آنکھوں میں ڈالی ہے، کچھ آرام کرلیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ نہیں مہمان کو اوپر لے آؤ یہ مناسب نہیں کہ میں یہاں آرام کروں اور مہمان میرا انتظار کرے میں مہمان کو اوپر لایا اور مہمان سے آپؒ حسب معمول اٹھ کر ملے ویسے تو مہمان دیکھنے میں ایک عالم نظر آرہا تھا۔ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، سفید داڑھی تھی، لیکن تھوڑی دیر میں مجھے پتہ چلا کہ وہ شخص پاگل ہے اور ذہنی مریض ہے اور حضرتؒ سے الٹے سیدھے سوال کرنے لگا، کبھی کہتا تھا کہ وضو میں کتنے فرض ہیں اور کبھی کہتا کہ روزہ سال میں ایک دفعہ کیوں فرض ہے، سارا سال کیوں نہیں ہوتا۔ حضرتؒ کو کافی دیر تک تنگ کیا، میں نے حضرتؒ سے کہا، کہ ان کو لے جاؤں؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ نہیں بیٹھنے دو، اس کی تسلی مجھ سے ہو رہی ہے۔

حضرتؒ نے پاگل شخص کو دوبارہ بلالیا

''اتفاق سے وہی شخص کچھ عرصہ بعد پھر دو پہر میں حضرتؒ سے ملنے کے لئے آیا اور کسی نے آپ کو اطلاع دی۔ جب میں نے بیٹھک میں دیکھا تو وہی ذہنی مریض شخص تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ جاؤ حضرتؒ گھر پر نہیں ہیں، حضرتؒ نے مجھے بلایا کہ کون تھا میں نے کہا یہ وہی پاگل شخص تھا جو کچھ عرصہ پہلے آپ سے ملنے آیا تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا: اب کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے اس کو رخصت کر دیا ہے۔ فرمایا! جاؤ اور اسے بلاؤ، میں نے کہا کہ حضرت آپ آرام کر رہے ہیں، یہ مناسب نہیں ہے، لیکن حضرتؒ کا حکم تھا اور آپؒ کا حکم میرے لئے فرض سے کم نہیں تھا۔ ع

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

میں نے اُسے بلایا اور پھر اسی طرح اس نے حضرتؒ کو تنگ کرنا شروع کیا۔ میں سوچتا ہوں کہ اس حد تک مہمان نوازی کا اور کسی کا دل رکھنا آج کل کے انسانوں کا شعار نہیں ہے اور بظاہر نہ کسی کے بس کی بات ہے اور میرے خیال میں یہ صفات و کمالات حضرتؒ کی ذات کے ساتھ مختص تھیں۔ ہم جتنی بھی کوشش کریں لیکن مشکل ہے، بلکہ ناممکن سا لگتا ہے کہ ایسے بلند اخلاق اپنا سکیں۔ (خصوصی نمبر ص ۱۷۰)

حضرت شیخ الحدیثؒ چھوٹوں پر بھی بڑے شفیق تھے اور اخلاق نبوی (ﷺ) پر عمل پیرا ہونے کی پوری کوشش کرتے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ بھی چھوٹے بچوں سے محبت کرتے تھے اور مجلس میں اگر کوئی پھل میوہ آجاتا، تو پہلے چھوٹے بچے کو دیتے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ بھی اپنی عظیم دینی ذمہ داریوں کے باوجود بچوں کی پوری رعایت رکھتے۔ سر پر دست شفقت پھیرتے، اس لئے

بچے ان سے مانوس رہتے۔ عیدالفطر کے موقع پر خاص کر بچوں کو انتظار ہوتا کیونکہ حضرت شیخ الحدیثؒ انہیں پیار کرتے اور عیدی دیتے تھے۔ پیار سے فرماتے تم میرے لئے آئے ہو یا عیدی لینے کیلئے۔ مولانا عبدالحلیم دیروی کی صاحبزادی خالدہ بیان فرماتی ہیں ....

طالبات پر شفقت، قرآن سننے کا اہتمام اور انعام

استاذ العلماء، محدث کبیر حضرت شیخ الحدیثؒ کی مبارک مجالس میں متعدد بار حاضری کی سعادتیں اور ان کی بے پناہ شفقتیں وعنایتیں مجھے بھی حاصل ہوئی ہیں، جب میں چھوٹی تھی، تو اکثر والد صاحب مولانا عبدالحلیم دیروی مدظلہٗ مجھے حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت مبارک میں لے جاتے دعا کیلئے۔ حضرتؒ دیر تک میرے حق میں دعا کرتے، پھر نگاہ شفقت اور پُرخلوص دعاؤں سے رخصت کرتے، یہ سب حضرت شیخ الحدیثؒ کی دعاؤں کی برکت تھی کہ والد صاحب نے مجھے جامعۃ البنات سرڈھیری میں حفظ القرآن کیلئے داخل کیا۔ جب بھی میں مدرسے سے گھر آتی تو آپ کی زیارت مبارک کیلئے والد صاحب کے ساتھ ضرور جاتی۔ میں آگے بڑھ کر حضرتؒ کو سلام کرتی بہت شفقت سے اپنے نزدیک بٹھاتے پھر فرماتے کہ کوئی رکوع سناؤ (تلاوت کرو) میں تلاوت کرلیتی، پھر شفقت ومحبت سے مجھے انعام (کبھی پانچ روپے، کبھی تین روپے) مرحمت فرماتے۔

ایک دفعہ جب والد صاحب، میں اور میرا بھائی قاری مطیع الرحمٰن حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے تلاوت کیلئے فرمایا میں نے سورۃ الفتح کا آخری رکوع تلاوت کیا، میرے بھائی کو بھی

فرمایا، تو اس نے سورۃ الناس کی تلاوت کی، تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے مجھے فرمایا شاباش! تم نے بڑے بھائی سے بھی بہت نمبر لیے، پھر مجھے تین روپے اور بھائی کو دو روپے دیئے۔ (جواب بھی ہمارے پاس رکھے ہوئے ہیں) اور بھائی کو فرمایا تم نے چھوٹی سورۃ کی تلاوت کی لہٰذا تمہیں انعام بھی چھوٹا ملے گا۔

حُسن اخلاص

حضرت شیخ الحدیثؒ کی سیرت و اخلاق کا سب سے اہم عنصر ان کا ''حسن اخلاص'' ہے، جسے آپ کے محبین و مخلصین اور عامۃ المسلمین خوشبو کی طرح محسوس کرلیا کرتے تھے۔ جس کے پیش نظر آپ زندگی کے ہر موڑ پر داد وتحسین سے بے نیاز، ستائش کی تمنا سے بے پروا، بے لوثی اور بے غرضی سے خلق خدا کی خدمت کرتے، ان سے محبت کرتے۔ حضرتؒ کے ہزاروں تلامذہ، محبین دوست واحباب، خدام حتیٰ کہ ذاتی مخالفین کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ دوستوں سے زیادہ دشمنوں کیلئے سراپا اور مجسمہ دعا بن جاتے تھے۔ احقر کو دس سال خدمت ومعیت اور رفاقت کا شرف حاصل رہا، لیکن احقر نے حضرت شیخ الحدیثؒ کے خلوت وجلوت میں کوئی تفاوت نہیں دیکھا۔ خلوت و جلوت اور باہر اندر حضرتؒ کا حال یکساں ہوتا۔ قول وفعل میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ الغرض آپ اخلاق نبوی (ﷺ) کا پرتو اور مجسمہ تھے۔

باب ٦

ذوق عبادت وانابت
اور تقویٰ وخشیت الٰہی

ذوق عبادت :

عبادت کا ذوق اور حلاوت ایک ایسی بیش بہا اور قیمتی متاع ہے جس پر دنیاوی حکومت و بادشاہت کو بھی قربان کیا جاسکتا ہے۔ سنجر کے رئیس نے پیران پیر امام الاولیاء حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کو درخواست پیش کی کہ ملک نیمروز کی آمدنی اپنے لنگر کے لئے قبول کر لیجئے تو حضرت جیلانیؒ نے فرمایا ۔ ؎

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب
من ملک نیمروز بہ یک جو نمی خرم

اللہ کریم نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو وعظ و تقریر‘ درس و تدریس‘ سیاسی امور اور مدرسہ کے انتظام و انصرام‘ الغرض تمام دینی خدمات کے ساتھ ساتھ عبدیت‘ انابت الی اللہ‘ فنائیت اور بندگی واطاعت کا بھی ذوق سلیم عطا فرمایا تھا۔ عارف باللہ سیدی و مرشدی حضرت اقدس قاضی محمد زاہد الحسینی صاحبؒ فرماتے ہیں :

مقام عبدیت :

" شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ میرے زمانہ دارالعلوم میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے۔ بہت بڑے عالم جامع المنقول والمعقول تھے۔ان کی نظیر موجودہ دور میں نہیں ملتی۔ علماء بہت ہیں، مبلغ ہیں، مناظر ہیں اور کئی اچھے اوصاف کے مالک ہیں لیکن میری نظر میں جامع المنقول والمعقول اور ساتھ ساتھ تزکیہ باطن اور سب سے بڑا کمال یہ کہ مقام عبدیت بھی ہو تو یہ صرف حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی ذات گرامی تھی۔ یہ عبدیت بہت بڑا مقام ہے، اس سے اونچا کوئی مقام نہیں۔ عبدیت سے اوپر صرف معبودیت ہے۔" (الحق خصوصی نمبر ص ۴۹۲)

فغان صبحگاہی :

مولانا حافظ راشد الحق اپنی چشم دید رپورٹ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

" مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رمضان المبارک کی راتوں میں جب ہم سحری کے لئے اٹھتے تو داجی گل (حضرت شیخ الحدیثؒ) کے رونے کی وجہ سے اکثر آنکھ کھل جاتی۔ پوری پوری رات نوافل میں کھڑے رہتے اور ذکر واذکار میں مصروف رہتے اور بچوں کی طرح روتے۔ اتنا روتے کہ نیچے مسجد میں طلبہ تک کو خبر ہو جاتی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ اٹھے ہوئے ہیں اور ذکر اذکار میں مصروف ہیں۔" (الحق خصوصی نمبر ص ۱۶۷)

حضرت شیخ الحدیثؒ صبح کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھ جاتے اور اوراد و ظائف، ذکر و مراقبہ کا معمول التزاماً پورا فرمایا کرتے تھے۔ تہجد، اشراق، صلاۃ الاوابین اور قرآن کریم کی تلاوت بھی بلاناغہ کرتے۔

ذوق قرآن :

قرآن مجید کا ذوق، اس کی تعلیم و تدریس، حفاظت واشاعت، ترجمہ و تفسیر

اور تلاوت کا معمول حضرت شیخ الحدیثؒ کی عادت مستمرہ تھی۔ آپ کے شب و روز کے معمولات میں قرآن مجید کے ذوق کو نمایاں حیثیت اور مقام حاصل تھا۔ تلاوت سے انتہائی شغف رہتا، بالخصوص رمضان المبارک میں تو قرآن مجید آپ کا وظیفہ زندگی بن جاتا۔ رمضان المبارک میں دارالعلوم حقانیہ کے رکن حافظ سید نور بادشاہ سے ہمیشہ دور کرتے۔ قرآن مجید خوب یاد تھا، اتنا یاد کہ تراویح میں سامع کو فتح کا موقع شاذ و نادر ہی ملتا۔ تلاوت قرآن کا ذوق آپ کے ہاں تمام اذواق پر حادی اور غالب رہتا۔ جب تک ممکن ہوا خود درس قرآن اور ترجمہ و تفسیر کا اہتمام کرتے رہے۔ جب یہ سلسلہ خود جاری نہ رکھ سکے تو اپنے شاگردوں اور مخلص فضلاء کو شہر میں یہ سلسلہ جاری رکھنے کی تاکید فرمائی۔ آج مسلمانوں کی زبوں حالی کا بڑا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم نے قرآنی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ جب مالٹا کی جیل سے رہا ہوئے تو فرمایا میں نے جیل میں مسلمانوں کی پستی اور زوال پر غور کیا تو اس کی دو بڑی بنیادی وجوہات میرے سامنے آئیں، آپس کا اختلاف اور قرآن مجید سے لاغرضی و لاتعلقی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے عام مجالس وعظ، ارشادات وافادات، درس و تدریس، تعلیم وتربیت اور دعوت و تبلیغ اور تمام خطابات کا مضمون "قرآن حکیم" ہوا کرتا تھا۔ حضرتؒ اسے عظیم صحیفہ ہدایت اور تمام فکری و تہذیبی اور تمدنی و اجتماعی ضرورتوں کی تکمیل کی ضمانت قرار دیتے۔

الٰہی ہمیں عاملِ قرآن کردے
مسلمان کو پھر نئے سرے مسلمان کردے

جوہر زندگی:

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی حیاتِ مبارکہ کا اصل جوہر، معاصرین اور زمانہ حال کے اساتذہ حدیث، رہنمایان ملت، رہبران قوم میں ان کا

امتیاز واختصاص وہ ذوق وشوق، وہ جذب وسلوک، عشق ومحبت، وارفتگی واز خود رفتگی اور جذب الٰہی وخدا مستی ہے جس نے مولانا جلال الدین حقانی جیسے جرنیل، عظیم افغان رہنما، زندگی کے ہر میدان اور باطل کے ساتھ ہر محاذ پر سربکف مجاہدین والہین اسلام اور دین کے دردمندوں کی تربیت کی جو اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ کے نام سے اس دوکان معرفت کا خاص سودا تھا۔ خود احقر نے بارہا دیکھا اور بارہا سنا، رمضان المبارک کی راتوں میں جب ساری کائنات میں سکوت اور سناٹا ہوتا، حضرت اقدسؒ اپنی بالائی منزل میں بارگاہ ربوبیت میں سربسجود ہوتے، سارے وجود پر عجز وانکسار اور غلامی وعبدیت کی کیفیت طاری ہوتی۔ بھراتی اور لرزتی آواز میں بڑی محبت اور پیار کے لہجے میں آپ کی آواز سننے والے کو بھی لرزا دیتی تھی۔ یہ اسم ذات "اللہ" کا ذکر ہوا کرتا تھا، لفظ "اللہ" کے آخر کو سوز بھری آواز سے کھینچ کر جب پکارتے "اللہ" تو یوں محسوس ہوتا کہ پوری کائنات میں سیلاب آ گیا ہے، بچنے کی کوئی توقع نہیں، خود حضرتؒ اپنے متوسلین اور پیروکاروں سمیت ڈوبے چلے جارہے ہیں اور اس ڈوبنے میں صرف اللہ ہی کا سہارا ہے جسے پکارا جارہا ہے، بس وہی نجات دے سکتا ہے۔ چہرے کا رنگ متغیر ہوتا اور والہانہ کیفیت طاری رہتی۔ یہ توحید واخلاص کی وہ خاص کیفیت اور ذوق ہے جس میں محبت رضائے الٰہی کے سوا کوئی چیز مطلوب ومقصود نہیں رہتی۔

بہر حال "بکّاؤ باللیل بسام بالنھار" (رات کو بہت رونے والے دن کو بہت مسکرانے والے) آپ کی صفت تھی۔ رات کو دیدہ گریاں، دن کو روئے خنداں اور زبان گل افشاں۔ پھر مقابل امید رکھتے کہ دن کے سوز وگداز اور راتوں کے راز و نیاز کی خبر قریبی لوگوں کو بھی کم ہونے پاتی تھی۔ یہ کیفیتیں اور درد وسوز اور عشق ومحبت کے یہ دلگداز مناظر دیکھ کر مجھے یقین ہو جاتا کہ بس حضرت اپنا سب کچھ اپنے محبوب کے قدموں میں لٹوا دینا چاہتے ہیں۔ ان کا حال دیکھ کر

زبان حال سے زبان قال بے اختیار گنگنا اٹھتی ہے ---- ؎

خواھم کہ ہمیشہ در وفائے توزیم
خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم

حضرت خواجہ ضیاء اللہ مشہور صاحب نسبت بزرگ لوگوں کو زجر وتنبیہ کر کے فرماتے، حیف ہے تمہارے حال پر کہ محبتِ الٰہی کا دعویٰ کرتے ہو اور تمہارا یار د محبوب بیدار اور تمہاری طرف متوجہ ہے اور تم خفتہ وغافل ہو، تم دعویٰ محبت میں جھوٹے ہو ورنہ سچے عاشقوں کا حال یہ ہوتا ہے ---- ؎

مجنون بہ خیال در دشت
در دشت بجستوئے لیلیٰ مے گشت
مے گشت بدشت برز بانش لیلیٰ
لیلیٰ مے گفت تا زبانش مے گشت

حضرت شیخ الحدیثؒ کا بس یہی حال اور یہی قال تھا۔ رات ساری عبادت میں گذرتی، ذکر کا التزام ہوتا، گریہ اور مناجات کا انہماک رہتا۔ جب صبح ہوتی تو درس قرآن، درس حدیث وفقہ اور درس منطق وفلسفہ کے علمی مباحث میں ذکر یادِ خدا اور دعا وانابت الی اللہ کی ایسی راہیں نکال لیتے کہ صبر وضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے۔ دل اور عشق ومحبت کی بے قراری اور ذکر محبوب میں بے اختیاری اور اضطراب کی کیفیات چھلک پڑتیں ---- ع

جو چھپ کے بیٹھے بھی تو چہرے کو چھپائے نہ بنے

گرفتہ دل تھے بڑے روئے یاد کر کے تجھے:

یہ تو احقر کا چشم دید واقعہ ہے زمانہ طالب علمی کے تین سال حضرتؒ کی تجویز د حکم پر حضرتؒ کے برادر خورد کے بالاخانہ میں گذارے اور پھر زمانہ تدریس

کے دوڈھائی سال احقر کارات کا قیام بھی حضرتؒ کی مسجد میں ہوا کرتا تھا۔ پھر بعد میں بھی رمضان المبارک میں تو حضرتؒ کا اصرار ہوا کرتا تھا کہ افطاری اور سحری ہمارے ہاں کرلیا کرو۔ احقر کا بارہا مشاہدہ تھا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ آخرِ شب میں بیدار رہتے، گریہ وزاری کرتے تو صبر وضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے، آواز اونچی ہو جاتی، اللہ اللہ کی سریلی درد بھری آواز جس میں گریہ واضطراب کی آمیزش ہوتی، کان لگا کر سننے والوں کو بھی رلا دیتی تھی۔ حضرتؒ کے ذکر سے ایسا معلوم ہوتا کہ بس ابھی ڈوبے جارہے ہیں اور بچانے والا بغیر اللہ کے کوئی نہیں، اس لئے اسے پکارا بھی اس یقین سے جارہا ہے کہ واقعتاً بھی وہی ذات ہے جو ڈوبتوں کو بچاتی اور بے سہاروں کا سہارا بنتی ہے۔

تمام رات نہیں سوئے یاد کر کے تجھے
گرفتہ دل تھے بڑے روئے یاد کر کے تجھے

تقویٰ وخشیت الٰہی:

علماء کرام نے لکھا ہے کہ انسان کے لئے صرف زہدورع، عبادت وانابت ہی کافی نہیں بلکہ معاملات اور معاشرت کا صحیح ہونا بھی ازبس ضروری ہے۔ اگر حضرت شیخ الحدیثؒ کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ محض تدریسی اور سیاسی آدمی نہ تھے بلکہ ان علمی عظمتوں اور کمالات کے ساتھ ساتھ اللہ نے ان کو تقویٰ ودیانت کی لازوال دولت سے بھی مالامال فرمایا تھا۔

مجھے پھول توڑنے کی اجازت نہیں:

دارالعلوم کے فاضل ومدرس حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب راوی ہیں کہ زمانہ طالب علمی میں میرا ایک ساتھی تھا، وہ بھی دارالعلوم میں پڑھتا تھا۔

اس نے ایک روز اتفاق سے دارالعلوم کی کیاریوں میں لگے ہوئے پھولوں سے ایک پھول توڑ لیا۔ بعد میں سوچا کہ میں نے دارالعلوم کا پھول توڑا ہے حالانکہ پھول توڑنے کے لئے نہیں بلکہ دارالعلوم کے حسن و جمال اور رونق و بہار کے لئے لگائے گئے ہیں اور اگر مجھے توڑنا ہی تھا تو اس کی مجھے کسی سے اجازت لینی چاہیئے تھی۔ چنانچہ اس نے دل میں اپنے آپ سے کہا اب جاؤ اور حضرت مہتمم صاحب سے اس کی اجازت لو۔ چنانچہ وہ طالب علم دفتر اہتمام میں آیا اور حضرت شیخ الحدیثؒ سے پھول توڑنے کے بعد اجازت اور جرم کی معافی چاہی۔ تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے بڑی شفقت و محبت اور حد درجہ نرم لہجہ میں فرمایا: "عزیزم! اس پھول کا مالک میں نہیں ہوں، خدا سے اجازت بھی مانگو اور معافی بھی۔ جب خود مجھے پھول توڑنے کی اجازت نہیں ہے تو دوسرے کو کس طرح اجازت دے سکتا ہوں۔"

کپڑے استری کرنے کی اجازت نہیں:

احقر کو یہ بات آج ہی کے چشم دید واقعہ کی طرح یاد ہے کہ جب استاذِ محترم شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دیروی مدظلہ نے محدثِ کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سے دارالعلوم ہی کی بجلی سے اپنے گھر میں کپڑے استری کرنے کی اجازت لینی چاہی جبکہ بعض اساتذہ اور طلبہ استری کر لیا کرتے تھے مگر دفتر اہتمام کی جانب سے اس کی باقاعدہ اور باضابطہ اجازت نہ تھی۔ خود حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی اس سلسلہ میں دارالعلوم کی انتظامی کمیٹی اور شوریٰ کی مجاز کونسل سے بات نہیں کی تھی اس لئے مولانا دیروی مدظلہ کے بار بار سوال اور اصرار پر حضرت شیخ الحدیثؒ یہی کچھ فرماتے رہے کہ "بجلی کی اجازت مطالعہ کتب، کمرہ میں روشنی اور تعلیمی و مطالعاتی کام میں سہولت کے لئے ہے، اس سے

زیادہ کا مجھے علم نہیں۔" حضرتؒ نے صراحتاً انکار بھی نہ فرمایا کہ انداز سخت نہ ہو اور درجہ علیا کی کتب کے ایک استاذ اور اپنے وقت کے عظیم شیخ کی کبیدہ خاطری نہ ہونے پائے اور اجازت بھی نہ دی کہ اجازت کی باضابطہ کارروائی نہیں ہوئی تھی۔

خود حضرت دیروی مدظلہ نے بعد میں ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کا کتنا پیارا اور معصومانہ انداز ہے۔ اس کے بعد حضرت دیروی کا معمول یہ رہا کہ اپنے اور اپنے خاندان کے کپڑے گھر میں دارالعلوم کی بجلی استعمال کرنے کے بجائے پبی میں اپنے دوستوں کے ہاں بھیج دیا کرتے تھے اور وہیں سے استری ہو کر آیا کرتے تھے۔ (الحق خصوصی نمبر ص ۲۱۶)

محتاط زندگی :

حضرت مولانا عبدالمنان فاضل دیوبند حضرت شیخ الحدیثؒ کے رشتہ دار اور خاندان کے ایک فرد ہیں۔ انہوں نے شب روز حضرتؒ کی زندگی کو دیکھا، پرکھا۔ وہ اپنے مشاہدات بیان فرماتے ہیں--

یہ سب کچھ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے تقویٰ اور اخلاص کا نتیجہ تھا۔ شیخ الحدیثؒ نے اپنے آپ کو کبھی مہتمم نہیں سمجھا بلکہ مدرسے کا سب کچھ مجلس شوریٰ کے سپرد تھا۔ کسی چیز میں خود دخل نہیں دیتے تھے۔ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں خاموش بیٹھ کر ممبران شوریٰ کی طرف دیکھتے اور سنتے رہتے تھے یہاں تک کہ کسی ملازم کے تقرر یا تنخواہ کی کمی بیشی میں بھی کبھی اپنا اختیار نہیں چلایا بلکہ اس کے لئے بھی ممبران شوریٰ میں سے ایک چھوٹی کمیٹی مقرر فرمالیتے اور ان کے فیصلہ پر عمل فرماتے۔ ان کی امانت اور دیانتداری میں تو کچھ کلام نہ تھا، آپ اس ایک مثال سے قیاس کرلیں کہ کتنی حد تک محتاط زندگی گذاری۔ وہ یہ کہ میں تو چونکہ گھر کے اندر کا آدمی ہوں، مجھے ان کے خانگی حالات کا بھی علم ہے۔ ایک

مرتبہ میں نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو گھر میں انتہائی غصہ میں دیکھا جب کہ اس سے قبل میں نے کبھی بھی حضرتؒ کو ایسے غصہ میں نہیں دیکھا تھا۔ میں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ واقعہ یہ ہے کہ سوئی گیس کے آنے سے پہلے مطبخ کے تنور میں لکڑیاں جلائی جاتی تھیں تو لکڑیاں جل جانے کے بعد جو کوئلہ رہ جاتا تو بجھا کر دارالعلوم کے لئے بیچ دیا جاتا۔ حضرتؒ کے گھر میں بھی وہ کوئلہ انگیٹھی کے لئے قیمتاً منگوایا جاتا تو ایک روز حضرتؒ نے کوئلہ کی بوری گھر میں پڑی ہوئی دیکھ لی، پوچھا کہ کوئلے کی قیمت داخل کر دی گئی ہے۔ کہا گیا کہ ابھی داخل نہیں کی تو اس بات پر بے اختیار غصہ فرمایا اور فرمایا یہ خیانت ہے، تمہیں عادت پڑ جائے گی۔

(الحق خصوصی نمبر ص ۱۱۲)

اعطاء سند کا معاملہ :

اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض مدرسوں میں طالب علم سے فیس لے کر سند دی جاتی ہے چاہے اس نے اس مدرسہ میں ایک دن بھی نہ پڑھا ہو مگر دارالعلوم حقانیہ کا یہ قانون ہے کہ جب تک دارالعلوم میں دورہ حدیث نہ کیا ہو سند نہیں دی جاتی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ فرضی سند دینا عنداللہ بڑا جرم سمجھتے تھے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ جیسے بڑے عالم اور مجاہد اور تمام علماء میں قدر و منزلت والے ایک مرتبہ کسی کی سفارش کے لئے تشریف لائے تو حضرتؒ نے صاف انکار فرمایا۔ (الحق خصوصی نمبر، ص ایضاً)

سند نہیں، شہادت نامہ :

ایسے ہی ہمارا ایک ساتھی مولانا نور محمد سکنہ توڑ ڈھیر جو کہ دارالعلوم دیوبند میں ہمارا شریک درس تھا اور وہ فاضل دارالعلوم تھا مگر کسی وجہ سے دارالعلوم دیوبند کے سالانہ امتحان میں شریک نہ ہو سکا تھا اس وجہ سے سند نہ مل

سکی تھی وہ متحدہ ہندوستان کے زمانہ سے فوج میں پیش امام تھے، پاکستان بننے کے بعد یہاں آئے تو فوج میں یہ قانون بنا کہ چند دارالعلوموں کی سند کے بغیر فوجی امامت نہیں کرسکتے۔ انہوں نے حضرت شیخ الحدیثؒ سے سند کا تقاضا کیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں پڑھ چکے ہیں، مگر میں خلاف قانون سند نہیں دے سکتا البتہ شہادت نامہ دے دوں گا کہ میرے سامنے دیوبند میں دورہ حدیث کرچکے ہیں۔ چنانچہ آپ نے شہادت نامہ لکھ کر دیدیا اور ملٹری افسران نے وہ شہادت نامہ قبول کرلیا۔

(الحق خصوصی نمبر، ص ایضاً)

امتحان کے بعد سند دیں گے :

ایسے ہی ایک مرتبہ مانسر چھاؤنی سے آزاد کشمیر فوج کا کوئی افسر اپنے پیش امام کو سند کے لئے ساتھ لایا، حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ اگر آپ اس کے ساتھ امداد کرنا چاہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ یہ دارالعلوم میں دورہ حدیث میں داخل ہوجائے، جبکہ اس سے قبل وہ درس نظامی کی کتب پڑھ چکا تھا اور روزانہ آتا جاتا ہے اور آپ لوگوں کو اس کی آمدورفت کا خرچہ برداشت کرنا چاہیئے، امتحان کے بعد سند دے دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔

(الحق خصوصی نمبر، ص ایضاً)

رشوت ہے، رقم واپس کردو :

ایسے ہی ایک مرتبہ کوئٹہ سے ایک کرنل صاحب کسی مولوی کو ساتھ لائے اور آتے ہی کافی رقم بطور چندہ دارالعلوم میں داخل کردی۔ بعد میں سند کا تقاضا کیا۔ جب انہوں نے سند کا ذکر کیا تو شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے ناظم صاحب سے کہا کہ رقم واپس کردو کیونکہ یہ رشوت دینا چاہتے ہیں۔ ہم مدرسہ میں

رشوت کی رقم نہیں لیتے۔ چنانچہ کرنل صاحب نے معافی مانگی اور کہا دراصل ہمیں سند کی ضرورت نہیں، ہم محض امتحان لینا چاہتے تھے کہ یہاں فرضی سند مل سکتی ہے یا نہیں۔ (الحق خصوصی نمبر، ص ایضاً)

فضاء مسجد کو ذاتی استعمال میں لانے سے احتراز :

تمام عبادات کا خلاصہ، نچوڑ اور مقصد تقویٰ اور خوف الٰہی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عقل مندی، دانائی اور حکمت کا ثبوت اللہ کا خوف اور ڈر ہے جسے تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مولانا حافظ انوار الحق صاحب رقم طراز ہیں :

خوفِ خدا، تقویٰ واحتیاط کے اس چلتے پھرتے نمونہ مجسم نے اپنی پوری زندگی کے کسی موقع وموڑ پر ان اوصاف میں نہ صرف یہ کہ کمی نہ آنے دی بلکہ قدم قدم اور لمحہ لمحہ اس پر ثابت قدم رہ کر اپنی زندگی کو اوروں کے لئے مشعل راہ بنادیا، جس کی ایک جھلک اس واقعہ میں بھی پورے طور پر نمایاں ہے کہ کافی عرصہ قبل جبکہ ان کے آبائی گھر کے بعض کمروں کی تعمیر ہو رہی تھی، لنٹر کا مرحلہ آیا تو گھر کے کمروں کی پشت مسجد کے صحن سے متصل ہونے کی وجہ سے مستریوں کا خیال تھا کہ چھت کا تھوڑا سا حصہ بطورِ شیڈ مسجد کی طرف فضا میں بڑھایا جائے جس سے گھر کے اوپر والے حصہ (جہاں حضرتؒ تمام عمر مقیم رہے) کے صحن میں معمولی فراخی آجائے گی۔ حضرتؒ کو جب معلوم ہوا کہ مسجد کے صحن کے فضائی حصہ کو ذاتی تصرف میں لانے کا احتمال ہے تو فوراً کام کرنے والوں کو اس ارادہ اور اس پر عمل کرنے سے روک دیا۔ (الحق خصوصی نمبر، ص ۱۱۹)

ورع و تقویٰ اور مشتبہ اشیاء سے اجتناب :

مولانا موصوف لکھتے ہیں :-

گھریلو زندگی، دنیوی معاملات اور ضروریات میں استعمال کی تمام اشیاء میں

انتہائی احتیاط برتتے حتیٰ کہ کسی مشتبہ چیز کو ہاتھ تک لگانے کا تصور بھی نہ فرماتے اور یہ احتیاط صرف گھر تک محدود نہ تھی بلکہ دارالعلوم کی کسی چیز کو ذاتی تصرف میں لانے کا کبھی سوچا تک بھی نہیں۔ جس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ دارالعلوم کے ابتدائی دور سے ہی اس کے اعلیٰ درجہ سے لے کر نچلے درجہ تک کے تمام ملازمین کی جملہ ضروریات از قسم مکان، بجلی، پانی، سوئی گیس وغیرہ کے اخراجات دارالعلوم برداشت کررہا ہے، مگر آپؒ نے آخر دم تک ان تمام سہولتوں سے اجتناب کیا اور دارالعلوم سے کافی دور اپنے آبائی، محدود و مختصر گھر میں اپنے ذاتی اخراجات سے ہی گذارہ کرنے پر اکتفاء کیا۔

(الحق خصوصی نمبر، ص ۱۱۹)

ماہانہ مشاہرہ اور حضرتؒ کا معمول:

تدریس اور اہتمام وانتظام دارالعلوم کے عوض انتہائی معمولی مشاہرہ پر قانع رہے۔ کبھی بھی تنخواہ کے اضافہ کا مطالبہ تو درکنار خواہش تک کا بھی اظہار نہ فرمایا۔ بسا اوقات دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے اجلاسوں کے دوران علی العموم عملہ کی تنخواہوں پر غور اور اضافہ کے مطالبات پیش ہوتے تو اکثر اراکین شوریٰ حضرت شیخ الحدیثؒ کی تنخواہ میں اضافہ پر بھی زور دیتے تو آپؒ دیگر عملہ کے مشاہرات میں اضافہ کی تجاویز کی تائید کے بعد اپنے مشاہرہ میں اضافہ کا پرزور الفاظ میں انکار فرمادیتے۔ چونکہ آپ کا نظریہ حیات ہی دین کی خدمت کرکے اس کا اجر وثواب مابعد الوفات اور آخرت میں حاصل کرنا تھا، اس لئے بسا اوقات سال بھر مختصر تنخواہ لینے کے بعد سال کے آخر میں رمضان المبارک کے دوران کسی نہ کسی شکل میں مشاہرات کی صورت میں لی ہوئی رقم دارالعلوم میں بطور چندہ داخل فرمادیتے۔　　(الحق خصوصی نمبر، ص ۱۱۹)

لفٹ کی پیش کش ٹھکرادی:

حضرت مولاناانوارالحق تحریر فرماتے ہیں:-

عمر کے آخری سالوں میں جب کہ بغیر دو خدام کے سہارا کے چلنا پھرنا مشکل ہو گیا تھااس کے باوجود گھر کے بالائی حصہ (جس کی سیڑھیاں پر پیچ اور تھکادینے والی تھیں) سے اتر کر ظہر، عصر اور مغرب کی نمازوں میں شرکت کے لئے گھر سے ملحق مسجد میں حاضری فرماتے۔اس دوران آپؒ کے ایک محبِ خاص لاہور کے الحاج محمد یٰسین (جو کہ ابتداء میں شیخ التفسیر، قدوۃ السالکین حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خادم خاص رہے اور ان کی رحلت کے بعد جانشین شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ سے تعلق کی بناء پر ان کے حکم اور مشورے سے حضرتؒ کے حلقہ ارادت میں شرکت کے لئے اکوڑہ خٹک حاضری دینے لگے) ہر وقت اس فکر میں رہتے کہ حضرتؒ کے کمرہ سکونت و نقل و حرکت میں جس قدر سہولتیں ہو سکیں، میں ہی یہ خدمت ادا کرتا رہوں۔ اللہ تعالیٰ اس بندہ خدا کو جزائے خیر سے نوازے کہ واقعی انہوں نے اپنے شیخ رحمہ اللہ کی خدمت میں کسی قسم کی کوتاہی سے کام نہ لیا۔ حاجی صاحب موصوف نے حضرتؒ کے بار بار بمشکل اپنے کمرہ سے مسجد دارالعلوم آنے جانے کو محسوس کرتے ہوئے ان کی خدمت میں تجویز پیش کی کہ گھر کے بالائی حصہ سے ملحق پڑوسی کے مکان سے دو تین گز کا ٹکڑا خواہ جس قدر دام سے وہ بیچے خرید لی جائے اور لفٹ کا بندوبست میں اپنے خرچ سے کرنا چاہتا ہوں تاکہ سیڑھیوں سے اترنے کی کلفت سے حضرتؒ بچ سکیں۔ وہ جب بھی لاہور سے آتے حضرتؒ اور مجھ سے اس تجویز پر عمل کرنے کی اجازت طلب فرماتے مگر حضرتؒ ان کو صرف اس وجہ سے ٹالتے رہتے کہ چونکہ لفٹ کا دروازہ مسجد کے صحن میں کھلے گا جس کی

وجہ سے مسجد کے ایک حصہ کو اپنے ذاتی تصرف میں لانے کا ارتکاب ہو جائے گا جس سے وہ بچتے رہے۔ (الحق خصوصی نمبر، ص۱۲۰)

تقویٰ کا نقد ثمرہ دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔ اللہ کریم کا وعدہ ہے، فرمایا جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ پاک اس کے لئے بند راستے کھول کر راستہ نکال دیتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں جہاں سے ان کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کو بھی اللہ نے تقویٰ کے نقد ثمرات سے دنیا میں بہرہ مند کر دیا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں کئی بار قومی اسمبلی کے ممبر بنے۔ اربابِ حکومت جبین عقیدت جھکانے اور نیاز مندانہ حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے تھے اور حضرت شیخ الحدیثؒ کو اللہ نے دنیاوی حوالے سے اتنی کشادہ روزی عطا فرمائی تھی کہ وہ اقرار اور اعتراف کے لئے ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرتے رہتے تھے۔

باب ۷

زہد و تواضع اور فنائیت

آخرت کے لئے دنیا کو ترک کر دینے کا نام زہد ہے۔ ترک دنیا کے یہ معنی نہیں کہ آدمی ننگا ہو کر بیٹھ جائے' مثلاً لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے۔ ترک دنیا کا مطلب یہ ہے کپڑے پہنے' کھانا کھائے' جو کچھ میسر ہو اس کو استعمال کرے لیکن دنیا کے جمع کرنے کی طرف متوجہ نہ ہو اور اپنے دل کو دنیا کی محبت میں نہ لگائے۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے مجھے دنیا سے کیا کام؟ میں تو اس شہسوار کی طرح ہوں جو ذرا دیر ستانے کے لئے کسی درخت کی چھاؤں کا سہارا لیتا ہے اور پھر آگے روانہ ہو جاتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں زہد کے تین درجات میں سے آخری درجہ یہ ہے کہ آدمی کو دنیا کی طرف رغبت تو ہو مگر اس کی فکر میں زیادہ نہ پڑے ---- ؎

دنیا میں ہوں' دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گذرا ہوں' خریدار نہیں ہوں

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ مشہور ہے' ان کے خادم نے انہیں اطلاع دی کہ حضرت جو جہاز مالِ تجارت اور سامان لیکر آ رہا تھا وہ طوفان کی نذر ہو گیا ہے۔ آپؒ نے فرمایا الحمد للہ۔ تھوڑی دیر بعد دوسری اطلاع موصول ہوئی

کہ جہاز نہیں ڈوبا اور سامان تجارت بخیر و عافیت کنارے تک پہنچ گیا ہے۔ آپؒ نے پھر فرمایا' الحمد للہ ۔ ایک مرید نے تعجب کا اظہار کیا کہ حضرت دونوں صورتوں (نفع و نقصان) میں الحمد للہ کا کیا مطلب ؟ ہمیں سمجھ نہیں آئی۔ تو حضرت شیخؒ نے فرمایا : میں نے دونوں صورتوں میں اپنے دل پر نظر ڈالی تو مجھے نہ نقصان پر کوئی غم اور نہ نفع پر کوئی خوشی محسوس ہوئی تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرا دل اللہ کے سوا ہر چیز سے خالی ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں ---

چیست دنیا ' از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ وفرزند و زن

دنیا سونے چاندی اور بیوی بچوں کا نام نہیں بلکہ آدمی خدا سے غافل ہو کر اپنی فکری و عملی توجہات اور توانائیوں کا مرکز ان کو بنا لے تو یہ دنیا ہے۔

ہمارے اکابر کبھی بھی دنیا کی طرف نہیں جھکے بلکہ " جو گیا سو گیا' جو ملا سو ملا" کا عملی مظہر تھے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کو چودہ روپے مشاہرہ ملتا تھا' ان کو کہا گیا کہ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں آپ کو بارہ سو روپے تنخواہ ملے گی۔ حضرت نانوتویؒ نے فرمایا میں یہ بارہ ' چودہ روپے لیتا ہوں تو مہینے کے آخر میں مجھے سوچ رہتی ہے کہ یہ رقم کہاں لگاؤں تو بارہ سو روپے لیکر ان کو میں کہاں محفوظ رکھوں گا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ خود فرماتے تھے : دار العلوم دیوبند کی تدریس کے دوران کئی بار ہمیں مہینوں تنخواہ نہیں ملی ۔ دنیا سے بے رغبتی ہی کا نتیجہ تھا کہ آزمائش کے کسی بھی مرحلہ میں حرص و آز' لالچ و طمع اور ظلم و تشدد کی کوئی تلوار آپ کو کاٹنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ آپ کا اخلاص زندگی کے آخری ۲۰ سال میں بار بار آزمائش کی کسوٹی پر پرکھا جاتا رہا اور وہ ہر بار زر خالص بن کر نکھرتا رہا' لیکن ابھی آزمائش کا ایک مرحلہ باقی تھا۔

وزارت کو ٹھکرادیا:

یہ مرحلہ ۸۵ء کے انتخابات کے بعد صدر ضیاء الحق مرحوم اور وزیر اعظم محمد خان جونیجو کا نئی کابینہ تشکیل دینی تھی۔ اس موقعہ پر صدر ضیاء الحق نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو سینئر وزیر کے طور پر وزارت کی پیش کش کی اور اصرار کیا کہ وزارت میں آپ کے آنے سے اسلامائزیشن کے عمل کی تکمیل ہو سکے گی۔ اس کو قبول کر لینے کے لئے ضرورت اور جواز میں سینکڑوں دلیلیں پیش کی جا سکتی تھیں مگر آپ نے صاف انکار کر دیا۔ جب ادھر سے اصرار ہونے لگا تو آپ نے فرمایا میں حدیث رسولؐ کا درس اور مسند حدیث کو وزارت کے بدلے ایک لمحے کے لئے بھی ترک کرنے کو تیار نہیں۔ (الحق خصوصی نمبر)

کیا آج دنیاوی مسابقت اور مادیت پرستی کے اس گئے گذرے دور میں ایسی مثال ملنا آسان ہے۔ آج تو حالت یہ ہے کہ حصول دولت مقصد زندگی بن چکا ہے ---- ؎

یہی تجھ کو دھن ہے رہوں سب سے بالا
ہو زینت نرالی ہو فیشن نرالا
کیا جیا کرتا ہے یونہی مرنے والا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

خلوص کی برکتیں:

حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے زمانہ طالب علمی کے واقعات جب سنایا کرتے تو فرماتے کہ دارالعلوم دیوبند میں زمانہ طالب علمی میں ہم لوگ نئے طلباء کی رہائش کا، کھانے پینے کا اس وقت تک انتظام کرتے جب تک کہ مدرسے کی جانب سے ان

کا انتظام نہ ہو جاتا۔ جب حضرت شیخ الحدیثؒ نے دار العلوم حقانیہ قائم فرمایا تو تقریباً تین چار سال تک نہ تو دار العلوم کا نام مشتہر کیا' نہ دار العلوم کو مشتہر کرنے کے لئے کوئی اشتہار شائع کیا اور نہ باقاعدہ کسی چندہ کی تحریک شروع کی۔ دار العلوم حقانیہ کے ابتدائی دور کے طلباء نے بڑی محنتیں اور مشقتیں برداشت کیں' ان کے خلوص کی برکتیں آج ظاہر ہو رہی ہیں۔

اکرام مسلم:

مخدوم زادہ ذی قدر استاذ المکرّم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اپنی ذاتی ڈائری میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک ڈی ایس پی صاحب آئے اور حضرت کے قدموں میں گر پڑے۔ حضرت نے انہیں اٹھا کر فرمایا:

"من تواضع لله رفعه الله"

حضرت کی ایسی تواضع تھی کہ وعظ میں بھی عوام کو مخاطب کرتے تو ان کو احساس دلاتے کہ آپ کو تو سب کچھ معلوم ہے۔ مثلاً فرماتے کہ مشکوٰۃ شریف کی وہ حدیث تو آپ نے سنی ہو گی' بخاری شریف میں پڑھا ہو گا۔

(الحق خصوصی نمبر' ص ۴۹)

کسی نے سچ کہا ہے ---

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں
اس زمین پست نے کیا کیا سماں پیدا کئے

معاصرین کی شہادت:

عربی کا مشہور مقولہ ہے "المعاصرة سبب المنافرہ" یہ مقولہ بہت سی صداقتوں اور حقیقتوں کا گواہ ہے لیکن معاصرت کی اس کشمکش کے ذیل میں بعض معاصرانہ شہادتوں کی شاہکار اور حق پسندی کی گراں قدر مثالیں بھی شاذ و نادر ملتی

ہیں۔ انہی میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے متعلق ان کے معاصرین کی شہادت بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

خطیب اسلام حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ ہمیشہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے خاص وصف تواضع سے بے حد متاثر رہے اور فرمایا کہ حضرت مولانا عبدالحقؒ کی تواضع اور فنائیت ان کی فطرت ہے، تصنع سے نہیں بلکہ طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ سوشلزم کے مسئلہ پر اپنی مہم کے دوران صوبہ سرحد میں داخل ہوئے تو حضرت کی خدمت میں قاصد بھیجا ملنے آرہا ہوں، حضرت کی مجھ پر شفقت ہے، میں حضرت کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں۔ نوشہرہ میں ڈاکٹر عطاء الرحمٰن پاپولر (جو قاضی حسین احمد امیر جماعتِ اسلامی کے بڑے بھائی ہیں) کے مکان پر مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے فرمایا مجھے پاکستان میں اس وقت عزیز ترین ذات حضرت مولانا عبدالحقؒ ہے، مجھے ان کے ایمان واخلاص پر یقین ہے۔ دوسرے دن ساڑھے نو بجے دارالعلوم تشریف لائے تو یہاں بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار دفتر اہتمام میں کرتے رہتے۔ حضرتؒ نے بھی ان کے استقبالیہ تقریر میں طلبہ سے ان کے فضائل، رتبہ ومقام اور حضرت تھانویؒ سے نسبت اور دارالعلوم کی محبت کا ذکر کیا۔ (الحق خصوصی نمبر، ص ۵۳)

عربی کا مقولہ ہے "الفضل ما شهدت به الاعدا" حضرت شیخ الحدیثؒ کے سخت سے سخت مخالفین بھی حضرت کی تواضع، للّٰہیت اور فنائیت کے معترف تھے۔

محبوب دو عالم ﷺ نے فرمایا جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اس کو اللہ کریم رفعت عطا فرماتے ہیں۔ جب رحمت عالم ﷺ صحابہؓ کی مجلس میں تشریف لاتے تو صحابہؓ کو اپنی تعظیم کے لئے کھڑا ہونے سے منع فرماتے اور جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو آپ دس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔

آپؒ کی حالت یہ تھی کہ آپؒ نے گردن اور سر کو پالان پر جھکا دیا۔ یہی تواضع کی علامت اور نشان ہے کہ آدمی جب چلے تو گردن جھکا کر چلے۔ بات چیت میں سخت رویہ اختیار نہ کرے۔ سب کو خود سے افضل اور بہتر سمجھے۔

جو شان جو اپنی بڑھا رہے ہیں وہ شان اپنی گھٹا رہے ہیں
جو شان اپنی گھٹا رہے ہیں وہ شان اپنی بڑھا رہے ہیں

اکابرین میں سے حضرت گنگوہیؒ قسم کھا کر کہتے کہ میرے اندر کوئی کمال نہیں۔ تواضع اور فنائیت کا یہ جذبہ حضرت شیخ الحدیثؒ کو بھی اللہ نے بدرجہ کمال عطا فرمایا تھا۔

تبحر علمی اور تواضع :

مولانا ذاکر حسن نعمانی ماہنامہ الحق کے خصوصی نمبر میں رقم طراز ہیں :

" حضرت شیخ الحدیثؒ کی تواضع حاتم طائی کی سخاوت سے زیادہ مشہور ہے۔ عاجزی اور انکساری ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ یہ کوئی تصنع یا بناوٹ نہیں بلکہ طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ تواضع اور بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنے علم کا اظہار نہیں کیا لیکن جب (مولانا) عبدالقیوم حقانی صاحب حقائق السنن پر دن کا کیا ہوا کام عصر کی نماز کے بعد سناتے اور حضرت تصحیح و ترمیم فرماتے تو یقین آجاتا کہ واقعی حضرتؒ علم کا سمندر ہیں۔ (الحق خصوصی نمبر' ص ۲۱۱)

عالی ظرفی :

حضرت شیخ الحدیثؒ جاہ و مرتبہ' منصب و مقام اور محبوبیت کی بلند ترین منازل پر پہنچنے کے باوجود بھی اپنی زندگی میں ایسے بے تکلف اور سادہ تھے کہ جیسے ایک شیخ الحدیث نہیں' ایک مہتمم نہیں' ایک قائد اور راہنما نہیں' اسمبلی کا ایک

ممبر نہیں بلکہ اب تک ایک طالب علم ہی ہوں --- ایسے مقامات پر پہنچ کر اچھے اچھے بہک جاتے ہیں --- ۔

ذرا پی کر بہک جانا یہ کم ظرفوں کا شیوہ ہے
جو عالی ظرف ہیں جتنی پئیں وہ کب بہکتے ہیں

یہ منزل خاصی امتحان کا کام دیتی ہے۔ ہمارے حضرتؒ اتنے بلند مقامات پر پہنچ کر بھی نہ تو ان کی بات چیت میں کوئی فرق آنے پایا' نہ وضع اور لباس میں اور نہ کسی اور چیز میں۔ سوا اس کے کہ اب تواضع پہلے سے بھی بڑھ گئی۔

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

سورہ فاتحہ میں غلطی اور حضرتؒ کی توجہ و عنایت :

زمانہ طالب علمی میں احقر کی رہائش حضرت شیخ الحدیثؒ کے بھائی کے گھر کے بالاخانے میں تھی اور حضرتؒ کی مسجد میں امامت کے فرائض کی ذمہ داری بھی حضرت شیخ الحدیثؒ کی طرف سے احقر کے سپرد تھی۔ مجھے آج بھی وہ منظر یاد ہے کہ ایک دفعہ نماز میں سورۃ فاتحہ میں سہو ہو گیا اور پھر سہو ہوتا ہی رہا۔ مقتدی بار بار فتح دینے لگے' بڑی مشکل سے نماز پوری کی۔ لوگوں نے اس بات کو تمسخر اور مذاق کا بہانہ بنا لیا۔ نماز کے بعد جب حضرت شیخ الحدیثؒ کو حسب معمول ان کی بیٹھک تک پہنچایا اور سارے لوگ رخصت ہو گئے۔ حضرتؒ نے مجھے روک دیا۔ اس وقت میرا غالب گمان یہ تھا کہ حضرت غصہ کریں گے اور آئندہ کے لئے نماز پڑھانے کی سعادت سے سبکدوش کر دیں گے۔ میں نے فوراً حضرتؒ سے ملتے ہی از خود کہا حضرت! میں آئندہ نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا نہیں بیٹے! میرے امام تم ہو' نماز آئندہ بھی تم نے پڑھانی ہو گی۔ پھر فوراً "رب اشرح لی

صدری ---الخ" پڑھ پڑھ کر میرے سینے سے لے کر پاؤں تک طویل توجہ سے ہاتھ پھیرتے رہے اور میں پانی پانی ہو تا رہا اور بار بار یہ دعا کرتے رہے یا اللہ! ان کا سینہ بھی کھول اور حافظہ بھی، یا اللہ! ان پر علم و حکمت کے دروازے کھولدے" اللّٰھم علمه الکتب والحکمة "ورد زبان تھا۔ یہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے حسن اعتماد، تواضع، فنائیت، دلجوئی اور شفقت کا ایک ایسا واقعہ ہے جو کبھی نہیں بھولوں گا۔ دل و دماغ کی سکرین پر یہ واقعہ ایسا نقش ہو گیا ہے کہ میرے لئے اس کی سوائے کمال شفقت اور اصاغر نوازی اور حسن اعتماد کے کوئی اور توجیہ ممکن ہی نہیں۔ اپنے شاگردوں کو دینی پیشوائی میں آگے بڑھانے کی اس کے علاوہ اتنی مثالیں ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں۔ آج جامعہ ابوہریرہ کا قیام، ماہنامہ القاسم، تصنیف و تالیف اور تھوڑی بہت دینی خدمات ان ہی کی داد و تشجیع کا ثمرہ ہی تو ہے ورنہ ہم کیا اور ہماری حیثیت کیا۔ من آنم کہ من دانم۔

ہنا ہے شہ کا مصاحب پھرا ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آرزو کیا ہے

باب ۸

مخلوق خدا پر شفقت و محبت، تحسین و تشجیع علم پروری اور اصاغر نوازی

اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کا سہل اور آسان راستہ یہی ہے کہ مخلوق خدا سے شفقت و محبت سے پیش آیا جائے ...... الخلق عیال اللّٰہ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ پس مخلوق میں بہتر وہ ہے جو اللہ کی مخلوق کیلئے فائدہ رساں ہو' محسن انسانیت سرور دو عالم ﷺ کی شفقت و رافت اور لوگوں سے محبت و ہمدردی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَقَدجَآءَ کُم رَسُولُ مِن اَنفُسِکُم عَزِیزُعَلَیهِ مَاعَنِتُّم حَرِیصُ عَلَیکُم بِالمُؤمِنِینَ رَؤُفُ الرَّحِیمُ۝

اے لوگو! تمہارے پاس ایسا پیغمبر آیا جو تمہاری جنس سے ہے جس کو تمہاری تکلیف و مضرت کی بات گراں گذرتی ہے' جو تمہاری منفعت کا بڑا خواہش مند رہتا ہے ایمانداروں کے ساتھ بڑا شفیق اور مہربان ہے۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت (اس وقت سے جبکہ میں آٹھ برس کا تھا) دس برس تک کی آپ نے کبھی بھی کسی بات

پر، کسی غلطی پر ملامت نہیں کی اور غصہ نہیں کیا۔'' اللہ کریم نے اپنے نبی کے واسطے سے امت کو حکم فرمایا'' لوگوں کے ساتھ فردتنی کے ساتھ پیش آؤ جو مسلمانوں میں داخل ہوکر تمہاری راہ پر ہیں''۔ علوم نبوت کے ورثاء' صالحین امت اور علماء اور شیوخ کاملین اس حکم کی تعمیل میں مخلوق خدا کی دل جوئی اور راحت رسانی کو اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔

مے کوش کہ راحت بجانے برسد

یا دست شکستہ بنانے برسد

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو بھی عامۃ المسلمین بالخصوص اپنے متعلقین طلبہ و خدام اور عامۃ المسلمین کے ساتھ تعلیم و تربیت' اصاغر نوازی اور تشجیع و تشویق الغرض ایسی شفقت و محبت عطا فرمائی تھی جس کو اگر ماں کی شفقت کے ساتھ تشبیہ دیں تو حضرتؒ کی سیرت کے عام واقعات اور روزانہ کے معمولات اور اس نوعیت پر مبنی برحقیقت حکایات کے لحاظ سے اس میں کوئی مبالغہ اور شاعری نہ ہوگی۔ شفقت' عنایت' علم پروری اور اصاغر نوازی حضرت شیخ الحدیثؒ کی طبعیت ثانیہ بن چکی تھی کہ ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود دوسروں کی جسمانی اذیت سے اپنے اندر جسمانی اذیت اور دوسروں کی قلبی راحت سے اپنے اندر قلبی راحت محسوس کرتے تھے۔

التفات یار

احقر کی ایک تفصیلی تحریر سے اقتباس ملاحظہ فرمایئے،

''جب احقر کا دارالعلوم حقانیہ میں خدمت درس و تدریس اور مؤتمر المصنفین میں حقائق السنن شرح اردو جامع السنن للترمذی کیلئے تقرر ہوا اور حقائق السنن پر کام شرع ہوا' عصر کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی مسجد میں روزانہ کے

مسوّدات سنایا کرتا تھا' آپ اصلاح وترمیم یا اس کی مزید توضیح وتشریح فرمادیا کرتے تھے۔ جب کسی روز قدرے تاخیر ہوتی یا کسی وجہ سے غیر حاضری ہو جاتی تو شام کو حضرتؒ کا آدمی گھر پر پہنچ جاتا اور حضرت کی تلقین کے مطابق اولاً شفقت ومحبت سے معمور سلام پہنچاتا' اس کے بعد حضرتؒ کی جانب سے طبیعت ومزاج پرسی اور تاخیر یا غیر حاضری پر تشویش اور آج اگر ممکن ہو سکے تو فبہا ورنہ کل کے لئے اشتیاق ملاقات کا اظہار ہوتا اور آج ہمیں کون پوچھے گا ۔

التفات یار تھا اک خواب آغازِ وفا
سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیر کہیں؟

دل کا سودا

صرف میرے ساتھ نہیں' بلکہ جسے بھی حضرت شیخؒ کے ساتھ قرب وخدمت یا تلمذ ومحبت یا مطلق تعارف کا تعلق تھا یا بغیر تعارف کے بھی جس کسی تک حضرتؒ کی شفقتیں اور محبت کی عنائتیں پہنچ سکتی تھیں حضرتؒ اپنے اس معمول میں کسی امتیاز واختصاص کے بغیر سب کے ساتھ برابری کا معاملہ کرتے تھے اور دل جیت لیتے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء نے جو یہ کہا تھا کہ ''قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن نہ ہوگی، جتنا دل کے خیال رکھنے اور دل کو خوش کرنے کی''۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنے معمولات اور اجتماعی معاملات میں اسے ترجیح دی بلکہ آپ کا اوّل وآخر ہدف قلب ہوا کرتا تھا۔ (خصوصی نمبر ص ۱۰۴)

بچوں پر شفقت

حضرت شیخ الحدیثؒ بچوں پر بڑے شفیق تھے' بعد العصر کی مجلس میں جب

کبھی بھی میرے ساتھ اپنا بچہ محمد قاسم سلمہ حاضر خدمت ہوتا' تو حضرت شیخ الحدیثؒ اپنی عظیم ذمہ داریوں' مہمانوں یا اوراد و وظائف اور باطنی مشغولیتوں کے باوجود ان کی پوری رعایت فرماتے' سر پر دست شفقت پھیرتے' اللہ اللہ کا سبق پڑھاتے سبق پڑھنے کی ترغیب دیتے' دعائیں پڑھ کر دم فرماتے اور گاہے گاہے نقد انعام سے بھی نوازتے۔

شفقت ورأفت

ماہنامہ ''العصر،، کے نائب مدیر مولانا ذاکر حسن نعمانی فرماتے ہیں ''حضرت شیخؒ حد درجہ شفیق و مہربان تھے' ملنے کا انداز ایسا تھا کہ ہر ایک گرویدہ بن جاتا تھا۔ جو ایک مرتبہ ملاقات کر لیتا ہمیشہ دوبارہ ملاقات کیلئے بے تاب رہتا بڑے لوگوں سے ملاقات کرنے کے بعد کئی لوگوں سے شکایات سننے میں آئیں بڑے لوگوں کے کچھ اصول ہوتے ہیں' جن کے تحت وہ پوری زندگی گزارتے ہیں' جس کی وجہ سے بعض لوگ شکوہ و شکایت کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی زندگی بھی منظم اور مرتب تھی، لیکن ہر ملنے والا ان سے ہر جگہ مل سکتا تھا۔ بہت کم لوگ ایسے ہوں گے کہ بغیر ملاقات کے واپس گئے ہوں۔ حضرتؒ نے خود کسی کو بغیر ملاقات کے واپس نہیں کیا۔ ہر ایک کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے تھے، نہ کبھی کسی کو ڈانٹا نہ کسی پر غصہ کیا۔ پیار اور نرمی کے لہجے میں سمجھاتے تھے۔ ہر کسی کو بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور بے حد نرمی میں منکرات سے منع فرماتے تھے۔ حدیث میں آیا ہے، من یحرم الرفق یحرم الخیر کله، جو نرمی سے محروم رہا وہ پورے خیر سے محروم رہا۔ ہر ایک کی خاطر مدارت کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو شکوہ تھا کہ مولانا کیوں ہر ایک کی اتنی عزت کرتے ہیں۔ خود میرے دل میں بھی یہی کھٹکا رہتا تھا۔ کیونکہ کچھ لوگ واجب التوہین ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت شیخؒ ان کے سر پر

بھی دست شفقت پھیرتے تھے، لیکن جب میں نے یہ حدیث دیکھی۔ رأس العقل بعد ایمان بالله مدارة الناس ، یعنی ایمان باللہ کے بعد عقل مندی مدارۃ الناس ہے،،۔ مدارۃ کے معنی ظاہرداری کے ہے۔ تو میرا دل حضرت شیخؒ کی حکمت عملی پر عش عش کر اُٹھا کہ حضرتؒ تو حدیث کے مقتضیٰ پر عمل پیرا ہیں۔ (خصوصی نمبر ص ۲۱۲)

پیکر شفقت

مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی رقمطراز ہیں

''طلباء کیساتھ حضرت الشیخؒ کی شفقتیں اتنی بے پایاں ہیں ان کو احاطہ تحریر میں لانا گویا جوئے شیر لانا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس وصف میں آپ کا اپنے معاصرین میں کوئی بھی ہم پلہ نہ تھا۔ حتیٰ کہ بلا مبالغہ آپ اپنے والدین سے بھی زیادہ شفیق تھے اور اس میں آپ کیہاں بڑے یا چھوٹے طالب علم کا امتیاز نہیں تھا، بندہ نے ختم حفظ قرآن کی تقریب میں تمام اساتذہ کرام کو دعوت دی۔ بعد العصر حضرت الشیخؒ کی مسجد کو گیا۔ وہاں پر حضرتؒ کے سامنے ان کے صاحبزادے حضرت استاذ مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ، کو اس میں شرکت کی دعوت دی اور حضرت الشیخؒ کو دعوت دینے سے حیاء آتی تھی اور یہ بھی خدشہ تھا کہ شاید آپ شرکت فرمائیں گے یا نہیں۔ بہر حال جب تقریب کا وقت قریب آیا تو حضرت والد صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ تم نے حضرت الشیخؒ کو دعوت دی ہے یا نہیں میں نے کہا نہیں۔ اس پر آپ انتہائی غصہ ہوئے، فرمایا جلدی جاؤ۔ چنانچہ میں فجر کی نماز سے پہلے آپ کی مسجد کو گیا اور آپ کو مدعا بیان کیا تو آپ نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا کہ تم نے تو کل مجھے نہیں کہا تھا۔ حالانکہ

میرے سامنے انوار الحق کو دعوت دی ، میں احساس ندامت سے پسینہ پسینہ ہوگیا، نماز کے بعد مجھے اپنے ساتھ کار میں بٹھایا اور اس ختم قرآن کی محفل میں شرکت فرمائی۔

وہ نہیں تو اے قمر ان کی نشانی ہی سہی
داغ فرقت کو لگاتے پھر رہے ہیں دل سے ہم

(خصوصی نمبر ص ۹۷)

تشجیع اور دل جوئی

حضرت الشیخؒ کے کس کس وصف ، عادت ، اخلاق اور پہلو کا ذکر کیا جائے وہ تو ہمہ جہت شخصیت تھے ۔خصوصاً اصاغر نوازی ،علم پروری تو ان کی زندگی کا جزو لاینفک تھی ۔اپنے خدام اور چھوٹوں کو بڑا بنا کر دکھایا کرتے تھے اور واقعی بھی یہی ہے ۔حضرتؒ کے خدام حضرتؒ ہی کے تلامذہ اور مستفیدین تھے جو حضرتؒ کی نسبت تلمذ و خدمت اور علم کے اعتبار سے چھوٹے مگر اپنے حلقے اور ماحول اور اپنے دینی کام اور خدمات کے اعتبار سے حضرتؒ کی توجہ اور دعاؤں کی برکت سے بڑے ہوتے تھے ۔میں کیا اور میری بساط علم کیا ۔مگر اس کا بارہا تجربہ ہوا کہ جب کبھی حضرتؒ کے حکم پر ان کی مسجد میں جمعہ کی تقریر کی اور نماز کے بعد جب حضرتؒ نے اپنے متوسلین اور دور دراز سے آنے والے محبین وزائرین کیلئے دعا کی غرض سے ہاتھ اٹھائے تو دعا میں پوری تقریر کا خلاصہ اور مقرر کا نام پورے القاب اور آداب سے لے کر اللہ تعالیٰ سے مقرر کیلئے مزید خدمت دین اور اس کی تقریر پر عمل کرنے کی دعائیں کرتے رہے۔ دور دراز سے مہمان آتے ،علماء آتے ،سیاسی رہنماء آتے ،اگر، مجھے بلایا گیا تو تعارف بھی اس طرح کرایا کہ یہ عبدالقیوم حقانی ہیں ، بڑے جید عالم ، مدرس اور ہمارے دارالعلوم حقانیہ کے روح رواں ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ہم لوگ حضرتؒ

کی یہ شفقتیں دیکھ کر پانی پانی ہو جاتے ، مگر حضرت بڑی بے تکلفی اور سادگی سے اتنا تعارف کراجاتے اور اتنا بڑھا جاتے کہ ہم خدام کے پاس سوائے کمال شفقت کے اور توجیہ ممکن ہی نہ تھی تاہم اس سے دل میں عمل کی انگیخت کا جذبہ اُبھرتا اور کچھ کر لینے کی ہمت پیدا ہوتی ۔

اصلاح کا حکیمانہ انداز

ہمارے حضرتؒ پر اپنے خدام اور متوسلین کی دل جوئی کا یہ انداز اس قدر غالب تھا کہ بعض اوقات اصلاح میں بھی درشت لہجہ یا واقعیت کی پوری حقیقت واضح الفاظ میں بیان کر دینے سے مخاطب کی دل شکنی کے اندیشے کے پیش نظر ایسا طریق اختیار کرتے کہ عقل مند اسے اپنے لئے واقعتاً تنبیہ سمجھ لیتے ، مگر عوام اور حاضرین یا موجودین و سامعین کیلئے اس میں بھی مدح و توصیف کا پہلو سامنے رہتا احقر سے ابتدائی ایام میں اپنی تقریر میں بعض اوقات اردو ادب کے معیاری الفاظ کے چناؤ میں بعض مشکل الفاظ اور بعض اوقات مشکل ترین الفاظ کا تسلسل ہو جایا کرتا تھا۔ حضرتؒ چاہتے تھے کہ مجھے یہ انداز ترک کر دینا چاہیے مگر مجھے یہ کبھی بھی نہ فرمایا کہ اس طرح نہ کرو۔ یہ انداز سامعین کے فہم سے بالاتر ہے۔ یا نصح و خیر خواہی کا اصل مقصد اس سے حاصل نہیں ہو سکتا -- بلکہ جب بھی تقریر ختم ہو جاتی تو حضرتؒ حاضرین سے فرماتے ''سن لی اردو اور پشتو کی مقامات ،،۔ حقانی صاحب کی تقریر سن کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ عربی کے علاوہ پشتو اور اردو میں بھی مقامات موجود ہے ،،۔ بس میرے لیے اپنے حضرتؒ کا یہ اشارہ کافی تھا چنانچہ احقر نے اس انداز کو ترک کر دیا

تنبیہ اور اصلاح کا یہ انداز جس میں اخلاص و محبت ، اور کمال شفقت کے ساتھ ساتھ مخاطب کے اخلاقی اقدار اور نفسیات کو ملحوظ رکھ کر نصح و خیر خواہی عمل میں لائی جائے ۔ یہ ہمارے حضرتؒ ہی کی خصوصیت تھی جو بہت کم سوں

میں دیکھنے میں آتی ہے۔ علاوہ ازیں اپنے کمتروں کو دینی پیشوائی میں آگے بڑھانے کی تو اتنی مثالیں ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کی مساعی کا محور اور ہدف ہی یہی ہوا کرتا تھا۔ آدم گری و آدم سازی کا یہ اہم ترین مرحلہ تھا جو ہمارے حضرتؒ کیلئے بہت ہی آسان کر دیا گیا تھا۔ (خصوصی نمبر، ص ۱۰۸)

ایک واقعہ جو کبھی نہیں بھولوں گا

مولانا مقصود گل حقانی اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ اپنے زمانہ طالب علمی کا ایک دلچسپ اور حضرتؒ کی تواضع وانکساری اور طلباء علوم دینیہ سے کمال شفقت وانتہائے محبت کا حیرت انگیز واقعہ کبھی بھولنے کا نہیں۔ اپنی ان گنہگار آنکھوں سے علماء وصلحاء، اور دسیوں رہنما دیکھے مگر حضرتؒ کی شان ہی نرالی تھی۔ سیاسی عظمت، علمی وجاہت اور تقدس و بزرگی کے چرچوں اور وزیروں امیروں سے تعلق اور ہجوم کے وقت بھی طلباء علوم دینیہ پر وہی شفقت رہی جو درس گاہ اور دارالعلوم میں ہوا کرتی تھی۔ یہی تو انسانیت کی تکمیل اور قرآنی ہدایات کی تعمیل ہے۔ عبداللہ ابن مکتومؓ کے واقعہ میں بھی تو قرآن نے حضور اکرم ﷺ کو اور آپ کی وساطت سے آپ کے ورثاء کو یہی سبق پڑھایا ہے۔ غالباً میرا دورہ حدیث کا سال تھا اور دارالحدیث کے مغربی جانب کمرہ نمبر ۱۲ میں میرا قیام تھا، میں اپنے کمرے میں مصروف مطالعہ تھا کہ ایک صاحب نے دروازہ کھٹکھٹایا، احقر باہر نکلا ایک صاحب نے اپنا تعارف کرایا معلوم ہوا کہ موصوف وفاقی حکومت کے مرکزی وزیر ہیں، جناب راجہ ظفر الحق صاحب کہنے لگے حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ سے ملاقات کرنی ہے۔ احقر ان کے ساتھ ہولیا موصوف سرکاری گاڑی اور پروٹوکول کے ساتھ آئے تھے۔ احقر کو ساتھ بٹھایا، حضرتؒ کے گھر احقر انہیں لے گیا اور بیٹھک میں انہیں بیٹھنے کیلئے کہا۔ وزیر موصوف بیٹھک کو دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ اتنے بڑے آدمی، اتنا

مقام اور نام اور یہ معمولی اور سادہ کمرہ بیٹھک کا۔

بہر حال بتانا یہ ہے کہ جب حضرت شیخ الحدیثؒ گھر سے تشریف لائے، وزیر موصوف سے ملاقات ہوئی اور ضیافت کیلئے چائے، بسکٹ اور اس سے قبل فروٹ رکھا گیا۔ حضرتؒ نے وزیر موصوف، ان کے رفقاء کو اور احقر کو بھی دستر خوان پر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ ہم لوگ بھی بے تکلفی سے حضرتؒ کی ضیافت میں شریک ہو گئے۔ مولانا عبدالقیوم حقانی جو ان دنوں غالباً درجہ موقوف علیہ کے طالب علم تھے اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہاں ان کے بھائی کے بالا خانہ میں رہا کرتے" تھے۔ سفر و حضر میں حضرتؒ کی خدمت اور مسجد شیخ الحدیثؒ میں امامت کیا کرتے تھے۔ اس وقت بھی مہمانوں کیلئے ضیافت کا سامان حضرت الشیخؒ کے اشارہ پر مولانا حقانی صاحب ہی لائے۔ حقانی صاحب کی حیثیت اس وقت ایک ادنیٰ طالب علم اور خادم کی تھی۔ لہٰذا دستر خوان سجا کر موصوف ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ وزیر موصوف کے ساتھ مصروف گفتگو تھے کہ اچانک آپ کی نظر حقانی صاحب پر پڑ گئی تو وزیر سے گفتگو کاٹ کر حقانی صاحب سے فرمانے لگے'' آجایئے اور آپ بھی کھانے میں شریک ہو جایئے،،۔ موصوف آمادہ نہ ہوئے تو حضرتؒ نے باصرار ان کو دستر خوان پر بلا لیا۔ اس وقت حضرتؒ کا اصرار اور ایک ادنیٰ خادم اور طالب علم پر توجہ، وزیر کی موجودگی میں اس سے گفتگو کاٹ کر اپنے ایک ہمہ وقتی رفیق اور کارکن بلکہ خادم کی اس قدر رعایت کرنا یہ علم پروری، اصاغر نوازی اور بے نفسی نہیں تو اور کیا ہے؟ صرف بلانا اور دستر خوان پر بٹھانا مقصود نہ تھا بلکہ جس توجہ، احترام، شفقت اور اصرار کا انداز، مجھے یاد ہے وہ اتنا پیارا اور حیرت انگیز تھا کہ پوری محفل پر ایک طالب علم کی عظمت چھا گئی۔ مجھے تحریر کا سلیقہ نہیں ورنہ وہ کیفیت جو میں نے دیکھی تھی اگر کوئی صاحب قلم دیکھتے اور اس کی واقعی

تصویر کشی کرتے تو آج دنیا عش عش کر اٹھتی۔

کیا عشق نے سمجھا ہے کیا حسن نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

(خصوصی نمبر ص ۲۳۳)

ایک طالب علم سے کمال شفقت کا معاملہ

مولانا امداد اللہ افغانی بیان کرتے ہیں کہ ''محمد آصف نامی ایک طالب علم ایبٹ آباد کے کسی دور دراز گاؤں سے حاضر خدمت ہوا، حضرت شیخ الحدیثؒ مہمانوں اور عقیدت مندوں کے ہجوم میں گھرے ہوئے تھے۔ حقائق السنن کے مسودات پر کام کرنا ابھی باقی تھا۔ حضرتؒ نے اس نو وارد طالب علم سے آنے کا مقصد دریافت فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے آپ سے بیعت کی ہوئی ہے اور چند مشورے طلب کرنے ہیں حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا ٹھیک ہے بیان کرو اور انہی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوگئے۔ طالب علم نے سوالات پوچھے، حضرتؒ نے خوب تسلی بخش جوابات مرحمت فرمائے۔ حضرتؒ کی خصوصی توجہ اور اس طالب علم کے سوالات کے جوابات تفصیل سے بیان کرنے پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج حضرت گھر سے اسی طالب علم ہی کی خاطر تشریف لائے ہیں، گویا اسی کیلئے تشریف فرما ہیں۔

اس صاحب نے ایک سوال یہ بھی دریافت کیا کہ حضرتؒ! وساوس اور گندے خیالات آتے ہیں۔ تو ارشاد فرمایا جب گندے خیالات اور وساوس آئیں تو اعوذ باللہ پڑھ کر بائیں جانب تھوک دیا کریں۔ یہ درحقیقت حضور ﷺ نے شیطان کی تذلیل کا طریقہ بتایا ہے۔ دشمن سے مقابلہ تین طرح کا ہوتا ہے تلوار سے، گالی گلوچ سے، تذلیل سے۔ تذلیل انتہائی درجے کا آخری اور انتقامی عمل ہے۔ تھوکنے سے شیطان کی تذلیل مقصود ہے چاہے نماز میں

کیوں نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ اپنے خیالات میں شیطانی وساوس کی طرف التفات اور توجہ کم کردو۔ ابھی حضرتؒ کی گفتگو جاری تھی کہ اس طالب علم نے عرض کیا حضرت! میری تمنا ہے کہ آپ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث مجھے پڑھادیں۔ حضرت نے مشکوٰۃ شریف منگوائی۔ ہجوم مشاغل، کثرت اضیاف اور مسودات ترمذی وغیرہ کے کام کی توجہ سے بعض حاضرین کو اس طالب علم کی اس بے موقع درخواست پر انقباض بھی ہوا۔ مگر حضرت کی شفقت اور انسانیت علم کے احترام اور اس کی قدر و قیمت کے اہتمام کو دیکھ کر سب حیرت میں رہ گئے۔ حضرتؒ نے مشکوٰۃ منگا کر اسے کھولا، اور ابتدائیہ کا پورا متن حرفاً حرفاً اس طالب علم کو پڑھایا۔ ہجوم اضیاف، واردین کی کثیر ضرورتیں وحوائج اور دیگر اہم مشاغل کوئی چیز بھی مانع نہ ہوسکی کہ تعجیل کر کے جان چھڑادیتے۔ بلکہ یوں معلوم ہورہا تھا کہ آپ کی آج کی مجلس اسی ایک طالب علم کے لئے منعقد ہوئی ہے۔ پھر جب اس کو حدیث پڑھائی تو خوب تفصیل سے اور شرح صدر سے دعا کی حاضرین نے جو بھی تاثر لیا ہو سولیا ہو۔ مجھے عبداللہ بن مکتومؓ کے طالب علمانہ سوال پر رب ذوالجلال کی توجہ وعنائت اور حضور ﷺ کی خصوصی تنبیہ کا پس منظر سامنے رہا اور یہی سمجھتا رہا کہ آج کی مجلس میں ذی وجاہت بااثر اور بڑی اہم شخصیتوں کے باوجود ایک طالب علم کو ہمہ توجہ واستحقاق حاصل رہا۔ یہ سب حضور خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات نبوت کا پرتو ہے۔ جو حضرت شیخ الحدیثؒ کے عمل میں جھلکتا نظر آرہا ہے۔

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

جب سے علم کی اصل روح ماند پڑگئی۔ ایسے لوگ ناپید ہوگئے۔ اب لاکھوں میں نہیں کروڑوں میں کوئی ایک ایسا مشفق اور مہربان دیکھنے کو ملتا ہے ورنہ ہر ایک ''میں'' کے گنبد میں بند ہے۔ انا خیر منہ کے دعویدار تو کثرت سے دیکھنے کو

ملتے ہیں لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ جیسے لوگوں کو دیکھنے کیلئے اب آنکھیں ترستی ہیں۔ ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہرتباں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

(خصوصی نمبر ص ۱۰۵۷)

مہمانوں کا خیال

مخلوق خدا سے محبت اور کمال شفقت کی ایک جھلک ملاحظہ ہو، یہ ان دنوں کی بات ہے جب حضرتؒ ہسپتال میں تھے اور وصال کے مرحلوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ مخدوم ومکرم حضرت مولانا انوار الحق صاحب بیان کرتے ہیں.....

''حضرت الشیخؒ نے ڈاکٹروں کے جانے کے بعد مجھ سے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحبان تم لوگوں سے کیا کہہ رہے تھے؟ میں نے عرض کیا حضرت! انہوں نے تاکید کی ہے کہ آپ سے کسی کو نہ ملنے دیا جائے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کچھ دیر تو خاموش رہے، پھر تھوڑی دیر بعد مجھے آواز دی اور فرمایا بیٹا! میری بات غور سے سنو! اور اسی پر عمل کیا جائے کیونکہ سب کچھ عمل کرنے میں ہے۔ آپ لوگ نہ ڈاکٹروں کو ناراض کریں اور نہ ہی دیگر عملے کو، لیکن یاد رکھیں کہ جو بھی مہمان آئے مجھ سے ملے بغیر نہ جائے، وہ میری خاطر بیچارے دور دراز سے آتے ہیں، انہیں محروم کرنا بہت بُری بات ہے اور مہمان نوازی میں کنجوسی بھی نہ کرنا، کھانے پینے کا وقت ہو، تو خوب کھلایا پلایا کریں کیونکہ مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ لوگ دور دراز علاقوں سے محبتیں اور عقیدت لے کر ہمارے پاس آتے ہیں لہٰذا ہر مہمان سے میری ملاقات ہونے دیجیے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی

خدمت میں جو بھی مہمان حاضر ہوتا، آپ اس کے ساتھ دو چار باتیں ضرور کرتے، مہمان کو دعاؤں سے نوازتے اور ساتھ ہی اس سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرتے''۔ (خصوصی نمبر ص ۸۸۹)

حضرت شیخ الحدیثؒ کی زندگی میں اپنے خدام، اہل تعلق تلامذہ اور عامۃ المسلمن کے ساتھ تعلق میں جو ادا سب سے زیادہ نمایاں اور روشن تھی وہ حضرتؒ کی غیر معمولی محبت و شفقت تھی۔ جس کو حضرتؒ کے تلامذہ اور خدام شفقت مادری سے تعبیر کرتے تھے۔ حضرتؒ کا یہ مزاج اتنا نمایاں اور ان کی زندگی اور اخلاق و معاملات پر اتنا غالب اور حاوی تھا کہ کوئی بھی شخص حضرتؒ سے ملاقات کرنے والا اس کی لذت اور حلاوت سے نا آشنا نہیں رہ سکتا تھا اور بلا تصنع یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ حضرتؒ کی شفقت نے ماں باپ کی شفقت کی یاد دلادی۔

باب ۹

فیاضی وایثار اور جود وسخا

سخاوت ایک ایسا وصف اور جذبہ ہے جو جس قدر بڑھتا ہے تو اس کا لازمی طبعی نتیجہ حب دنیا سے تنفر، ذوق بذل وعطا اور فیاضی وایثار کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے جود وسخا کا یہ جذبہ رمضان المبارک میں بڑھ جاتا جو کچھ آتا فوراً تقسیم فرما دیتے۔

آپ ﷺ فرمایا کرتے سخی اللہ سے، لوگوں سے اور جنت سے قریب اور جہنم سے دور ہے سخاوت ایک ایسا عمل ہے جو انبیاء، صلحاء، اذکیاء اور اولیاء کی وراثت اور نیابت ہے، صحابہ کرامؓ نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں اپنی پسند کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا انفاق مالی علی امرک آپ کے حکم پر سب کچھ قربان کر دینا میری پسند اور محبوب عمل ہے، آپ ﷺ حکم کریں تو گھر میں سوئی بھی نہ رہنے دوں ۔ حضرت عثمان غنیؓ کی سخاوت تو ضرب المثل بن چکی تھی۔

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں حبب الی من الدنیا ثلاث ۔ مجھے دنیائے رنگ و بو کی تین چیزیں بڑی محبوب ہیں ۔ الطعام الجئعان بھوکوں کو کھانا کھلانا و کسوۃ العریان ' نادار اور غریب لوگوں کو نیا لباس مہیا کرنا و تلاوت القرآن اور قرآن کی تلاوت کرنا ' اس سخاوت کے وصف کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو قریش میں اتنی محبوبیت کا مقام حاصل تھا کہ مائیں اپنے بچوں کو گود میں یہ لوری دے کر سلاتیں کہ سو جاؤ میرے لال میں تجھ سے ایسے پیار کرتی ہوں جیسے قریش عثمان بن عفان سے ' جب تک حضرت عثمان زندہ رہے ' سخاوت کا دریا بہتا رہا اور فیاضی کا سمندر موجزن رہا ' حضرت شیخ الحدیثؒ زہد و توکل کے بادشاہ تھے اور زہد کا ثمرہ بذل وعطا اور جود وسخا ہی ہوتا ہے ' حضرتؒ کا یہی حال تھا کہ ان کا محبوب مشغلہ مال و دولت اور تحائف وہدایا کی تقسیم تھی ۔

عیادت اور سخاوت :

حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب (استاذ حدیث جامعہ حقانیہ) کا بیان ہے کہ میرے والد محترم بیماری کی وجہ سے خیبر ہسپتال پشاور میں داخل تھے جب حضرت شیخ الحدیثؒ کو خبر ہوئی تو وہ علالت اور نقاہت کے باوجود بالذات خود ہسپتال تشریف لائے بیمار پرسی کی اور اپنی ذاتی جیب سے ایک ہزار روپے (اس زمانے میں ایک ہزار روپے آج کے دس ہزار روپے کے برابر تھا) کی رقم عنایت فرمائی حضرت شیخ الحدیثؒ کی تشریف آوری سے ڈاکٹروں کی توجہ بھی ہماری طرف زیادہ منعطف ہوگئی اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا شیخ الحدیثؒ کی برکت سے والد محترم کو شفاء عطا فرمائی ' اسی طرح

جب رمضان کی تعطیلات میں گھر جانا ہوتا تو مولانا باقاعدہ اپنی طرف سے بطور شفقت کبھی نقد رقم کبھی کپڑے وغیرہ کی صورت میں عیدی ارسال فرماتے رہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مدارس کے اہتمام میں حضرت شیخ الحدیثؒ تمام مہتمم حضرات سے ممتاز حیثیت رکھتے تھے آپ ہر مدرس بلکہ ادنیٰ طالب علم سے بھی تواضع' شفقت اور ہمدردی کا معاملہ فرماتے تھے۔

(الحق خصوصی نمبر ۲۲۶)

مجاہدین میں نقدی کی تقسیم:

حافظ صفی اللہ معاویہ رقم طراز ہیں کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے میرے والد گرامی (حضرت مولانا نصر اللہ ترکستانی) جو عصر کے وقت ہمیشہ حضرت کی خدمت میں رہا کرتے تھے اور حضرت کے نواسوں اور خاندان کے بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے) کو تاکید کر رکھی تھی کہ افغانیوں میں جو لوگ جہاد پر جائیں یا مہاجرین میں جو لوگ غریب اور نادار ہوں ان کی نشاندہی کریں تو حضرت اپنے جیب خاص سے ان کی مدد فرمایا کرتے تھے اور ان میں نقدی تقسیم فرمایا کرتے تھے' آخر عمر میں سخاوت کا عمل اتنا بڑھ گیا کہ دارالعلوم حقانیہ کے بہت سے طلباء حضرت کے ہاں جاتے اور عرض کرتے حضرت کل جہاد افغانستان میں جانے کا ارادہ ہے بس پھر کیا ہوتا 500 سے 1500 روپے تک اور گاہے گاہے اس سے بھی زیادہ کی وصولیاں کر کے شاداں و فرحاں واپس لوٹتے۔

افغان مجاہدین سے مالی امداد:

قرب یار اور وصال محبوب کے لمحات قریب ہیں' علالت اور بیماری

کی تکلیف اس پر مستزاد ہے مہمانوں کا ہجوم، اور محبین ومخلصین کی آمد و بیمار پرسی کرنیوالوں کا تانتا بندھا ہوا ہے مگر بایں ہمہ حضرت شیخ الحدیثؒ ,,دست بہ کار اور دل بہ یار،، کے مصداق آخرت کے لئے توشہ اور زادراہ کی فکر میں ہیں چنانچہ یوم وفات سے دوروز قبل کی حکایت ہے۔

جناب ڈاکٹر سید داؤد صاحب جو حضرت شیخ الحدیثؒ کے داماد بھی ہیں، راوی ہیں کہ ستمبر کی چوتھی تاریخ تھی میں حاضر خدمت تھا کچھ دوسرے حضرات بھی موجود تھے حضرتؒ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم یہاں میرے ساتھ موجود رہو باقی حضرات کو کچھ دیر کے لئے رخصت کردو، جب لوگ چلے گئے تو حضرتؒ نے مجھے وصیت فرمائی کہ دارالعلوم کے ناظم صاحب سے کہہ دیں کہ میرے ترکہ سے افغان مجاہدین کے لئے ایک لاکھ روپیہ (آج کے دس لاکھ روپیہ) دے دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بانی دارالعلوم کی حیثیت سے میں اپنا ترکہ بھی دارالعلوم کے نام کیے دیتا ہوں۔ (الحق خصوصی نمبر ۸۸۵)

مریضوں کی مدد:

پروفیسر محمود الحق حضرت شیخ الحدیثؒ کے اخلاق حسنہ اور سخاوت کے جذبات کی منظرکشی کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔ محلّہ میں کوئی بیمار ہوتا تو شیخ الحدیثؒ مغرب یا عشاء کی نماز کے بعد ان کی بیمار پرسی کے لئے ان کے دروازے پر اکیلے چلے جاتے اور گھر واپس آکر ان لوگوں کی مدد کی تلقین فرماتے۔

مہمانوں کی خدمت:

مہمانوں کی خدمت اور عزت افزائی حضرتؒ کے زندگی کا معمول تھا مہمان کو گھر کے لئے باعث برکت سمجھتے تھے خود ذاتی طور پر ان کے آرام وسکون کا خیال رکھتے' نماز تہجد اور فجر کے لئے پانی' صاف ستھرا بستر اور صبح ناشتے کے لئے ذاتی طور پر نگرانی کیا کرتے' بیماری کے دوران میں گھر ہو یا ہسپتال کسی ملنے والے کو آرام میں خلل کی وجہ سے ملنے سے منع کرنے پر سخت ناراض ہو جاتے تھے اور حکم دیتے کسی کو واپس نہ کیا جائے۔

پڑوسیوں کی خدمت:

رمضان کے مہینہ میں افطاری کے وقت محلّہ کے تقریباً تمام گھروں میں افطاری بھیجنے کا اہتمام کرتے اور مسجد میں مسافروں اور طلباء کے لئے خصوصی ہدایات دیتے اور وظائف پڑھنے کے ساتھ ساتھ ہر گھر میں بھیجی جانے والی افطاری کا خود معائنہ فرماتے اور اشارے کے ساتھ بھیجنے کا حکم دیتے۔ (الحق خصوصی نمبر ۲۵۶)

ہدیہ بھی نہیں لیا:

جامعہ حقانیہ میں میری تدریس کا تیسرا یا چوتھا سال تھا میری چھوٹی ہمشیرہ کی شادی کی تاریخ مقرر ہوئی احقر اپنے خاندان کے تمام افراد کے ساتھ دارالعلوم کی جانب سے دیے ہوئے کوارٹر میں مقیم تھا' حضرت شیخ الحدیثؒ کو مقررہ تاریخ سے ایک دو روز قبل علم ہوا تو میرے پاس پیغام بھیجا کہ بچی کو لینے کے لئے دولہا کے خاندان سے جتنے بھی افراد آئیں گے سب کا کھانا (اگر کھانے کا وقت ہو) اور چائے سے تواضع کی خدمت کا

شرف ہمیں بخشا جائے میں نے خود حاضر ہو کر کچھ لیت ولعل کرنا چاہا تو سختی سے تاکید فرمادی مقررہ تاریخ آئی مہمانوں کا قافلہ آیا حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہاں ان کی بیٹھک میں حاضر خدمت ہوئے حضرتؒ نے خود نکاح پڑھایا پر تکلف ضیافت دی۔ دولہا میاں کے خاندان کے بزرگوں نے اس موقع پر نقد رقم سے حضرتؒ کی خدمت میں بھاری ہدیہ پیش کیا مگر حضرتؒ نے لینے سے معذرت کر دی انہوں نے بہت اصرار کیا مگر حضرتؒ نے فرمایا کہ ہماری اپنی بچی ہے اور اپنی ہی بچی کا ہم نے نکاح پڑھایا ہے اس موقع پر ہدیہ لینا مناسب نہیں ہے۔ ہمارے خاندانی بزرگ جناب شاہ جہان خان مرحوم جو بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز رہے نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا میں نے اپنی زندگی میں اس قدر پروقار' باعزت' دل کو اطمینان اور خوشیوں سے مالا مال کر دینے والی ایسی مبارک شادی نہیں دیکھی۔

باب ۱۰

وجاہت اور محبوبیت

سلف صالحین اور اکابرین ملت کی زندگیوں کے مختلف پہلو، درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، علم و عمل، جذبہ اور شوق جہاد، فنائیت و بے نفسی اور اخلاص وللھیت، الغرض ہر ہر پہلو پر اپنے اپنے انداز بیان اور انداز تحریر سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آنے والے وقت میں لکھا جائے گا۔ یہ درویشانِ خدا مست، مجاھدین فی سبیل اللہ اور اپنے وقت کے ابوذر غفاریؓ اپنی ذات میں اتنا سحر رکھتے تھے کہ جس کی نظیر ممکن نہیں۔ اللہ نے اپنے ان محبوب بندوں کو مقبولیت، محبوبیت اور وجاہت کا وہ اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمایا، جس کا اقرار و اعتراف دوست دشمن سب ہی کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اسلاف اور اکابر دل و دماغ کے حکمران تھے اپنی غربت، ناداری، فاقہ مستی، مسکینی اور فقر کے باوصف انہیں اس اقلیم میں وقار، عزت، عظمت اور وجاہت کا اقتدار حاصل تھا۔ جب ٹاٹ کے پیوند لگے لباس میں ملبوس یہ فقیر اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے، تو محبوبیت کی ایک نئی داستان رقم فرمائی۔ امام ابن تیمیہؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور دیگر علماء، صلحاء، اتقیا، اذکیا، صوفیا اور شھداء اسلام کے

جب جنازے اٹھائے گئے، تو لاکھوں کا مجمع ان کے آخری دیدار کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے بے قرار و بے چین تھا۔ ہر شخص بزبان حال اور بزبان قال کہہ رہا تھا

ع عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

حضرت شیخ الحدیثؒ بھی خاصان خدا اور مقبولان بارگاہ الٰہی کی اس جماعت کے ایک فرد فرید تھے، جو اپنی ذات اور شخصیت کے حوالے سے لاکھوں انسانوں کی محبت اور عقیدت کا مرکز رہے۔ عوام الناس سے زیادہ طبقہ علماء میں آپ کی محبوبیت اور مقبولیت اور قدر افزائی کی مثالیں ملتی ہیں۔

علماء کے اختلافات اور حضرت شیخ الحدیثؒ پر اعتماد

حضرت شیخ الحدیثؒ کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق رقمطراز ہیں:

''اگست ۶۹ء کو جمیعت علماء اسلام سے حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا ظفر احمدؒ عثمانی کے اختلافات شدید شکل میں ظاہر ہونے لگے۔ اگست کے آخری ہفتہ میں نئی متوازی جمیعت العلماء ان حضرات نے قائم کرلی دونوں طرف سے اخباری بیانات، الزامات اور اتہامات نے خطرناک صورت حال اختیار کرلی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کو بھی اس سلسلہ میں سخت پریشانی تھی اور جمیعۃ علماء اسلام کے اکابر مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ کا سوشلسٹ جماعتوں کی طرف اتحاد کا رجحان سخت پریشان کن اور تشویش کا باعث تھا۔ مجھے لاہور کے کسی سیمینار کے سلسلے میں جانا ہوا تو حضرت والد گرامی نے حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ اور دیگر زعماء جمیعت کو اس صورت حال کی اصلاح کی طرف توجہ دلانے کی تلقین کی۔ ان دنوں نئی جمیعت کی تشکیل کے سلسلے میں (بنگلہ دیش) سابق مشرقی پاکستان کے علماء مولانا اطہر علی

وغیرہ بھی تشریف لائے تھے، انہیں بھی حالات نے پریشان کر رکھا تھا غور وخوض کے بعد اکثر حضرات کی نگاہ حضرت شیخ الحدیثؒ پر پڑی اور خطوط و تار اور ٹیلیفون کے ذریعے شدید اصرار ہوا کہ آپ خود ہی تشریف لاکر اتحاد کیلئے کوئی صورت نکال دیں چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا غلام غوثؒ کراچی پہنچے، جبکہ حضرت شیخ الحدیثؒ پنڈی سے بذریعہ طیارہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی معیت میں رات کے تین بجے کراچی پہنچے۔

احقر اس سلسلہ میں حضرت مولانا عبیداللہ انور مرحوم کی معیت میں بذریعہ کار ملتان، خانپور اور دین پور کے اکابر سے ملتے ہوئے کراچی پہنچا۔ نیوٹاؤن، لانڈھی اور جیکب لائن میں اکابر علماء کے مذاکرات جاری رہے۔ اصولی اختلاف تو ختم نہ ہوسکا۔ البتہ ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی نہ کرنے پر سب حضرات نے دستخط کردیئے، پھر ایک رابطہ کمیٹی بنائی گئی جو مفاہمت اور اتحاد کی راہ نکالنے پر غور کرنے لگی۔ اس کمیٹی میں حضرت والد گرامی کے علاوہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور مولانا اطہر علی مشرقی پاکستان اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ بھی شامل تھے۔ ۲۸ ستمبر کو مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے مکان پر اکابر علماء کے بند کمرے میں مذاکرات ہوئے۔ ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش کی۔ ان دنوں پوری علمی دنیا کی نظریں ان مذاکرات اور اس سلسلہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے مشن پر لگی ہوئی تھیں۔ روزنامہ جنگ کراچی نے حضرت مولانا عبدالحقؒ کی آمد کی خبر دیتے ہوئے لکھا، ''دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا عبدالحق

صاحب جو تمام دینی حلقوں میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں
ایک خاص مشن پر کراچی پہنچ رہے ہیں اور امکان ہے کہ مولانا
عبدالحق ایک ہی نام سے متوازی جمیعت علماء اسلام کے دھڑوں کے
درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کریں گے۔ اخبارات نے مختلف
قسم کی خبریں نشر کیں، بحر حال اس تمام صورتحال کے پس منظر میں
علماء، قائدین جمیعت اور مشائخ کی حضرت شیخ الحدیثؒ پر فریفتگی و
اعتماد اور ہمہ گیر محبت پر روشنی پڑتی ہے''۔

(خصوصی نمبر ص ۶۸)

دلوں کے بے تاج بادشاہ

اخلاق کی تعریف یہی ہے کہ کسی انسان، حیوان، درند، چرند، پرند کو کسی حوالے سے بھی ایذا اور تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ اسلام میں اصل چیز بلندی کردار اور مکارم اخلاق ہے، حضرت شیخ الحدیثؒ کے اخلاق کی کہانی مولانا عبدالمعبود کی زبانی سنیئے۔

''حضرت شیخ الحدیث نوراللہ ضریحہٗ محاسن اخلاق کے پیکر مجسم اور روحانیت کے پیکر بے مثال تھے۔ زہد و ورع، تواضع و انکساری فیاضی جود و سخا، مہمان نوازی، بلندی اخلاق، محبت ملک و ملت اور حکیمانہ جوش عمل کے علمبردار تھے۔ بے نفسی اور فروتنی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سیدی و مرشدی مولانا عبیداللہ انور بـرد اللّٰہ مضجعہٗ حاضر خدمت ہوئے اور فرمایا: ''مجھے اس بات پر بجا طور پر فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ممدوح سے شرف تلمذ حاصل کرنیکی سعادت نصیب فرمائی میں دارالعلوم دیوبند میں حضرتؒ سے پڑھتا رہا''۔ استاذ المکرّم نے جواباً ارشاد فرمایا۔'' اس میں شک نہیں کہ آپ

میرے شاگرد ہیں ۔ مجھ سے علم حاصل کیا ہے مگر آپ بڑے ہیں
اور میں چھوٹا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند روحانی کمالات سے
سرفراز فرمایا ہے ۔ ہم جیسے گناہ گار بھی اگر دعا کرنے کی تمنا لے کر
حاضر خدمت ہوتے تو ارشاد فرماتے ''آپ نے بڑی شفقت فرمائی
اتنی دور سے تشریف لائے ۔ حضرت شیخ الحدیث مرحوم ومغفور نے
اپنے آپ کو جتنا مٹایا اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی اُٹھایا ۔ جس قدر اپنی پستی
وفروتنی کا اقرار کیا ، حق تعالیٰ شانہٗ نے اسی قدر رفعتوں اور بلندیوں
سے ہمکنار کیا ۔ کیوں نہ ہو '' مَن تواضعَ لِلّٰہِ رَفعه اللّٰه ''
کا ایمان افروز مژدہ موجود تھا ۔

آپ لوگوں کے بے تاج بادشاہ تھے ۔ کروڑوں انسانوں کے
دلوں پر حکمرانی کرتے تھے ۔ شاہ وگدا ، علماء وامراء آپ کے آستانہ
عالیہ پر نیاز مندانہ حاضری کو باعث فخر ونجات سمجھتے تھے ۔ ایشیا اور
ممالکِ اسلامیہ کی کتنی ہی ممتاز شخصیات بار ہا شرفِ زیارت سے
مشرف ہوکر روحانی وقلبی سرور سے بہرہ یاب ہوئے ۔

ضیافت ومہمان نوازی حضرت ممدوح کی روحانی غذا اور طبیعت
ثانیہ بن چکی تھی ۔ مہمانوں کی آمد ورفت ، شب وروز جاری رہتی لیکن
ہر آنے والے کے ساتھ بے حد تواضع وانکساری ، ملاطفت ونرمی
عزت واحترام اور خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے شیوخ ، علماء ،
امراء ، وزراء اور فقراء ہر کوئی ان کے دستر خوان سے یکساں طور پر شکم
سیر ہوتا ۔ ایسا بھی دیکھا گیا کہ بعض آدمی دستر خوان پر دیر تک
براجمان رہے اور ہر نئے آنے والے کے ساتھ برابر شریک طعام
رہے مگر حضرت ممدوح بڑی فراخ دلی بلکہ دریا دلی کے ساتھ ان سے

ہَل مِن مزید ، کا استفسار فرماتے۔ (خصوصی نمبر ص ۲۵۹)

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے، اِنّ الّذِینَ آمَنُو وَ عَمِلُو الصّٰلِحٰتِ سَیَجعَلَ لَھُم الرّحمٰنُ وُدّا ۔ یعنی یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کئے تو رحمٰن ان کو محبت عطا فرمائے گا۔ اس کا آسان اور عام فہم انداز میں یوں مطلب بیان کیا جا سکتا ہے کہ عبادت و اطاعت الٰہی کا نتیجہ اور ثمرہ محبوبیت تامہ کا حصول ہے۔ ذرا اور آسان مثال سے بات سمجھئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب پیغمبر ہیں۔ اور محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے تو جو محبوب کے رنگ میں رنگ جائے وہ بھی محبوب، لباس میں، قول و فعل میں طرز زندگی میں، چال ڈھال میں، نشست و برخاست میں، دعوت و تبلیغ میں جہاد و قتال میں غرض ہر شعبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت، طریقہ اور انداز اپناؤ تو خدا کی ساری مخلوق تم سے محبت کرے گی۔

بعض سلف صالحین کا ارشاد ہے کہ ہر نیکی کی برکت سے دل میں نور چہرے میں روشنی، رزق میں وسعت اور لوگوں کے قلوب میں محبوبیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس قیمتی اور زریں قول سے واضح ہوتا ہے کہ نیک اعمال سبب ہیں محبوب خلائق بننے میں اور حضرت شیخ الحدیثؒ ہر کار خیر اور اتباع سنت میں صف اوّل کے مجاہد کا کردار ادا کرتے تھے۔ اس لئے محبوب اہل حق اور محبوب عوام تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس بندے سے محبت کرنے لگیں تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں فلاں شخص سے میری محبت ہے تو بھی اس سے محبت کر۔ پھر جبرئیل علیہ السلام بحکم خداوند کریم تمام ملائکہ اور اہل زمین میں یہ منادی اور اعلان کرتے ہیں کہ اے فرشتو! اے اہل زمین! فلاں شخص اللہ کا محبوب ہے، تم بھی اس سے محبت

کرو۔ پھر وہ شخص زمین میں محبوب ومقبول بن جاتا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ محبوبیت امر وہبی ہے اور اللہ نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو محبوبیت عامہ کا وہ مقام عطا فرمایا تھا، جس کے تصور اور منظر کو الفاظ میں پیش کرنا ممکن نہیں۔ اللہ نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو سرتاپا وہ لباس جمیل پہنایا تھا جس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہی تھا کہ ہر خاص وعام کی آپ سے محبت وعقیدت تھی۔

اور ریکارڈنگ بند ہوگئی

''مولانا میاں حضران بادشاہ لکھتے ہیں، مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ مجھے حضرت شیخ الحدیثؒ کے ساتھ لاہور جانا پڑا، غالباً مولانا فضل الرحیم صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ کے بھائی فوت ہوئے تھے، حضرت شیخ الحدیثؒ ان کی تعزیّت کیلئے تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر رات کے بارہ بجے ہم گوجر خان (پنجاب) پہنچے جونہی ہم گوجر خان پہنچے اور جی ٹی روڈ پر ہوٹلوں کے سامنے گاڑی کھڑی کی۔ اس جگہ پر تین ہوٹل بالکل متصل تھے۔ ان ہوٹلوں سے اکثر ٹرک ڈرائیور کھانا کھایا کرتے تھے اور زور وشور سے زمانے کے ناجائز رواج کے مطابق فلمی ریکارڈ اونچی آوازوں سے لگے ہوئے تھے۔ جونہی حضرت شیخ الحدیثؒ نے گاڑی سے قدم زمین پر رکھے اور جس ہوٹل میں ہم کھانا کھانا چاہتے تھے وہ تو درکنار قریب کے تمام ہوٹلوں میں یکدم ریکارڈنگ بند ہوگئی اور لوگ حضرت شیخ الحدیثؒ کی طرف لپک آئے۔ میرے خیال میں یہ تمام کاروائی حضرت شیخ الحدیثؒ کی روحانیت سے ہوئی۔ دور دراز کے لوگ بھی حضرتؒ کی شخصیت سے متاثر تھے۔ ورنہ آج کل کے زمانے میں ریکارڈنگ تو معمولی بات

ہے لوگ بڑے بڑے گناہ سرِ عام کرتے ہیں اور شرم وحیاء کا نام تک نہیں لیتے''۔ (خصوصی نمبر ص ۱۲۷)

دلوں کا حکمران

مادی طاقتیں اجسام وابدان پر حکومت کر سکتی ہیں، مگر روحانی طاقت اور علمی کمالات سے انسانی قلوب پر حکومت کی جاتی ہے۔ روایت ہے کہ ہارون رشید کے دورِ حکومت میں امام عبداللہ بن مبارک بغداد پہنچے تو لوگوں کی کثیر تعداد استقبال کیلئے اُمڈ آئی۔ ہارون رشید حیران ہوئے کہ میں بادشاہ ہوں لوگ میرا اتنا اکرام نہیں کرتے یہ کون ہے؟ تو بیوی نے جواب دیا، تم جسم پر حکومت کرتے ہو یہ دلوں کا حکمران ہے اور اصل حکومت دلوں پر حکومت ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد فاضل دارالعلوم حقانیہ (لاہور ضلع صوابی) رقمطراز ہیں

''ہم متعدد بار متعدد علاقوں میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے انتخابات کے سلسلے میں گئے تھے، جبکہ آپ ۱۹۸۵ء میں امیدوار قومی اسمبلی تھے مختلف جگہوں میں ہم سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کس لئے آئے ہیں ہمارا ووٹ تو حضرت شیخ الحدیثؒ کا ہے، جبکہ بہت سے لوگ جوش محبت میں آ کر ہم سے کہنے لگے کہ اگر حضرت شیخ الحدیثؒ کی وفات بھی ہو جائے تو ہمارا ووٹ اُن کی قبر کا ہے۔''

آپ ہمارے بادشاہ ہیں

مولانا رشید احمد موصوف نے دوسرا واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ پھر جب حضرت شیخ الحدیثؒ کامیاب ہوئے تو لوگ جوق در جوق حضرتؒ کے گھر آئے، تو حضرت شیخ الحدیثؒ مسجد تشریف لائے۔ مسجد باوجود وسیع ہونے کے لوگوں کو نہ سما سکی۔ لوگوں نے مولانا عبدالحق زندہ باد کے نعرے لگائے، تو حضرتؒ نے ارشاد فرمایا، ایسا نہ کرو۔ اس سے

مخالف امیدواروں کے دلوں کوتکلیف ہوگی اورنعرہ بازی سے غرور و تکبر جھلکتا ہےاورفرمایا میں تو صرف آپ کاامام ہوں،لوگوں نے کہا نہیں آپ ہمارے بادشاہ ہیں۔ (خصوصی نمبرصفحہ نمبر۲۲۳)

اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ ایک مجلس میں سابق وزیراعظم جناب ذوالفقارعلی بھٹو نے نصراللہ خٹک سے پوچھا، خٹک صاحب آپ ایک مولوی سے شکست کھاگئے ،تو خٹک صاحب نے جواب دیا وہ مولوی نہیں وہ تو ہمارے علاقے کا پیغمبر ہے۔(نقل کفرکفرنہ باشد) آپ کوشک ہےتو آپ آکراس حلقہ سے مقابلہ کرکے دیکھ لیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کواللہ نے بڑوں، چھوٹوں، علماء، مشائخ، طلبہ اور عامۃ المسلمین میں محبوبیت کا جواعلیٰ وارفع مقام عطافرمایا تھا۔ارباب حکومت و اقتدار بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھے۔کئی مقتدر رہنماء، سیاسی زعماء، جبال علم وتقویٰ اس درویش خدامست کے در دولت پرعقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کرنا اوران کے راستے میں پلکیں بچھانا اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے۔

عظیم دولت ہے تیری دولت   نہ تخت تیرا نہ تاج تیرا

صوبہ سرحد کے اکثر سابق گورنرز جناب حیات خان شیرپاؤ، ارباب سکندرخان خلیل، سیدغواث نصیراللہ خان بابراورفضل حق کے علاوہ سابق وفاقی وزیرامورکشمیرالحاج فقیرمحمد خان نے کئی بار دارالعلوم حقانیہ آکر ملاقات اور زیارت کاشرف حاصل کیا۔صدرضیاءالحق تو اکثر وبیشتر سراپا عجز وانکسار بن کر ملاقات کیلئے چشم براہ ہوتے۔۲۳ مارچ ۱۹۸۵ءکوصدرضیاءالحق نے رات گیارہ بجے حضرت شیخ الحدیثؒ سے ان کی قیام گاہ پر (اسلام آباد میں) ملاقات کی اورحضرتؒ کی چارپائی پر پائنتی کی طرف بیٹھے رہے۔وزیراعظم محمد خان جونیجو نے ایم این اے ہاسٹل میں آپ کے کمرے میں جاکرآپ سے

ملاقات کی اور بعض امور میں مشورہ طلب کیا۔

۱۹۷۲ء میں جب وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ارکان اسمبلی کی ضیافت کا اہتمام کیا تو حضرت شیخ الحدیثؒ بھی اس دعوت میں شریک ہوئے۔ دعوت کے اختتام پر جناب مسٹر بھٹو نے ہر رکن اسمبلی کو وہیں رخصت کیا لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ کو ان کی گاڑی تک پہنچایا اور اس وقت تک احتراماً کھڑا رہا جب تک شیخ الحدیثؒ رخصت نہ ہوئے۔

رعب اور عظمت شان

مخدوم زادہ ذی قدر مولانا حامد الحق حقانی بیان فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ الحدیثؒ کی عظمت و مرتبت، رعب اور عظمت شان کے بارے میں نظروں کے سامنے بہت سے واقعات گھوم رہے ہیں جیسے کل کے واقعات ہوں۔ ۷۷ھ میں اتفاقاً میں بھی حضرت دادا جانؒ اور والد صاحب کے ہمراہ قومی اسمبلی کے اجلاس کی کاروائی دیکھنے گیا ہوا تھا، مجھے معلوم نہیں تھا کہ آج کی اسمبلی کی کاروائی کل پاکستانی سیاست اور پارلیمانی تاریخ کا سیاہ باب بن کر رقم ہوگئی۔ یہ وہ دن تھا کہ جس دن پاکستان قومی اتحاد کے ممبران اسمبلی اور حضرت مولانا مفتی محمودؒ کو سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے حکم پر زبردستی اسمبلی سے اٹھا کر باہر پھینک دیے گئے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے پولیس اور فورس کے ورکرز کو معزز ممبران اسمبلی کے اور بڑے بڑے علماء کے ساتھ باہم دست و گریبان دیکھا تھا اور وہ کسی کی توہین و ذلت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے تھے اور جناب چودھری ظہور الٰہی شہید کی ٹانگ پر زخم آنے تک کا واقعہ مجھے یاد ہے، حضرت مفتی

صاحبؒ کو بھی ایک درجن غنڈے ہاتھوں سے پکڑے ہوئے وہاں سے نکال دینے کے بعد استقبالیہ کے دفتر کی اترنے والی الیکٹرانک سیڑھیوں سے اسمبلی بلڈنگ سے باہر لے جارہے تھے، لیکن تمام ہال میں سارے جھگڑے میں ایک شخصیت ایسی تھی جو بڑے باوقار انداز سے پریشان اور مرجھائی ہوئی کھڑی تھی، لیکن ان کی عظمت ومرتبت اور دبدبے کے سامنے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ ان پر ہاتھ اٹھانے کیلئے قدم بڑھائے۔

ع تیری نگاہ سے پتھر کے دل پگھل جائیں

یہ شخصیت حضرت قائد شریعت دادا جانؒ کی تھی جن کی روحانی اور ایمانی طاقت کے سامنے بھٹو حکومت بھی بے بس تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سپیکر اور وزیراعظم وغیرہ ہی نے باہمی مشورہ سے ہدایت کی تھی کہ حضرت مولانا سے کوئی گستاخی نہ کی جائے۔

(خصوصی نمبر ص ۱۱۵۸)

شاہ فہد کا پیغام

۲۵ اپریل ۱۹۸۳ء کو سعودی عرب کے ممتاز عالم دین مدینہ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر حضرت شیخ الحدیثؒ کی ملاقات کی غرض سے جامعہ حقانیہ تشریف لائے اور دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔

شیخ عبداللہ الزاہد نے آپ سے فرمایا کہ ''ہمیں آپ (حضرت شیخ الحدیثؒ) کی زیارت وملاقات کی دیرینہ آرزو تھی، بحمد اللہ کہ آج ہم اس شرف عظیم سے فائز المرام ہوئے۔ جلالۃ الملک الفہد فرمانروائے سعودی عرب نے مجھے آپ کی خدمت میں تحیہ وسلام اور پیغام عرض

کرنے کی تاکید کی تھی۔ وہ آپ کے دینی مساعی اور خدمت اسلام کی شبانہ روز جدوجہد سے بے حد مسرور ہیں اور خوب متعارف ہیں اور آپ کی صحت وعافیت، مزید علمی وعملی اور روحانی ترقیات کیلئے دعاگو تھے۔ جواباً حضرت شیخ الحدیثؒ نے شاہ فہد کے نام سلام اور ایک پیغام عرض کیا، تو فرمایا میں شاہ کو آپ کا پیغام پہنچانا اپنے لئے سعادت سمجھتا ہوں۔ نیز حضرت شیخ الحدیثؒ سے دریافت صحت پر فرمایا: اس وقت آپ کے وسیع قومی، تعلیمی اور اسلامی خدمات کے پیش نظر عالمِ اسلام بالخصوص اہل پاکستان پر لازم ہے کہ وہ آپ کی تندرستی اور صحت کیلئے دعا کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی اور خدمت دین اور خدمت دین کیلئے آپ کی مساعی میں مزید برکتیں نازل فرمائے''۔

حضرت شیخ عبداللہ الزائد حضرت شیخ الحدیثؒ سے اتنے متاثر تھے کہ بار بار حضرت شیخ الحدیثؒ کو والدی الکریم کہہ کر پکارتے رہے اور بار بار حضرتؒ کی پیشانی کو چومنے کی سعی کرتے رہے۔

ایک مرتبہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے جید علماء اور اساتذہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی ملاقات کیلئے حاضر ہوئے، تو ان علماء نے سعادت علمی کے حصول کے جذبے سے آتے ہی حضرت شیخ الحدیثؒ سے درخواست کی کہ آپ ہمیں احادیث کی تمام کتابوں کی اجازت عنایت فرمائیں تاکہ ہمیں آپ سے نسبت تلمذ حاصل ہوجائے۔ ان کے بے حد اصرار اور خواہش پر حضرتؒ نے ایک ایک مہمان کو الگ الگ تحریری اجازت دی۔ صرف عرب علماء ہی نہیں پاکستان میں بھی طبقہ علماء کرام کو آپ کی علمی عظمت کا اعتراف تھا۔

قائد شریعت کا خطاب

جب حضرت شیخ الحدیثؒ نے سیاست کے خارزار میں قدم رکھے، تو قومی اتحاد، شریعت بل، متحدہ شریعت محاذ، متحدہ علماء کونسل ہر ہر مرحلے میں علماء نے آپ کی قیادت پر اعتماد کیا اور ان کی نظر انتخاب آپ پر پڑی۔ جب نفاذ شریعت کی کوششیں فیصلہ کن موڑ پر آ پہنچیں تو بڑے پُر خلوص اور والہانہ انداز میں..........

''ہزارہ ڈویژن کے تین ہزار علماء نے تحریک نفاذ شریعت کیلئے آپ کے دستِ حق پر بیعت کی اور آپ کو قائد شریعت کا خطاب دیا۔ ۱۳ اپریل کو مردان میں کے علماء کنونشن میں ڈیڑھ ہزار اور ۱۶ اپریل کو بنوں کے علماء کنونشن میں پانچ ہزار علماء کرام نے نفاذ شریعت کیلئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، قائد شریعت کے خطاب کی توثیق کی۔

۲۷ اپریل کو پشاور میں صوبہ سرحد کے مختلف اضلاع سے آئے ہوئے اکابر و مشائخ، سینکڑوں علماء اور دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء صوبائی علماء کنونشن میں شریک ہوئے۔ شریعت بل منوانے، نفاذ شریعت کی پُرزور تحریک چلانے اور نفاذ شریعت کی بالادستی کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں دینے کا عزم کیا اور حضرت شیخ الحدیثؒ کی قیادت میں جہاد مسلسل کی خاطر آپ کے دستِ حق پر بیعت کی''۔

(خصوصی نمبر صفحہ نمبر ۵۳۰)

باب ۱۱

چند منامی بشارتیں

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا.................. لم یبق من النبوّۃ الّا المبشرات ۔نبوت ختم ہوگئی صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں۔حضرات صحابہ کرامؓ نے سوال کیا ''وما المبشرات''۔مبشرات سے کیا مراد ہے؟ رحمت دو عالم ﷺ نے جواب دیا'' الرویا الصالحہ '' سچے خواب۔خواب انسانی زندگی کا ایک لازمی حصہ ہے اس سے انکار ممکن نہیں۔خواب اگرچہ حجت شرعیہ نہیں لیکن ازروئے حدیث نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔قرآن وحدیث کا ایک وسیع ذخیرہ اس بات کا گواہ ہے کہ خواب کا بالکلیہ انکار کردینا شرعاً ناجائز ہے۔خواب اگرچہ مدار فضیلت وکرامت نہیں' تاہم نبوت کی باقیات میں سے ہے سچا خواب گویا عالم غیب کا ایک رشتہ ہے، اشارہ ہے۔ان اشاروں کو وہی لوگ پہچانتے ہیں، جن کا رشتہ اور تعلق عالم غیب سے مضبوط ہوتا ہے۔مرکز علم دارالعلوم دیوبند کی بنیادیں کھودنے کے وقت حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، شاہ صاحب! مدرسہ کیلئے یہ احاطہ تنگ رہے گا، پھر خود اپنے دست مبارک سے عصا کے ذریعے ایک لکیر کھینچی کہ اس لکیر پر بنیادیں

کھودی جائیں صبح شاہ صاحب بیدار ہوئے، تو عین اسی جگہ پر لکیر کا نشان موجود تھا، پاکستان میں دیوبند ثانی (دارالعلوم حقانیہ) کی بنیاد اسی سلسلہ مبارک کی پیش رفت اور دارالعلوم دیوبند کا پرتو ہے۔

دارالعلوم حقانیہ اور بشارات منامی

ایک مجلس میں احقر نے حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حضرت مولانا اُسید اللہ صاحب مدرس دارالعلوم کا وہ خواب عرض کیا جو انہوں نے اس سال کے آغاز میں احقر سے بیان فرمایا تھا وہ یوں کہ! مولانا موصوف خواب میں دیکھتے ہیں کہ روسی ٹینک اور فوجیں دارالعلوم حقانیہ پر حملہ آور ہیں مسجد کے جانب شمال میں طلباء دورۂ حدیث کے کمرے ان کا ہدف ہیں۔ ان کو گرانا اور یہاں تباہی کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔ مولانا اُسید اللہ صاحب خواب میں روسی دشمن کے یہ ناپاک اور بدترین عزائم اور خطرناک صورت حال دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں اسی اضطراب اور پریشانی میں اچانک دارالعلوم کی مسجد کے صحن میں انہیں جناب حضور اقدس ﷺ کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل ہو جاتا ہے' بے تابانہ انداز میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ یہاں کیسے تشریف لائے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا' دیکھئے یہ منظر آپ کے سامنے ہے میں دارالعلوم کی حفاظت اور دفاع کرنے آیا ہوں۔

یہ خواب سن کر حضرت شیخ الحدیثؒ کے چہرۂ اقدس پر فرطِ مسرت سے فرحت وانبساط کی لہریں دوڑ گئیں۔ زبان پر عجز وانکسار اور شکر وحمد کے کلمات جاری ہوئے اور ارشاد فرمایا!

''مبارک ہو مبارک'' یہ سب اللہ کریم کی کرم نوازی ہے۔ یہ سب کچھ حضور اقدس ﷺ کی ذات بابرکات کا صدقہ ہے۔ یہ انہیں کی شفقتیں اور

عنائتیں ہیں ۔ یہ خواب ہم سب کیلئے اور حقانی برادری کیلئے اور دارالعلوم کے خدام و منتظمین کے لئے ایک ڈھارس ہے۔

یہ محض عقیدت ہی نہیں بلکہ عین شریعت ہے ۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے

''من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل بی''

''جس نے مجھے خواب میں دیکھا گویا فی الواقعہ مجھے ہی دیکھا کہ شیطان کو میری شکل وصورت بنانے کی طاقت نہیں ہے''۔

ایک مرتبہ ہمارے ایک مخلص اور دیندار ثقہ بزرگ نے خواب دیکھا کہ دارالحدیث کے مغربی دروازہ سے حضور اقدس ﷺ دارالحدیث ہال میں تشریف لائے ، چہرۂ انور پر مسرت کے آثار نمایاں تھے اور بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔ مولانا سعید احمد حقانی جو دارالعلوم کے فاضل اور بلوچستان کے ایک دینی مدرسہ میں مدرس ہیں نے اسی مجلس میں اپنا ایک خواب بیان فرماتے ہوئے عرض کیا ۔ حضرت! کچھ عرصہ قبل میں نے بھی ایک خواب دیکھا تھا کہ حلقہ بنا ہوا ہے اور غالباً مریض سامنے پڑا ہوا ہے۔ اس منظر سے یہ خیال ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عیادت کیلئے تشریف فرما ہیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے ارشاد فرمایا...... جی ہاں ! یہ سب منامی مبشرات ہیں' مشکل اوقات میں اللہ کریم نے ایسے مبشرات سے ڈھارس بندھوائی ہے۔ ظاہری حالات جو ہیں وہ تو معلوم ہیں، بظاہر اسباب اور کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ذات پر بھروسہ اور جناب رحمۃ اللعالمین ﷺ کا وسیلہ ہے۔ ملکی حالات بھی آپ کو معلوم ہیں' دارلعلوم ہے شریعت بل کا مسئلہ ہے' متحدہ شریعت محاذ کا مسئلہ ہے۔ ایک طرف حکومت سے مقابلہ ہے دوسری طرف لادینی قوتوں سے ٹکر ہے۔ ایسے حالات میں اللہ کریم

نے جو ہم پر فضل فرمایا ہے اور اعتدال کی راہ بخشی ہے تمام عمر کے سجدوں سے بھی اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ (صحبتے با اہل حق ص ۹۴، ۹۵)

حضور اقدس ﷺ کی روٹیاں مولانا عبدالحقؒ کے ذریعے تقسیم ہو رہی ہے

حضرت مولانا محمد اشرف خانؒ (پشاور) خلیفہ مجاز مولانا سید سلیمان ندویؒ نے خواب دیکھا۔ جسے انہوں نے ۱۹ ذی قعدہ ۸۶ھ کو بانہ ماڑی پشاور میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ ان کے والد گرامی حضرت مولانا محمد زکریا بنوریؒ اور مولانا محمد ایوب جان بنوریؒ اکابر علماء کی مجلس میں سنایا۔

''کہ میں نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کو خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت مولانا عبدالحقؒ سے بہت خوش ہیں اور فرماتے ہیں ''صوبہ سرحد میں حضور اقدس ﷺ کی روٹیاں ان کے ذریعے سے تقسیم ہو رہی ہیں۔'' حضرت مولانا محمد اشرف نے فرمایا کہ کئی دن سے مولانا کی خدمت میں نہ جا سکا جس کا افسوس ہے، کیونکہ ان کی صحبت میں میں نے رقت پائی ہے۔ (خصوصی نمبر ص ۵۳)

دودھ کی تقسیم اور اس کی تعبیر

علامہ ابن سیرینؒ نے تعبیر الرویا میں لکھا ہے کہ خواب میں دودھ پینا دیکھنا، تیار کرنا دراصل علم حاصل کرنا اور پھیلانا مراد ہے۔ دارالعلوم کے اوّلین مہتمم عارف باللہ حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ احاطہ مولسری کے کنویں کی منڈیر پر بیٹھ کر دودھ تقسیم فرما رہے ہیں۔ جس کی تعبیر وہ خود بیان کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ علم بانٹ رہے تھے اس لئے دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتگان اصل میں علوم نبوت کے فیض

یافتگان ہیں۔

بزرگ عالم دین مولانا مدرار اللہ مدرار تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت کی وفات کے بعد میں نے خواب میں دیکھا، اکوڑہ خٹک سے بہت دور ایک خوش منظر مقام ہے۔ حضرت قدس سرہ اور بندہ ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔ ایک تیسرا مرد صالح بھی ہمارے ساتھ شریک ہے۔ اس فضا میں مغرب کی جانب میں نے ایک مسجد کو دیکھا اور میں نے دل میں کہا کہ اس مسجد کو حضرتؒ نے تعمیر کرایا ہے' چلتے چلتے ایک مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں ہم ایک چاردیواری میں داخل ہو گئے اور کھڑے ہو گئے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے میرے سامنے اپنے پستان کو دو انگلیوں سے پکڑ لیا تو اس میں سے دودھ جاری ہو گیا میں متعجب ہوا اور پھر مجھے خیال آیا کہ میں اپنے پستان کو دو انگلیوں سے پکڑتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ اس سے بھی دودھ جاری ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی' لیکن خواب کے اثرات سے دل بہت خوش تھا۔ (خصوصی نمبر ص ۳۵۳)

منامی بشارتیں، جو حقیقت بن کر سامنے آئیں

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب رقمطراز ہیں

''میں اور چند اہل علم جامعہ اسلامیہ (اکوڑہ) سے حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدنیؒ سے ملاقات کیلئے دارالعلوم حقانیہ آئے۔ حضرتؒ دارالعلوم کی مسجد کے محراب میں تشریف فرما تھے جبکہ مسجد اس وقت پایہ تکمیل کو نہ پہنچی تھی۔ تو مجلس کے برخاست کے وقت ایک نوجوان سے ہمارے بعض رفقاء کے متعلق سخت کلام سنا گیا جس سے

ہمیں بھی معمولی سا صدمہ پہنچا تو رات کو احقر نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ نے جو کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ جیسی شکل رکھتے تھے، مجھے فرمایا کہ ناراض نہ ہونا یہ محراب تمہارے لئے بنائی گئی ہے۔ (چنانچہ اسی مسجد میں احقر کی پانچ نمازوں کی امامت اس خواب کی عملی تعبیر بن کر ظاہر ہو چکی ہے)۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتویؒ اور حضرت امام العلماء مولانا عبدالمالک صاحب صدیقی تمام دیوبندی مسلک کے مدارس کے سرپرست تھے لیکن دارالعلوم حقانیہ کو اپنا ذاتی مدرسہ سمجھتے تھے تو حضرت صدیقی صاحب نے مجھے خط میں لکھا کاش! اگر تم دارالعلوم حقانیہ میں ہوتے۔ یہ خط مولانا سلطان محمودؒ نے دارالعلوم کے محافظ خانہ میں رکھا۔ تو حضرت صدیقی کی تمنا اور حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتویؒ کے اشارہ کی بناء پر خادم نے دارالعلوم حقانیہ آنے کا ارادہ کیا۔ تو جب مولانا سلطان محمودؒ (دارالعلوم کے ناظم اوّل) مجھے دارالعلوم حقانیہ لے جانے کیلئے زروبی (آئے تو خادم نے استخارہ کیا اور بین النوم والیقظہ ہونے کی حالت میں مجھے دارالعلوم حقانیہ کے جنوبی دیوار کے پاس ایک بورڈ نظر آیا جس پر لکھا گیا تھا ''من دخلہ کان آمنا'' اور میں بڑے اطمینان کے ساتھ دارالعلوم آیا

مولانا سلطان محمودؒ کے متعلق ایک خواب یاد آیا کہ حضرت مولانا شیخ الحدیثؒ کی حالت صحت میں خادم نے ایک خواب دیکھا کہ خانہ کعبہ کے مطاف میں طائفین کا بہت اژدحام ہے، اور مولانا سلطان محمودؒ جو کہ طواف کے انتظام کیلئے کوشش کرنے میں ناکامی

سے خائف ہیں تو خادم نے ان کو کہا کہ گھبرائیے مت، میں آپ کے ساتھ ہوں، جس کی واضح تعبیر دارالعلوم حقانیہ میں خادم کی تقرری ان کی گویا معاونت ہے۔ (خصوصی نمبر ص ۵۰۸)

منامی وصیت

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا حضرت عبداللہؓ محمد عربی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور درخواست کی کہ آپ اپنی قمیص مبارک عطا فرمادیں تا کہ میں اپنے باپ کو اس کا کفن پہناؤں۔ تو محبوب دو عالم ﷺ نے اپنی قمیص اُسے عطا فرمادی اور اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ میرا کرتہ اس کو عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتا۔ کیونکہ نجات اخروی کیلئے ایمان شرط ہے۔ ہاں ایمان کی دولت ہو تو تب اسی طرح کے عمل خیر پر رحمت کی امید کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ ......

ع رحمت حق بہانمی جوید بہانہ می جوید

صحابی رسول کاتب وحی حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بیٹے یزید کو وصیت کی کہ میرے پاس نبی کریم ﷺ کا ایک کپڑا موجود ہے کچھ ناخن مبارک اور موئے مبارک بھی ہیں۔ تم نبی کریم ﷺ کے کپڑے کو میرے کفن کے ساتھ رکھ دینا۔ ناخن اور موئے مبارک میری آنکھوں، منہ اور اعضائے سجدہ پر رکھ کر رب العالمین کے سپرد کر دینا۔ ہوسکتا ہے میرے اس عمل سے اللہ کی صفتِ رحمانیت اور غفوریت کا ظہور ہو جائے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کی اطاعت کر کے ہمیں بتلانا چاہا........ ع چلو نقش قدم پر دوستو! اخیار امت کے

اس سلسلے میں احقر کی تحریر کا ایک اقتباس نذر قائین ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ

کی وفات کے بعد جب جنازے کا اعلان ہوا اور دفن کی تیاریاں اور انتظام کا مشورہ ہوا، تو

''شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے احقر کی قیام گاہ پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ میں نے رات حضرت اقدس حضرت شیخ الحدیثؒ کو خواب میں دیکھا ہے، مرحوم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ غلاف کعبہ کا تبرک میری کفنی قمیص کے نیچے میرے سینے پر رکھ دیجیے۔ میں غلاف کعبہ کا ٹکڑا ساتھ لایا ہوں تاکہ حضرتؒ کے سینے پر رکھا جا سکے۔

حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہٗ سے مشورہ اور ان کی اجازت مرحمت فرمانے کے بعد احقر نے تین چار مضبوط اور توانا طالب علموں سے بات کرلی کہ راستہ بنا کر حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہٗ اور حضرت قاضی صاحب موصوف کو جسد اقدس کے پاس لے جایا جائے تاکہ غلاف کعبہ کا تبرک شامل کفن کیا جا سکے، مگر کئی ایک رفقاء اور کارکنوں کے راستہ بنانے کے باوجود ہم لوگ ابھی چند قدم ہی آگے چلے تھے کہ ایسے پھنس گئے کہ جان بچانا بھی مشکل ہوگیا بڑی مشکل سے حضرت قاضی صاحب موصوف اور حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہٗ کو لوگوں کی بھیڑ اور جمگھٹے کے شکنجوں سے بچا لیا گیا، ورنہ خدا جانے آگے کیا ہوتا، پھر جب تدفین کے عمل کا وقت ہوا تو منامی وصیت کے مطابق عمل کرتے ہوئے وہ امانت احقر نے پہنچا دی اور سینۂ اقدس پر رکھ دی گئی''۔ (خصوصی نمبر ص ۹۰۷)

منامی مبشرات جو سنے گئے اور خود احقر نے ان کے لکھنے کا اہتمام

بھی کیا، پھر خواب دیکھنے والے یا خواب سنانے والے، ما و شما لوگ نہیں، عوام الناس سے بھی نہیں، اساتذہ ہیں، علماء ہیں، مجاہدین ہیں مبلغین اور صالحین ہیں۔ اگر جمع کر دیئے جائیں، تو ایک مستقل رسالہ بن جاتا۔ فی الحال تو بطور نمونہ اسی پر اکتفا ہے۔۔۔۔۔۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم ھمہ ز آفتاب گویم

باب ۱۲

کرامتیں اور غیبی نصرتیں

عوام الناس کے ہاں بزرگی کا معیار یہی ہے کہ کشف و کرامات کا صدور ہو۔ جبکہ خواص اور علماء کے نزدیک یعنی شرعی نقطۂ نظر سے سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ خلاف شریعت امور سرزد نہ ہوں۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک خادم دس سال تک ان کی خدمت کرنے کے بعد جب جانے لگا اور کہا حضرت! میں نے آپ کا بڑا نام سنا تھا لیکن دس سالوں میں میں نے آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا اچھا یہ بتاؤ کہ ان دس سالوں میں مجھ سے خلاف سنت کوئی عمل سرزد ہوا ہے؟ تو اس نے جواب دیا نہیں، آپ نے فرمایا اصل چیز اتباع شریعت ہے۔ ہاں اتباع سنّت اور پابندی شریعت کے ہوتے ہوئے اگر کشف و کرامات کا ظہور ہو تو یہ اللہ کی عطاء ہے۔ اہل حق میں سے کسی کو اس سے انکار نہیں۔ کشف و کرامات بجائے خود مقصود نہیں، البتہ بعض مواقع پر بعض شخصیتوں کو اللہ نے اس نعمت سے نوازا۔ جسے انہوں نے تائید ایزدی کے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ اولیاء اللہ کی کرامات کے ایسے سینکڑوں واقعات موجود ہیں جن سے کرامات کا یقین پختہ اور مضبوط ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی زندگی کی بعض کرامات کو مختلف لوگوں نے دیکھا اور لکھا اور بعض قریب والے حضرات شب و روز اس کا

مشاہدہ کرتے رہے اور ان کے نورایمان میں اضافہ ہوتا رہا۔

محترم جناب پروفیسر افضل رضا صاحب جو حضرت شیخ الحدیثؒ کی مجلس کے حاضر باش اور بہت قریبی خادمانہ تعلق رکھتے تھے۔ اللہ نے انہیں علم و فضل سے بھی نوازا ہے، تصنیف و تالیف اور ادبی صلاحیتوں سے مالا مال فرمایا ہے۔ ان کی بیسیوں کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں'

کرامت بعداز وفات

نومبر 1990ء میں راقم الحروف نے خواب میں حضرت شیخ الحدیثؒ کو روضۂ اقدس کے اندر رات کے وقت درود شریف پڑھتے ہوئے دیکھا پوچھا، حضرت! روضۂ اقدس تو رات کو بند ہوتا ہے اور پھر آپ روضۂ اقدس کے اندر؟ فرمایا! میرے لئے روضۂ اطہر کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔ اسی سال دسمبر کے مہینے میں احقر نے حج کیلئے داخلہ کیا۔ خداوند کریم نے 1991ء میں حج کی سعادت بخشی۔ میں اسے اس خواب کی تعبیر اور کرامت بعدالوفات سمجھتا ہوں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی وفات کے بعد احقر کا جو عالم ہے اس کی عکاسی مندرجہ ذیل مشہور شعر کرتا ہے۔

ہمہ شہر پُر ز خوبان منم و خیال ماہے — چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بہ نگاہ

(خصوصی نمبر ص ۸۵)

اللہ نے نرینہ اولاد عنایت فرمائی

ماہنامہ العصر کے نائب مدیر جناب مولانا ذاکر حسن نعمانی لکھتے ہیں!

ہمارے ساتھ دارالعلوم اسلامیہ اضاخیل میں ایک مدرس ہیں۔ جن کا نام مولانا عبدالحق ہے، جنہوں نے آج سے ۳۵ سال قبل دورۂ حدیث حضرت شیخ الحدیثؒ سے پڑھا تھا۔ حضرتؒ سے ان کا گہرا تعلق تھا اور اکثر اوقات خدمت کیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے

موقوف علیہ کے سال دوران تعلیم شادی کی اور دورۂ حدیث کے سال ایک دن مجھے حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا ''مبارک ہو' اللہ تعالیٰ نے تمہیں فرزند عطا فرمایا ہے'' اور ساتھ دعائیں بھی دیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک اور صالح بنائے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے وقت اور دن نوٹ کر لیا، گھر جا کر پتہ چلا تو اسی دن اسی وقت اللہ تعالیٰ نے مجھے فرزند عطا کیا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ (حضرتؒ کی دعاؤں سے) میرا لڑکا تہجد گذار ہے' بڑا نیک اور متقی ہے''۔ (خصوصی نمبر ص ۲۱۳)

دعاؤں کا ثمرہ

۱۹۸۲ء میں احقر کی دارالعلوم حقانیہ تقرری ہوئی۔ چند ماہ کام کیا اور چھٹی لے کر اپنے گاؤں چلا گیا۔ واپسی ہوئی، دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرتؒ دور سے مجھے تکتے ہیں اور بے حد نگاہ شفقت سے دیکھتے ہیں، کوئی آدھ گھنٹہ یا پون گھنٹہ اس طرح گذرا ہوگا کہ حضرتؒ نے مولانا قاری محمد عبداللہ (سابق مدرس دارالعلوم حقانیہ) کو اشارہ سے اپنے قریب بلایا اور دریافت فرمایا کہ اُن کا کیا ہوا۔ قاری صاحب خاموش رہے، تو خود ارشاد فرمایا، دعائیں ہم نے کیں اللہ کریم نے انہیں نرینہ اولاد عنایت فرمائی اور اب ہمیں اطلاع اور خوشخبری تک دینے کیلئے تیار نہیں۔

قاری صاحب موصوف نے مجھے ساری بات سنادی۔ احقر نے جھٹ سے اٹھ کر مبارکباد دی، حضرتؒ خوش ہوئے۔ دراصل بتانا یہ چاہتا ہوں کہ گھر سے واپسی پر احقر نے کسی کو بھی یہ نہیں بتایا تھا کہ میری نرینہ اولاد ہوئی ہے یا مجھے اس سلسلہ میں جانا ہوا تھا۔ اسے الہام کہتے ہیں یا کرامت۔ حضرتؒ کو معلوم ہو گیا تھا۔ حضرتؒ کے استفسار، خصوصی محبت بھرے لہجے کی گفتگو اور

الفت بھری شکایت، آج بھی تصور کرتا ہوں، تو اس کی چاشنی اور لذت میں ڈوب جاتا ہوں۔

توجہ کے انقلابی اثرات

مولانا محمد نواز بنوی، فاضل حقانیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۶ اپریل ۱۹۸۶ء معراج العلوم بنوں میں عظیم الشان تاریخی اجتماع تھا۔ ۵ ہزار سے زائد علماء کرام جمع تھے، تحریک نفاذ شریعت اپنے عروج پر تھی۔ صبح سے اجلاس جاری تھا ملک بھر سے اکابر علماء، قومی قائدین، افغان رہنما، معروف خطباء اور مقررین دس دس منٹ کا وقت لے کر تقاریر کر رہے تھے، مگر لوگ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ صاحب کی تقریر کیلئے بے تاب تھے۔ علماء ان ہی کے استقبال زیارت و ملاقات اور استفادہ کے لئے آئے تھے، آخری تقریر ان ہی کی تھی کہ اچانک اعلان کر دیا گیا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کی علالت کی وجہ سے (مولانا) عبدالقیوم حقانی ان کی جانب سے تقریر کریں گے۔ مولانا حقانی کھڑے ہوئے تقریر شروع کی' شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی کرسی ان کے ساتھ تھی وہ بات کرتے اور حضرت شیخ الحدیثؒ بڑی توجہ، غایت شفقت اور جوش محبت میں پشتو لہجہ میں ''شاباشی، شاباشی'' کے حوصلہ افزاء کلمات سے ان کی بھرپور تائید اور ہمت افزائی فرماتے، مولانا حقانی نے ۴۵ منٹ کے اس مفصل خطاب میں دوران تقریر جب بھی بات مکمل کی، حضرت شیخ الحدیثؒ نے ''شاباشی'' (پشتو زبان کے لہجہ میں یہ ہمت افزائی کی کتنی مخلصانہ داد اور تشجیع ہے) کے الفاظ میں ہر بات میں انہیں بھرپور داد دی، بعد میں جلسہ میں آئے ہوئے اکابر علماء کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مولانا حقانی کا مفصل خطاب اور عجیب مؤثر مضمونِ تقریر حضرت شیخ الحدیثؒ کی توجہ و کرامت کا اثر تھا، ورنہ ان سے قبل بیسیوں جید علماء، قومی رہنماء، زعماء اور نامور خطباء تقریر کر چکے تھے مگر کسی کی

تقریر کو اتنی پذیرائی حاصل نہ ہو سکی جو مولانا حقانی کی تقریر میں پائی گئی، تقریر کے آخر میں جب مولانا حقانی نے نفاذ شریعت کیلئے جہاد کی مہم میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی بات کی تو اسی وقت ۵ ہزار سے زائد علماء نے متفقہ طور پر حضرت کو قائد شریعت تسلیم کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت علی الجہاد کی۔ (خصوصی نمبر ص ۵۱۸)

مستجاب دعا کا نقد ثمرہ

حدیث کا مضمون ہے مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ یہ کمال اتباع سنت کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب مدظلہٗ حضرت شیخ کی فراست اور نور ایمانی کی ایک جھلک دکھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ایک بار مجھے ملیریا کا بخار ہوا اور زیادہ ایام گزرنے پر طبیعت کافی پریشان ہوگئی تو فوراً حضرت شیخ الحدیثؒ کی ذات بابرکات ذہن میں آئی اور کسی کے واسطے سے ان کی خدمت میں دعا کیلئے درخواست کی جبکہ حضرت شیخ الحدیثؒ بعد العصر اپنی آبائی مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے، تو جب عصر کا وقت ہوا تو میری طبیعت میں فرحت کشادگی اور سرور آنا شروع ہوگیا اور طبیعت سنبھلتے سنبھلتے بالکل درست ہوگئی۔ یہ مولانا کی کرامت تھی کہ انہوں نے اطلاع ملتے ہی فوراً توجہ فرمائی اور دعائیں دینی شروع کیں۔ اللہ نے قبول فرمائیں اور مجھے صحت عطا فرمائی۔ (خصوصی نمبر ص ۲۲۶)

کلام الٰہی اور دعا کی برکت

استاذی الکریم حضرت شیخ الحدیثؒ نے ارشاد فرمایا، آپ (عبدالقیوم حقانی) کے چھوٹے بچے محمد قاسم کا کیا حال ہے؟ عرض کیا حضرت دو سال سے

زائد ہونے کو ہیں اور خوب سمجھدار ہو گیا ہے، لیکن ابھی تک بات نہیں کر سکتا۔ زبان نہیں کھلی جب کہ اس کے ہم عمر بچے کھل کر باتیں کرتے ہیں۔

فرمایا' زبان کھولنا اور بند کرنا یہ سب اللہ کی قدرت میں ہے۔ شیرینی لے کر ۴۱ مرتبہ رب اشرح لی صدری و یسّرلی امری واحلل عقدة من لسانی یفقھوا قولی پڑھیں اور شیرینی پر دم کر کے بچے کے زبان کے نیچے رکھ دیا کریں' ۴۱ روز تک یہ عمل کرتے رہیں، اللہ پاک اپنے کلام پاک کی برکت سے زبان کھول دے گا۔

اسی مجلس میں یہ بھی ارشاد فرمایا' تم خود ماشاء اللہ سمجھدار ہو بچے کی والدہ سے بھی کہہ دو کہ بچے کو اللہ اللہ سکھائیں۔ سب سے پہلا کلمہ جو اس کی زبان سے صحیح ادا ہو وہ اللہ ہی کا نام ہو۔ چنانچہ احقر نے اور اہلیہ نے بھی اس عمل کو اپنا لیا' خدا کے فضل سے بچے کی نہ صرف زبان کھل گئی بلکہ آج وہ الحمد اللہ چھوٹی عمر میں اچھی خاصی تقریر بھی کر لیتا ہے۔

(صحبتے با اہل حق' ص ۱۰۱' ۱۰۲)

قلندر کی دیدہ وری

تاریخ مدینۃ المنورہ اور تاریخ مکۃ المکرّمہ جیسی شہرہ آفاق کتب کے نامور مصنف مخدوم و مکرم حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب مدظلہٗ نے لکھا ہے

''حضرت مولانا گل رحمٰن صاحب ناظم مدرسہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں دارالعلوم دیوبند میں میں زیر تعلیم تھا اور حضرت شیخ الحدیثؒ وہاں مسند تدریس پر جلوہ نما تھے' مجھے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مولانا! جب ہم مدرسہ بنائیں گے تو میں مہتمم بنوں گا اور آپ ناظم مطبخ کے فرائض انجام دیں گے۔ لیکن میں اسے ہمیشہ حضرت کی تفنن طبع اور مزاح پر محمول کرتا رہا۔ یہ بات تو کبھی میرے حاشیہ خیال

میں بھی نہیں آئی تھی کہ فی الواقعہ حضرت والا دارالعلوم دیوبند کے اس رفیع الشان منصب کو چھوڑ کر کسی مدرسہ کے مہتمم بن جائیں گے اور اگر موصوف اپنے اعلیٰ وارفع علمی حیثیت کے باعث مہتمم بن بھی گئے تو میں اس لائق کہاں کہ مہمانان ذیشان (مدرسین و متعلمین) کی خدمات کی سعادت حاصل کرسکوں گا۔ مگر وقت نے اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کردی کہ ؎ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

چنانچہ کچھ عرصہ بعد ملک تقسیم ہوگیا۔ پاکستان کے علماء کرام اور طلباء کا ہندوستان میں علوم اسلامیہ کے حصول کیلئے جانا ممکن نہ رہا۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت شیخ الحدیثؒ نے دارالعلوم حقانیہ قائم فرمایا اور وہ اہتمام کے ذی وجاہت منصب پر فائز ہوئے اور مجھے ناظم مطبخ مقرر فرمادیا۔ بحمداللہ تیس سال تک اس خدمت پر مامور رہا''۔

(خصوصی نمبر ص ۴۳۳)

غیبی نصرت اور کمال صبر وتحمل

صاجزادہ مولانا حامد الحق حقانی تحریر فرماتے ہیں

''ہماری چھوٹی سی گاڑی (سوزوکی کار) میں حضرت میرے ساتھ کبھی کبھی گھر سے دارالعلوم اور دارالعلوم سے گھر تک آیا جایا کرتے تھے (جو بازار میں رش اور گلی تنگ ہونے کے باوجود آسانی سے آجاسکتی تھی) دن کے ساڑھے نو بجے پڑھائی کے وقفہ کے دوران میں اور میرے دوست حافظ احتشام الحق حضرت کو گھر سے دارالعلوم لانے کیلئے پہنچے مجھے خدشہ تھا کہ پٹرول کم ہے گاڑی خدا نخواستہ راستے میں کہیں بند نہ ہوجائے، لیکن حضرت کے لیٹ ہوجانے کے ڈر سے میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ کہیں حضرتؒ بروقت نہ

پہنچنے پر ناراض نہ ہو جائیں پٹرول حضرتؒ کو دارالعلوم پہنچانے کے بعد ڈلوادیں گے۔ حضرت کو گھر سے گاڑی میں بٹھایا پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ جیسے ہی بازار کے وسط میں پہنچا گاڑی ایک جھٹکے سے بند ہوگئی شرم کے مارے حضرتؒ کو بتا نہیں سکتا تھا۔ شامی بھائی نے جرأت کر کے کہہ دیا کہ حضرت پٹرول ختم ہو گیا۔ حضرتؒ نے ناراضگی کا اظہار کر دیا کہ بروقت تیاری کر کے کیوں نہیں آتے۔ اب میں انتہائی پریشان تھا یا اللہ کیا ماجرا ہو گیا اب بیچ بازار حضرتؒ کو انتظار کروانا یا کرایہ کی ٹیکسی بلوانا یہ بڑی دیر ہو جائے گی۔ کہ اسی لمحے اللہ نے لاج رکھی اور ایک کار فوراً ہمارے پاس آ کر رُکی۔ گاڑی سے جناب قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی کے بھائی ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب اُترے اور حضرت سے مصافحہ کرنے کے بعد کہا کہ حضرت! میں آپ سے ملنے آ رہا تھا۔ میں نے فوراً قاضی صاحب کو بتایا کہ جناب! ہماری گاڑی پٹرول کی وجہ سے بند ہوگئی ہے۔ حضرتؒ کو آپ دارالعلوم لے جائیں۔ لہٰذا حضرتؒ کو بھی اطمینان ہوا اور میری پریشانی بھی رفع ہوگئی۔ میں نے اس دوران پٹرول منگوالیا اور گاڑی دارالعلوم پہنچادی تو حضرتؒ نے درس حدیث کے بعد مجھے دفتر میں بلوا کر پوچھا بیٹا تم ناراض تو نہیں ہوئے میری وجہ سے تمہیں تکلیف اُٹھانا پڑی، آئندہ احتیاط کر لیا کرو۔ ان کی اس ادا، نظر کرم اور شفقت اور اُلٹا حضرتؒ اپنے دارالعلوم گاڑی پر آنے کی وجہ سے میرے پٹرول لانے کی زحمت پر مجھ ہی سے معذرت کر رہے تھے اللہ اللہ! یہ ادا اور یہ دریا دلی ہم لوگوں کا سر شرم سے جھک گیا''۔

(خصوصی نمبر ص ۱۱۵۵)

ایمانی فراست اور زندہ کرامت

جامعہ عثمانیہ لاہور کے مہتمم حضرت مولانا خلیل الرحمٰن حقانی لکھتے ہیں

''۱۹۶۷ء میں جامعہ حقانیہ کے فضلاء کی دستار بندی ہوئی اس موقع پر حضرت شیخ الحدیثؒ ہر فاضل کی دستار بندی سے قبل اس کا مختصر تعارف کراتے تھے۔ حسب طریق جملہ فضلاء کا مختصر تعارف کرایا اور چونکہ میں جامعہ حقانیہ میں صرف چار ماہ حصول تعلیم کیلئے رہ چکا تھا۔ اس لئے حضرتؒ سے کوئی زیادہ تعارف نہ تھا تو میری دستار بندی سے قبل ''موصوف'' نے میرا تعارف ان الفاظ سے کرایا۔ ''یہ ہمارے جامعہ کے فاضل ہیں اور پنجاب کے بہترین خطیب اور مدرس ہیں'' حالانکہ اس وقت میں نہ تو خطیب تھا اور نہ مدرس۔ لیکن جلد ہی جنوری ۱۹۶۸ء میں میرا تقرر خطابت اور تدریس کیلئے ہوگیا اور بیس (۲۰) سے زائد مرتبہ مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ کی تدریس کر چکا ہوں اور عرصہ پچیس سال سے حضرۃ شیخ مرحوم کی فراست ایمانیہ یا زندہ کرامت کا مشاہدہ کرر ہا ہوں''۔ (خصوصی نمبر صفحہ نمبر ۱۱۷۶)

انجن تباہ ہوگیا مگر گاڑی چلتی رہی

ماہنامہ الحق کے منیجر، مولانا سمیع الحق کے داماد اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے مخلص خادم جناب الحاج شفیق الدین فاروقی صاحب کا بیان ہے

''گرمیوں کے دن تھے، راولپنڈی میں ایک جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب کے مدرسہ میں آرام کر لیتے ہیں اور عصر کے وقت اکوڑہ کیلئے روانہ ہو جائیں گے، انشاء اللہ افطار اکوڑہ میں گھر پر کریں گے''۔ چنانچہ واپسی پر مانسر کیمپ کے قریب اچانک گاڑی بند ہوگئی۔ حضرتؒ

نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے، میں نے عرض کیا خیریت ہے، شاید گرم ہونے کی وجہ سے گاڑی بند ہوگئی ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔ مجھے اندازہ ہوا کہ ریڈی ایٹر میں پانی کم ہے، قریب ہی سے پانی لے کر آیا اور دو ڈبے پانی ڈالا۔ لیکن پھر بھی کم محسوس ہوا۔ چار پانچ ڈبے ڈالنے کے بعد میں ششدر رہ گیا۔ حیرانگی کی انتہا نہ رہی کہ پانی نیچے بھی نہیں گرتا ہے اور ریڈی ایٹر بھی خالی ہے۔ پریشان ہو کر اسی حالت میں پھر گاڑی سٹارٹ کرنے کی کوشش کی تو گاڑی سٹارٹ ہوگئی اور ہم اس صورت میں روانہ ہوئے کہ گاڑی کے انجن سے عجیب وغریب قسم کی آوازیں آرہی تھیں۔ سخت جھٹکے لگتے تھے۔ گاڑی خود بخود چلتے چلتے بند ہوجاتی تھی اور پھر روانہ ہوجاتی تھی۔ اسی حالت میں جب ہم گھر کے دروازے پر پہنچے تو مغرب کی اذان ہورہی تھی۔ حضرتؒ کے ارشاد کے مطابق ہم افطاری کے وقت گھر موجود تھے۔

دوسرے دن جب صبح ملکینک (مستری) کو بلایا اور گاڑی چیک کرائی تو اس نے کہا کہ اسے ورکشاپ میں لے جا کر انجن کھولنا پڑے گا۔ تب صورت حال کا اندازہ ہوسکے گا اور جس وقت ورکشاپ میں انجن کھولا گیا تو میری حیرت کی انتہاء نہ رہی اور ششدر رہ گیا (جو ایک ٹیکنیکل آدمی ہی سمجھ سکتا ہے) کہ انجن میں دو پسٹن ٹوٹے ہوئے تھے کنٹکٹ راڈ (contact rod) ٹوٹنے کے بعد انجن کو بھی توڑ چکے تھے، موبل آئل اور پانی یکجا ہوگئے تھے ایسی صورت میں کسی بھی انجن کا سٹارٹ رہنا بظاہر اسباب ناممکن ہے یہ انجن مرمت کے قابل بھی نہ تھا۔ دوسرا انجن خرید کر اس گاڑی میں

لگایا گیا۔ بہرحال عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ گاڑی صرف کرامات پر چلتی رہی اور اللہ پاک غیبی مدد کرتے رہے۔

(خصوصی نمبر ص ۱۳۴)

اللہ محافظ رہا اور گاڑی چلتی رہی

جناب شفیق الدین فاروقی تحریر فرماتے ہیں:

''ایک روز دوپہر کے وقت اسمبلی کے اجلاس سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ نے اکوڑہ جانے کی خواہش ظاہر کی۔ دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد راقم کو قیلولہ کی عادت ہے۔ اس موقع پر حضرت مولانا سمیع الحق اور مولانا انوار الحق نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ کچھ دیر آرام کرتے ہیں عصر کے وقت چلیں گے۔ گرمیوں کے دن ہیں اور اس وقت گرمی بھی زیادہ ہے، لیکن شیخ الحدیثؒ صاحب نے فرمایا کہ ''دن ضائع ہوتا ہے چلنا چاہیے''۔ تقریباً ڈھائی بجے اسلام آباد سے روانہ ہوئے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ اگلی سیٹ اور مولانا سمیع الحق اور مولانا انوار الحق صاحب پچھلی نشست پر بیٹھے تھے۔ اسلام آباد سے نکلنے کے بعد ترنول تک آپس میں بات چیت کرتے رہے، ترنول کے بعد تینوں حضرات سو گئے۔ ترنول ٹیکسلا تک کا سفر مجھے یاد ہے اس کے بعد میں بھی سو گیا اس کے بعد گھبراہٹ سے اچانک آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میں غلط سمت پر روانہ ہوں اور سامنے سے ایک بس آ رہی ہے، چند سیکنڈ قبل اگر میری آنکھ نہ کھلتی تو بس اور کار کا تصادم یقینی تھا اور جب آنکھ کھلی میں نے گاڑی اپنی سمت ڈال دی۔ تھوڑا سا حواس کو جمع کیا اور آس پاس دیکھا کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ معلوم ہوا کہ حسن ابدال سے گزر رہے ہیں۔ میں نے وہیں گاڑی

روک دی۔ گاڑی رکنے کے ساتھ سب لوگ بیدار ہو گئے حضرت شیخ الحدیثؒ نے مجھ سے پوچھا کیوں رکے؟ میں نے تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا وضو کرلو اور چائے پی لو ، اللہ مالک ہے۔

یہ حضرتؒ کی کرامت تھی کہ دس بارہ کلومیٹر کے فاصلہ میں میں سویا رہا اور سوتے میں ڈرائیونگ کرتا رہا۔ اس وقت ٹریفک بھی ون وے تھی۔ سڑک بھی تنگ اور خراب، درمیان میں کئی جگہ موڑ بھی تھے مگر اللہ محافظ رہا اور گاڑی چلتی رہی۔

خدا نے بدلہ لے لیا

حضرت شیخ الحدیثؒ کو اللہ کے بندوں اور بنی آدم سے بے حد شفقت و محبت کا تعلق تھا۔ وہ اپنوں تو اپنوں اپنے دشمن سے بھی نفرت نہیں کرتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ اخلاص وفنائیت اور بے نفسی کے اس مقام پر پہنچ چکے تھے گویا کہ ان کے دل سے رنج و شکایت، انتقام کا جذبہ اور ایذا کی صلاحیت ہی ختم ہو چکی تھی۔ اسی نیستی اور فنائیت کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ اپنے مزاج اور اخلاق کی وجہ سے بدلہ نہ لیتے لیکن من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنتہ بالحرب کا اعلان تو اللہ کی طرف سے ہے۔ یہی خداوند عالم کا قانون اور دستور ہے، کہ وہ اپنے دوستوں کی عزت وعصمت کی بھی حفاظت کرتے ہیں۔ اور ان مقربین الٰہی کی طرف اٹھنے والے ہاتھ شل اور ان کے خلاف چلنے والی زبان بند کر دیتے ہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں، مدینہ منورہ میں ہماری ایک نابینا شخص سے ملاقات ہوئی ، تو اس نے ہمیں بتایا کہ ایک دن میں جنگل لکڑیاں کاٹنے گیا۔ وہاں ایک نوجوان درویش ملا ، میں نے اسے لوٹنے کا ارادہ کیا تو میری دونوں آنکھیں باہر نکل کر گر پڑیں۔

محمد اسحاق بھٹی راوی ہیں کہ............

''ایک دفعہ مولانا حسین احمد مدنیؒ صوبہ سرحد اور پنجاب کے دورے کے بعد بذریعہ ٹرین دیوبند جارہے تھے۔ ٹرین جالندھر اسٹیشن پر جب پہنچی تو چند مسلم لیگی نوجوان اپنے ایک ساتھی شمس الحق کی معیت میں وہاں آئے۔ مولانا کو برا بھلا کہا، ان کی پگڑی اُتار لی طمانچہ مارا اور گالیاں دیں۔ یہ خبر مولانا عظامی (مقامی لیگ کے نائب صدر تھے) نے سنی تو کانپنے لگے۔ بار بار پوچھتے واقعی تم نے یہ کیا ہے؟ پھر کہنے لگے۔ میاں! جس نے حسین احمدؒ کے ساتھ یہ کیا ہے اس کی تو نعش بھی نہیں ملے گی۔ پھر چشم فلک نے دیکھا کہ شمس الحق پاکستان آکر قتل ہوگیا، اس کی نعش تک نہیں ملی، بلکہ معمہ ہی رہی اس کا دوسرا ساتھی مہاجرت کے وقت دریائے بیاس میں ڈوب گیا''

(امیر شریعت نمبر ص ۵۴۴)

درج ذیل واقعہ کے راوی ڈاکٹر میر محمد خان آف مانکی شریف ہیں فرماتے ہیں.........

''ایک دن ایک ایم پی اے صاحب نے مجھے دوران بحث کہا کہ چند دن ہوئے حضرت شیخ الحدیثؒ نے حکومت سے ایک کروڑ روپے بطور رشوت کے لیے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے، یہ بہتان ہے حضرت شیخ الحدیثؒ کے متعلق اس قسم کی باتیں شرافت کے خلاف ہیں اس نے پھر کہا کہ میں ثابت کرسکتا ہوں، میں نے اس سفید جھوٹ کو ماننے سے انکار کردیا اور سیدھا اکوڑہ خٹک جاکر حضرت مولانا صاحب کو سارا ماجرا سنایا کیونکہ میں اپنی مزید تسلی کرنا چاہتا تھا خدا گواہ ہے کہ مولانا حسب عادت ہنس پڑے اور کوئی بد دعا منہ سے نہ نکالی۔ خدا کی شان دیکھئے کہ تھوڑے دنوں بعد وہ ایم پی

اسے گونگا ہو گیا اور جھوٹ کی سزا اس کو نقد ملی''۔

(خصوصی نمبر ص ۱۰۸۰)

اصل کرامت استقامت ہے، مندرجہ بالا چند واقعات اللہ کی غیبی نصرت کے ہیں، اس نوعیت کے مشاہدات شب و روز دیکھنے میں آتے رہے اور خدام و مقربین اور مخلصین کے نور ایمان میں ازدیاد کا باعث بنتے رہے۔ ہم حضرتؒ کو مافوق البشر نہیں بتانا چاہتے، اس لئے اس موضوع سے متعلق انہی معروضات پر اکتفا ہے۔ حضرتؒ ایک انسان تھے اور استقامت والے انسان، اور استقامت سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں ہوسکتی۔

باب ۱۳

عشق رسولؐ،سوز وگداز ومحبت اور اتباع سنت

دنیائے رنگ وبو میں ہر ذی روح فطری طور پر جمال پسند ہے۔بلبل کو پھول کی خوبصورتی پسند ہے تو چکور چاند کی چاندنی پر فریفتہ ہے۔انسان بھی بحیثیت اشرف المخلوقات جمال پسندی کا اعلیٰ اور بنیادی ذوق رکھتا ہے۔ انسان کو جنت بھی اسی وجہ سے پسند ہے کہ وہ جمال الٰہی کا مظہر ہے۔انسانیت کے اسی ذوق کی تسکین کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور رسول کو حسن وجمال کا بے مثال نمونہ بنا کر بھیجا۔لیکن جمال محمد (ﷺ) اللہ اللہ!

حُسن خود حسن ہوا تیرے حسین ہونے سے
اور روئے زیبا تیرا خود زینت زیبائی ہے

سیدہ عائشہؓ فرمایا کرتیں حسن یوسفؑ کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں اور حسن محمد ﷺ کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ نے گردنیں کٹوائیں۔ حسن محمد ﷺ مین کتنی کشش اور محبوبیت تھی یہ صحابہؓ کا دل جانتا تھا۔حسن وجمال کی کشش کالازمی تقاضا عشق ومحبت ہے۔و للناس فیما یعشقون مذاہب۔یعنی لوگ عشق ومحبت میں جدا ذوق رکھتے ہیں۔

قربان میرے آقا ﷺ

حضرات صحابہ کرامؓ نے عشق و محبت رسول ﷺ کی وہ لازوال داستانیں رقم کیں، جن کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔ صحابہؓ کے بعد تابعین، تبع تابعین ،سلف صالحین اور اکابرین علماء دیوبند کی زندگیاں، سندان عشق کا بے مثال اور لاجواب نمونہ ہیں۔ جن بزرگوں کی ہم گنہگاروں نے زیارت کی ہے اُن نفوس قدسیہ میں حضرت شیخ الحدیثؒ کو اللہ نے دردوسوز اور عشق رسول کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ حضور اقدس ﷺ کا ذکر سنتے ہی آپ پر وجد اور عشق و سرمستی کی ایک حالت طاری ہو جاتی تھی۔ خصوصی نمبر کیلئے لکھے گئے احقر نے ایک مضمون میں لکھا تھا۔

''خشیت ورقت اور عشق و محبت اور فنا فی الرسول ﷺ کی کیفیات کا یہ عالم تھا کہ جب نماز کھڑی ہو جاتی اور مکبر تکبیر شروع کر دیتا، تو حضرت شیخ الحدیثؒ ادب واحترام سے قدرے جھک جاتے، چہرۂ اقدس اور اعضاء واندام میں تواضع وانکسار کی جھلک نمایاں ہو جاتی تھی اور جب مکبر تکبیر پڑھتے ہوئے کلمہ شہادت پر حضور ﷺ کا نام لیتے تو حضرت شیخ الحدیثؒ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پڑھ کر بے اختیار گویا ہو جاتے قربان جاؤں میرے آقا ﷺ قربان میرے آقا ﷺ، یہ فرماتے جاتے اور اس کے ساتھ ساتھ وجود اقدسؒ میں اضطراب شکستہ دلی اور شکستگی کی خاص کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ احقر کو بارہا یہ رقت انگیز منظر دیکھنے کی سعادت حاصل ہوتی رہی کلمہ تشہد میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آتا تو اس وقت رقت کا بڑا غلبہ ہوتا تھا دائیں بائیں ساتھ والے نمازی حضرتؒ کی اس سرگرمی، یاد محبوب میں بے اختیار مشغولیت

اور درد و محبت کی اس کیفیت کو محسوس کر لیتے تھے اور ان کی عظمت و تاثیر کے دل و جان سے قائل اور گرویدہ ہو جاتے تھے۔

(خصوصی نمبر ص ۱۰۶)

ذکر رسول ﷺ پر وجد کی کیفیت

پشاور کے ایک مہمان جس کا تعلق تبلیغی جماعت سے تھا، نے عرض کیا: حضرت! میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ جناب نبی کریم ﷺ نے مجھے گلے سے لگایا اور آپ پر گریہ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ مجھے بھی رونا آ گیا حضور اکرم ﷺ کے آنکھوں سے آنسو رواں تھے کہ نیند اکھڑ گئی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ جوں جوں خواب کا بیان سنتے جاتے تھے، چہرہ اقدس پر اس کے اثرات ہویدا ہو رہے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ کے رونے کا سنا تو لرز اٹھے اور ارشاد فرمایا، مجھے تعبیر خواب سے کوئی نسبت نہیں ہے تاہم آپ سعادت مند ہیں کہ باری تعالیٰ نے آپ کو جناب نبی کریم ﷺ کی زیارت کا شرف بخشا۔ حدیث میں ہے۔ من رانی فی المنام فقد رآنی فان الشیطن لا یتمثل بی ...... جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے گویا فی الحقیقت مجھے ہی دیکھا کہ شیطان کو میری صورت بنانے کی طاقت نہیں حضور اقدس ﷺ امام الانبیاء اور خاتم النبیین ہیں۔ آپ کی عصمت اور شان ختم نبوت کے تحفظ کیلئے شیطان کو نبی کریم ﷺ کی صورت بنانے کی طاقت نہیں دی گئی، نہ خواب میں نہ بیداری کی حالت میں۔ ارشاد ہے (من رانی فقد رأی الحق) جس نے مجھے دیکھا اس نے فی الواقعہ مجھے ہی دیکھا، ایک اور روایت میں ہے کہ جس

نے مجھے خواب میں دیکھا وہ بیداری میں بھی مجھے دیکھے گا۔ محدثین نے اس کے دو مطلب لکھے ہیں:

(۱) جس نے حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی، وہ حضور ﷺ ہی کے زمانہ میں بیداری میں آپ ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کرے گا۔

(۲) جس نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا اسے آخرت میں حضور ﷺ کی ملاقات اور شفاعت کی سعادت حاصل ہوگی اور وہ نبی کریم ﷺ کے جھنڈے کے سائے تلے جگہ پائے گا اور جس نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو خیریت سے دیکھا یہ اس بات کی بشارت ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔

آپ نے جو حضور اقدس ﷺ کو خواب میں روتے ہوئے دیکھا ہے، رونا کبھی خوشی سے آتا ہے اور اکثر غم واندوہ سے بھی۔ اگر پہلی صورت مراد لی جائے تو چونکہ آپ تبلیغ واشاعت دین کی خدمت میں مصروف ہیں حضور اقدس ﷺ والا کام کررہے ہیں، اس لئے حضور ﷺ نے آپ کو گلے لگالیا اور جوش ومسرت سے آنکھوں میں آنسو بھی آئے۔

دوسری صورت بھی زیادہ قرین قیاس ہے۔ حضور اقدس ﷺ امت کے غم، فکر اور نجات میں بعض اوقات ساری ساری رات روتے رہے اور آج جب امت کے تغافل انتشار، بے اعتنائی، الحاد زندقہ اور بے دینی کی رپورٹ آپ ﷺ کی پہنچتی ہوگی، تو آپ ﷺ پریشان ہوجاتے ہوں گے۔ امت میں تبلیغی جماعت کے حضرات چونکہ نبی کریم ﷺ والا کام کررہے ہیں اور آپ بھی انہیں

میں سے ہیں اس لئے نبی کریم ﷺ آپ سے ملے اور امت کے حال پر اپنے رنج والم کا اظہار کیا۔

بارالٰہا! اپنے فضل سے اپنے کرم سے امت کی ستاری فرمائیے۔

حضور اقدس ﷺ ناراض ہو گئے تو اللہ غضب ناک ہو جائے گا اور امت ہلاک ہو جائے گی۔ یہ فرما کر حضرت شیخ الحدیثؒ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور کافی دیر الحاح اور عجز و انکسار کے ساتھ امت کی فلاح و نجات کی دعا فرماتے رہے۔ (صحبتے با اہل حق ص ۱۶۳)

اندازہ فرماویں حضرت شیخ الحدیثؒ کے اس عشق و محبت رسول کا اولئك ابائی فجئنی بمثلهم، گویا عشق رسول آپ کی متاع حیات تھی۔

کوچہ محبوب سے نسبتوں کی قدریں

جناب الحاج ڈاکٹر ہدایت الرحمٰن صاحب حال مکہ مکرمہ فرماتے ہیں کہ

"ایک مرتبہ حاضری کے موقع پر جب حضرت شیخ الحدیثؒ مہمانوں سے فارغ ہوئے اور گھر جانے لگے تو فرمایا کہ ہدایت الرحمٰن کو بلاؤ پھر مجھے بلایا اور پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اپنی پیشانی کو میرے قریب کرلو کہ میں اسے بوسہ دیدوں کہ اس نے حرمین شریفین کو دیکھا ہے اور یہ جبین حرمین شریفین کی مقدس زمین پر سجدہ ریز رہی ہے۔ (خصوصی نمبر ص ۳۲۰)

حافظ صفی اللہ (حال مدینہ منورہ) رقمطراز ہیں کہ

"ہم تینوں بھائی جب مدینہ منورہ (جہاں پر ہماری زندگی کے تقریباً دس سال گذرے تھے) سے اکوڑہ خٹک آئے اور والد گرامی نے اکوڑہ خٹک میں مستقل قیام کا فیصلہ کرلیا تو پھر انہوں نے حضرت

شیخ الحدیثؒ کو بتائے بغیر اپنے طور پر دارالعلوم کے ناظم اور دارالحفظ کے ارباب بست وکشاد سے ہمارے داخلہ کی بات کی مگر اس وقت کی انتظامیہ اور ذمہ داروں نے ہمارے داخلہ سے صاف انکار کر دیا اب یاد نہیں کہ وجہ کیا تھی، غالباً یہی وجہ ہوگی کہ مزید داخلہ کی گنجائش نہ ہوگی یا پھر شرائط وقواعد کے مطابق ہمارے کوائف مکمل نہ ہوں گے۔ بہر حال صورت حال جونسی بھی ہو اتنا یاد پڑتا ہے کہ جب حضرتؒ کو اس بات کا علم ہوا تو ذمہ داروں کو بلایا اور انہیں تاکیداً فرمایا کہ یہ لوگ مدینہ منورہ سے آئے ہوئے مہمان ہیں ان کو فوراً داخلہ دے دو، ایسوں کیلئے کسی شرط وقاعدہ اور عدم گنجائش کا ضابطہ نہیں ہے پھر سب حضرات کو تاکیداً ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کے مہمانوں کے داخلہ کا خصوصیت سے اہتمام کیا جائے اور انہیں خصوصی کمرہ بھی دیا جائے چنانچہ حضرتؒ کے تاکیدی حکم کے مطابق ہمارے ساتھ امتیازی سلوک کیا گیا۔ (خصوصی نمبر ص ۱۸۲)

مدینہ طیبہ کا اتنا احترام صرف اسی وجہ سے ہے کہ مدینہ کو نسبت ہے۔ آقا دو جہاں محمد عربی ﷺ سے، مدینہ وطن ہے محمد عربی ﷺ کا۔

گر چہ خوردیم نسبتے است بزرگ

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

مولانا ظفر الحق حقانی فرماتے ہیں،

''ایک بار کوئی صاحب مدینہ منورہ سے کھجور آپ کی خدمت میں لائے عصر کا وقت تھا۔ آپ نے انہیں اپنی آنکھوں سے لگایا، چوما اور فرمایا کہ یہ حضور ﷺ کے شہر محترم سے آئی ہیں ...... جیب الٰی قلبی جیب جیب شہر خوباں سے بھی کس قدر پیار تھا۔

خاک یثرب از دو عالم از دو عالم بہتر ست
خوشتر آں شہرے کہ آنجا دلبر ست

راقم کا سینکڑوں ہزاروں بار کا مشاہدہ ہے جب بھی کبھی آقائے نامدار ﷺ کا اسم گرامی آپ کے سامنے لیا جاتا تھا تو آپ خفیۃً فرماتے فداہ ابی وامی ﷺ آپ یہ بھی چپکے چپکے فرماتے تھے کہ کوئی سن نہ پائے میں آپ کے بالکل قریب ہوکر بمشکل یہ جان سکا۔

ے ورد زبان و مونس جان ست نام یار
یک دم نمی رود مکرر نمے شود

(خصوصی نمبر ص ۲۷)

سلف صالحین اور بالخصوص ہمارے اکابر علماء دیوبند کو مدینہ طیبہ سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ قافلہ علماء دیوبند کے سرخیل مولانا قاسم نانوتویؒ مدینہ طیبہ سے کئی میل دور گنبد خضرا کو دیکھتے ہی اونٹ سے اتر جاتے جوتے اتار لیا کرتے تھے اور برہنہ پا چلنا شروع کردیتے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ نے تمام عمر سبز رنگ کا جوتا صرف اس وجہ سے نہیں پہنا کہ روضہ رسول کا رنگ سبز ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مدینہ منورہ کے کھجوروں کی گھٹلیوں کا سفوف بنا کر رکھ لیتے اور کبھی کبھار استعمال فرماتے۔ اکابرین علماء دیوبند میں سے کئی حضرات نے صرف اس وجہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کی کہ ے ہو مدفن میرا نبی کی گلی میں

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ ان خوش نصیب لوگوں میں ہیں جن کی آرزو پوری ہوئی اور وہیں دفن ہوئے

ے عارفی بس اب یہی ہے آرزوئے زندگی
کاش میرا شغل ہو ہر دم طواف کوئے دوست

حضرت شیخ الحدیثؒ بھی تو اپنے اکابر کا عکس جمیل تھے۔ مدینہ منورہ سے نسبت و محبت انہیں اپنے اکابر اور اساتذہ سے ورثہ میں ملی۔ ان کی ہر ادا سے مدینہ منورہ سے محبت اور حضور ﷺ سے والہیت ٹپکتی تھی۔

نگاہوں سے برستی ہے اداؤں سے ٹپکتی ہے
محبت کون کہتا ہے کہ پہچانی نہیں جاتی

کوچہ محبوب کی زیارت کی روئیداد

الحاج حبیب الرحمٰن صاحب مدینہ منورہ کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''لوگوں کا بے حد ہجوم تھا ٹرانسپورٹ کا مسئلہ بڑا کٹھن تھا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے مجھے حکم فرمایا ساتھیوں کیلئے ٹرانسپورٹ کا انتظام کر دیں میں جب اس سلسلہ میں آگے بڑھا تو یہ کام آسان نہ تھا، کارے وارد بڑی پریشانی ہوئی، اتفاقاً ایک عرب نوجوان سے انگریزی میں بات ہوئی، میں نے عرض کیا میرے ساتھ ضعیف ساتھی ہیں مکہ مکرمہ تک ان کے پہنچانے کا انتظام کر دیں۔ انہوں نے میری بات سمجھ لی اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ حضرتؒ کی دعا و توجہ کی برکت اور کرامت تھی کہ انہوں نے بس نمبر دیدیا اور تاکید کر دی کہ سامان اس گاڑی میں پہنچا دو اور ساتھیوں کو بٹھا دو۔ میں طبعاً تیز واقع ہوا ہوں اور پھر ایسے ہجوم میں جب کچھ نکلنے کا راستہ بھی مل جائے تو طبعاً طبیعت میں تیزی کا آنا بھی تو فطری بات ہے۔ میں ساتھیوں کے پاس آیا اور جوش مسرت سے اونچی آواز سے کہنے لگا۔ جلدی کرو اور سامان سمیٹو اور فلاں جگہ پر پہنچاؤ...... اور ایسے مواقع پر منتظمین یا خدام یا ذمہ دار ساتھیوں کو ایسا کرنا ہی پڑتا ہے۔ مگر میں نے دیکھا کہ

حضرتؒ نے مجھے اشارہ سے بلایا اور بڑے نرم اور محبت بھرے لہجے میں ارشاد فرمایا۔

''یہ سفر بڑا مبارک اور مقدس سفر ہے۔ یہ مقام بھی مقدس ہے یہ فضا بھی مقدس ہے اتنی اونچی آواز سے بات نہیں کرنی چاہے،، بس حضرتؒ کا یہ اشارہ میرے لئے کافی تھا، الحمد اللہ کہ اس کے بعد کسی بھی جگہ بھی میں آپے سے باہر نہ ہو سکا، تمام سفر میں میری آواز نیچی اور بات کرنے کا لہجہ پست رہا'' فالحمد لللہ علیٰ ذالك''

عشق رسول (ﷺ)

''مدینہ منورہ کیلئے جب ہم روانہ ہوئے تو پھر وہی جوش وہی عشق وہی والہیت اور عجیب کیفیت۔ ۸ روز قیام رہا، حضرتؒ مدینہ منورہ میں بس خاموش ہی رہتے، زیادہ تر وقت خاموشی اور ذکر میں گذرتا، باتیں کم کرتے، نظر عموماً گنبد خضرا پر رہتی۔ حسرت و ارمان اور محبت سے اسے دیکھتے رہتے۔ مکة المکرمہ یا مدینہ منورہ میں گاہے گاہے ارشاد فرماتے، یہ میٹھی میٹھی ہوائیں یہ مبارک، مبارک فضائیں یہ عظمتیں اور کہاں ہم گنہگار، فرماتے ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے خدا جانے پھر زندگی میں نصیب بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔ مدینہ منورہ میں اگر کوئی بات کی تو وہ یہی، مکہ معظمہ میں بھی اگر گفتگو ہوئی تو اس موضوع پر اور مختصر سی، باقی نہ دنیا کا ذکر، نہ اہل دنیا کا۔

(خصوصی نمبر ص ۱۰۶۰)

حضرت شیخ الحدیثؒ کبھی کبھی تصور مدینہ اور عشق مدینہ اور دیار محبوب سے منسوب یہ اشعار پڑھا کرتے،

امر علے الدیار دیار لیلیٰ اقبل ذالجدار و ذالجدار

میرا جب لیلیٰ کے گاؤں پر گذر ہوتا ہے تو کبھی ایک دیوار اور کبھی دوسری دیوار کو بوسہ دیتا ہوں۔

فما حب الديار شغفن قلبي ولٰكن حب من سكن الديار

میری گاؤں سے کوئی محبت نہیں ہے بلکہ مجھے اس گاؤں کے رہنے والی (لیلیٰ) سے محبت ہے۔ ومن مذہبی حب الديار لاهلها

وللناس فيما يعشقون مذاهب

میرے مذہب عشق میں کوچہ محبوب کی محبت ہے اور لوگ عشق و محبت میں جدا ذوق رکھتے ہیں۔

غور فرمایئے کہ حضرتؒ کے دل میں کوچہ محبوب دو عالم ﷺ کی کتنی عظمت، محبت اور عقیدت تھی۔ جب حجاج کا جانا ہوتا یا واپس آنا ہوتا معتمرین حرمین شریفین کیلئے رخت سفر باندھتے یا واپس تشریف لاتے۔ حضرت زبان قال اور زبان حال سے سراپا عشق رسول ﷺ کا نمونہ ہوتے محبت سے رخصت کرتے اور بے چینی سے واپسی کے منتظر رہتے۔

مدینہ کی پھر یاد آنے لگی جنون محبت بڑھانے لگی

نبی کریم ﷺ کا پیغام

حضرت شیخ الحدیثؒ کو قدرت نے عشق رسولؐ کی دولتِ لازوال سے مالا مال کر دیا تھا۔ جب نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سنتے، تو آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی اور تحفہ درود ضرور بھیجتے۔ ایک دفعہ ایک بزرگ عالم دین جو غالباً بلوچستان سے تعلق رکھتے تھے، حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ موصوف مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے حضرت شیخ

الحدیثؒ سے جہاں مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی بہت باتیں کیں، وہیں دوران گفتگو بڑے ہلکے لہجے میں یہ بھی عرض کیا کہ حضرت! مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کو میں نے خواب میں دیکھا، حضور ﷺ نے آپ کے نام پیغام دیا کہ (مولانا) عبدالحق سے کہہ دیجیے کہ کافی وقت سے تمہارا ہدیہ نہیں پہنچ رہا۔ ہدیہ کی تعیین نہ ہوسکی، لیکن غالباً گمان اور خیال یہی ہے کہ حضرتؒ کا درود شریف کا کوئی باقاعدہ معمول تھا اور راس معمول میں مشاغل زندگی کی وجہ سے کوئی کمی واقع ہورہی تھی، کیونکہ سلف صالحین اور اولیائے کرام کی تاریخ میں اس قسم کے واقعات ملتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''اخبارالاخیار'' میں لکھا ہے کہ ایک شخص جو حضرت بختیار کاکیؒ کے متعلقین میں سے تھا، اُس کا نام رئیس تھا کو حضور ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی، نبی کریم ﷺ نے رئیس سے فرمایا کہ.........بختیار کاکیؒ کو ہمارے سلام کے بعد کہنا کہ تم ہر رات جو تحفہ ہمیں بھیجا کرتے تھے، تین رات سے وہ ہمیں نہیں ملا۔ یہ محض عقیدت کا غلو نہیں۔ ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا......... من صلّی علّی نائیاً ابلغته ...... جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔ بعض احادیث میں مروی ہے، کہ بھیجنے والے شخص کا نام بمع اس کے والد کے لیا جاتا ہے۔ فلاں بن فلاں تحفہ درود بھیج رہا ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ بارگاہ رسالتؐ میں

حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی بیماری کے ایام میں بارگاہ رسالتؐ میں ایک خط بھیجا اور حضرتؒ کا یہ خط تاریخ کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں، بلکہ تاریخ

اسلاف میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ عمر بن احمد خربوتی اپنی شرح میں قصیدہ بُردہ کے اس شعر ؎

کم ابراء ت و صبا باللمس راحته

و اطلقت اربا من ریقة اللمم

کے تحت لکھتے ہیں کہ میرے استاد کی اہلیہ محترمہ دل کی بیماری میں مبتلا تھیں۔ ع ''مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی'' کے مصداق علاج معالجہ سے کوئی افاقہ اور آرام نہ ہوا، تو ایک دن میرے استاد نے مجھے فرمایا کہ میری طرف سے امام الانبیا ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک عریضہ اور درخواست لکھیں کہ آپ ﷺ بارگاہ الٰہی میں مریضہ کی صحت یابی کیلئے شفاعت اور سفارش فرمائیں۔ عمر بن احمد خربوتیؒ فرماتے ہیں، میں نے خط لکھ کر حجاج کرام کے حوالہ کر کے بارگاہ رسالت میں بھیج دیا۔ جس دن حجاج مدینہ منورہ پہنچے اور گنبد خضرا پر کھڑے ہو کر وہ خط سنایا، اُسی دن سے مریضہ شفایاب اور صحتمند ہو گئی۔

چونکہ حضرت شیخ الحدیثؒ بھی اکثر بیمار رہتے تھے، خاص کر بینائی پر بہت اثر پڑ گیا تھا۔ اس لئے اسلاف امت کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے مفتی سیف اللہ حقانی سے ادب و احترام سے بارگاہ رسالتؐ میں خط لکھوایا۔ مفتی سیف اللہ حقانی صاحب بیان فرماتے ہیں......

''جب احقر نے وہ خط سنایا تو حضور سیّد دو عالم ﷺ کے ساتھ فرطِ محبت کی وجہ سے آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ خط کے اختتام پر حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا فرزند مَن! اللہ تعالیٰ آپ کو دارین میں سرفراز فرمائیں، آپ نے میری دل کی ترجمانی کی ہے۔

اِس موقع پر اتفاق سے حضرت مولانا سیّد شیر علی شاہؒ صاحب مدنی

دامت برکاتہم مدینہ منورہ واپس تشریف لے جانے والے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے ارشاد کے مطابق وہ خط میں نے مولانا سیّد شیر علی شاہ صاحب مدظلہ کے حوالہ کیا...... جس تاریخ اور جس وقت پر وہ خط وہاں سنایا گیا اس تاریخ اور اس وقت سے حضرت شیخ الحدیثؒ کی حالت میں بہت خوشگوار تبدیلی محسوس ہونے لگی۔

(خصوصی نمبر ص ۲۹۶)

مکتوب گرامی

امابعد! بندہ ضعیف عبدالحق جو اپنی تقصیر اور عجز کا مقر ہے اور اکوڑہ خٹک ضلع پشاور کا رہنے والا ہے، عرض کر رہا ہے کہ میں ضعیف البصر ضعیف السمع، بلکہ تمام قویٰ کے اعتبار سے ضعیف ہوں اور اس کے ساتھ قلیل العلم اور امراض مختلفہ کا مریض ہوں۔ میں نے بہت سے ڈاکٹروں سے رجوع کیا ہے اور مختلف قسم کی ادویہ استعمال کر چکا ہوں لیکن میں اب تک شفایاب نہ ہوا ہوں اور میرا یہ حال ہو گیا ہے، میرا محبوب مشغلہ تعلیم وتعلم مجھ سے چھوٹ گیا ہے، اس لئے آنجناب سے بصد ادب واحترام کے یہ عرض کر رہا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں میری شفاعت فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایمان کامل اور علم واسع اور تمام امراض سے شفاء تامہ نصیب فرمائیں اور یہ کہ مجھ کو تمام اشرار کے شر سے محفوظ فرمائیں اور تعلیم وتعلم کیلئے توفیق عطا فرمائیں اور یہ کہ میری اولاد، اموال واحوال اور ہمارے دارالعلوم حقانیہ اور اس کے مدرسین اور فضلاء، طلبہ ومعاونین اور خدام کو برکات سے

مالامال فرمائیں۔

العارض الفقیر المحتاج الی اللّٰہ
عبدہ عبدالحق عفا عنہ

(خصوصی نمبر ص ۲۹۶)

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے دل کی ہر دھڑکن اور فکر و عمل کا ہر زاویہ محبت اور عشق رسولؐ کا آئینہ دار تھا۔ آپ کے تمام جذبات، فکر و عمل اور ہمہ پہلو زندگی اور اعمال سے محبت رسولؐ ٹپکتی تھی اور آپ کے جینے کا ہدف ذات نبی کریم ﷺ سے گرویدگی۔

ہو نام محمد (ﷺ) لب کیفی پہ الٰہی
جب طائر جان گلشن ہستی سے روان ہو

حضرت شیخ الحدیثؒ اسی محبت و عشق رسول ﷺ کے جذبے سے سرشار جب سفر آخرت کی تیاریاں کرنے لگے اور ہسپتال میں زیر علاج تھے اُس وقت بھی زبان پر ہر وقت نبی کریم ﷺ کا ذکر ہوتا۔

رگ رگ میں محبت ہو رسول عربی ﷺ کی
جنت کے خزانوں کی یہی بیع سلم ہے

سرور کائنات (ﷺ) نجات اور شفاعت کا وسیلہ

صاحبزادہ حامد الحق حقانی اور مولوی عبدالرحمن حضرت شیخ الحدیثؒ کے مرض الوفات کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’کہ ۴ ستمبر کی رات کوئی ڈھائی بجے کا وقت تھا، ہم دونوں حضرت شیخ الحدیثؒ کی چارپائی کے ساتھ کھڑے تھے۔ حضرتؒ پر استغراق اور جذب و کیف کی حالت طاری تھی اور ارشاد فرما رہے تھے، کوئی مانے یا نہ مانے جس طرح بعض لوگ وسیلے سے انکار کا اختلاف رکھتے ہیں، کم از کم میں تو ان لوگوں میں نہیں، میں تو کہتا ہوں کہ ہمارے شفاعت کا وسیلہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ ہیں۔ پھر کتاب الحج کی ایک حدیث پڑھی اور فرمایا جس طرح بندوں اور خدا کے درمیان معافی کا ایک ذریعہ حجر اسود ہے کہ اس کے بوسہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کی نجات اور مغفرت کا ایک ذریعہ حضور اقدس ﷺ ہیں۔ (خصوصی نمبر ص ۸۸۵)

اِک عشق مصطفٰی ہے اُگر ہو سکے نصیب

ورنہ دھرا ہی کیا ہے جہانِ خراب میں

حضرت شیخ الحدیثؒ عقیدت، محبت اور عشق رسول (ﷺ) کے پیکر میں ڈھلے ہوئے بارگاہ رب العزت میں پہنچے تو حضرت محمد ﷺ کی غلامی کا طوق پہن کر ......

میں سرحشر کچھ اس شان سے پہنچا ماہر

شور اٹھا کہ محمد (ﷺ) کا غلام آتا ہے

اتباع سنّت

حضرت شیخ الحدیثؒ فرمایا کرتے تھے کہ کامیابی، فتح مندی اور رضائے الٰہی کے حصول کا واحد زینہ ’’اتباع سنّت‘‘ ہے، صرف اور صرف یہی راستہ ہے، جس پر چل کر انسان دنیا اور آخرت میں درجات عالیہ حاصل کر سکتا ہے

اوراس راستہ کی برکت سے انسان مدارج کمال تک پہنچ جاتا ہے،سنت رسول ﷺ کا راستہ مقبول راستہ ہے۔جو بھی اس راہ پر چلے گا وہ بھی مقبول ہو جائے گا۔　(صحبتے با اہل حق ص ۱۲۴)

خود حضرت شیخ الحدیثؒ کی اپنی پوری زندگی سنت پر عمل اور دوسروں کو سنت کی ترغیب دینے میں گزری۔ ہر وقت عبادت و طاعت ،حسن معاملہ اخلاق و کردار، معاشرت اور عفت و عصمت ،نشست و برخاست ،غرض تمام احوال اور ہر ماحول میں حضور اقدس ﷺ کی طرز زندگی پر ثابت قدم رہے۔ آپ کے جذبہ اتباع سنت اور اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی گزارنے کے متعلق مولانا ظفر الحق حقانی اپنی مشاہداتی رپورٹ میں لکھتے ہیں۔

سنت نبوی (ﷺ) کے برکات

''بارہا میری آنکھوں نے دیکھا جب بھی کسی میدان میں رخصت و عزیمت کا مقابلہ آیا تو آپ کے ہاں عزیمت راجح اور رخصت مرجوح ہوا کرتی تھی ۔فرمایا کرتے فرض تو فرض ہے، جو ہمارے ذمہ ہے ہی ۔ لامحالہ ادا کرنا ہوگا۔ سنت جو فعل نبوی ﷺ ہے اسے بھی ادا کرنا ہوگا اس سے سنت نبوی ﷺ سے عشق کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔جب بھی قومی اسمبلی جاتے سفید دستار زیب سر ہوا کرتی تھی ایک بار چارپائی پر تکیہ کے سہارے بیٹھے تھے۔سفید جالی دار ٹوپی سر پر تھی ۔مجھ سے اپنی دستار طلب کی ۔عرض کی حضرتِ والا یہ سفید ٹوپی بہت لطف دے رہی ہے۔مسکرا کر فرمایا کہ میں سنت نبوی ﷺ کو کب چھوڑ سکتا ہوں۔آج جو برکتیں اور تھوڑا بہت دین اور علم دین سے واسطہ ہے اور تعلق ہے،اس سنت کی وجہ سے ہے۔

(خصوصی نمبر ص ۲۸۸)

غور کیجیے! اس جذبہ اتباع سنت پر، کیا یہ اس بات کا بیّن ثبوت نہیں کہ اتباع سنت آپ کی فطرت تھی اور آپ طبعاً کوئی خلاف سنت عمل برداشت کر ہی نہیں سکتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ خود فرمایا کرتے تھے۔ جب رسول ﷺ سے محبت لازمی ٹھہری تو اس کی ہر ادا، ہر سنت، ہر قول وفعل اور تمام طور طریقوں پر جان نثار کرنی ہوگی، کیونکہ ان چیزوں کو رسول اللہ ﷺ سے نسبت ہوگئی ہے اور خود رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف نسبت ہے۔

(دعوات حق ج ا ص ۴۹)

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر ادائیں لاکھ اور بے تاب دل ایک

خلاف سنت امور سے طبعی انقباض

سلف صالحین بالخصوص اکابرین علماء دیوبند کا یہ خصوصی وصف تھا کہ زندگی کے ہر موڑ پر سنت مطہرہ کی پیروی اور احیاء سنت کا لحاظ رکھتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ بھی اس قافلہ کے ایک سپاہی تھے۔ سنت کا کتنا پاس اور خیال رکھتے تھے اس کا ایک منظر الحاج حبیب الرحمٰن صاحب کی زبانی سنیئے۔

''جدہ میں حج کیمپ میں جانا ہوا، آخری عشرہ تھا، لوگوں کا بیحد ہجوم تھا، حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کھانا نہیں کھایا؟ چنانچہ ہم لوگ ایک ہوٹل میں گئے، وہاں چھری کانٹے کا انتظام تھا، حضرتؒ نے دیکھا تو ارشاد فرمایا، یہاں کا نظام خلاف سنت ہے۔ انکار کردیا ایک اور ہوٹل میں گئے وہاں چھری کانٹا تو نہ تھا مگر صفائی کا خاص انتظام نہ تھا، مٹکے دیکھ کر حضرتؒ کا جی بھر گیا۔ وہاں بھی کھانا نہ کھایا پھر دوسرے ہوٹلوں میں صحیح انتظام نہ تھا ہم لوگ کھانا کھائے بغیر واپس آگئے۔ میں نے عرض کیا حضرتؒ! پی آئی اے والوں نے راستے میں جو ڈبے دئے تھے۔ ان میں سے ایک ڈبہ میرے پاس

رہ گیا ہے، ارشاد فرمایا، ہاں ان کا نظام درست تھا، چیز بھی صاف ستھری تھی خلاف سنت کا ارتکاب نہیں ہوتا چنانچہ میں نے وہ ڈبہ پیش کر دیا اور اس پر اکتفاء کیا گیا۔ (خصوصی نمبر ۱۰۶۰)

سیر الاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے پیر ایسا ہونا چاہیئے کہ جو احکام شریعت وطریقت اور حقیقت کا علم رکھتا ہو اور جب ایسا ہوگا تو وہ کسی خلاف شرع امر کام کے لئے نہ کہے گا۔ قافلہ دیوبند کے سرخیل مولانا نانوتویؒ وارنٹ گرفتاری کی خبر سن کر تین دن روپوش رہے، چوتھے دن باہر تشریف لائے، تو احباب نے دوبارہ روپوشی کی ضرورت پر زور دیا۔ آپ نے فرمایا تین دن سے زیادہ روپوشی سنت سے ثابت نہیں، لہٰذا میں مزید روپوش رہ کر خلاف سنت عمل نہیں کرسکتا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ بھی اپنے اکابرین کے نقش قدم پر ساری زندگی سنت پر عمل پیرا رہے۔

ذوق وشوق دل کا مدت سے تقاضا ہے یہی
جان ودل میں جذب کرلوں ہر ادائے خوئے دوست

سنّت نبوی کی عجیب مطابقت

حضرت شیخ الحدیثؒ در کفے جام شریعت اور در کفے سندان عشق کا بہترین نمونہ تھے اتباع سنت گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ اختیاری اور غیر اختیاری طور پر وہ پیروی سنت کا مظہر اتم تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کا درج ذیل واقعہ اس بات کا بین ثبوت ہے حضرت مولانا سمیع الحق راوی ہیں کہ

"۱۳/ اکتوبر ۱۹۵۵ء مطابق صفر ۱۳۷۵ھ دارالعلوم کے دارالحدیث کی بنیادیں بھری جارہی ہیں ۳۰، ۳۵ مزدور آج کام کررہے ہیں۔ آج والد ماجد اور دیگر اساتذہ طلباء وارا کین نئی زیر تعمیر عمارت میں تشریف لے گئے۔ بنیادیں چونے گارے سے بھر گئی

ہیں ۔ باضابطہ سنگ بنیاد رکھنا تھا، ایک پتھر منتخب کیا گیا والد ماجد اور صدر صاحب (مولانا عبدالغفور سواتی) اور دیگر حاضرین نے طویل خشوع وخضوع سے دعا کی، قبولیت کے آثار نمایاں تھے والد ماجد نے سنت نبوی ﷺ کے اتباع میں پتھر ایک چادر میں رکھنے کی تجویز پیش کی اس پر سب خوش ہوئے اساتذہ، طلباء سب نے مل کر پتھر اٹھایا پھر نہایت عاجزی سے والد ماجد نے دعا کی اور واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسماعیل ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم ،کاورد کرتے رہے۔سب آمین کہہ رہے تھے۔ پھر سارے حاضرین نے حضرت صدر صاحب کے کہنے پر تین مرتبہ ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم پڑھا اور سب نے عاجزی اور خشوع سے دعا کی اس وقت قبولیت کے آثار نمایاں تھے۔

ایک کیفیت و سرمستی سب حاضرین پر طاری تھی ، عجیب دلکش منظر تھا پھر والد ماجد اور حضرت صدر صاحب (مولانا عبدالغفور سواتیؒ) نے مل کر پتھر چادر سے اٹھایا اور موجودہ دارالحدیث کی مغربی سمت کے شمالی کونے میں رکھ دیا۔ خداوند کریم اس عمارت کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر علوم و معارف الٰہیہ کی نشر واشاعت و حفاظت اسلام کا ذریعہ بنادے''۔ (خصوصی نمبر ص ۶۱)

خلاف سنت امور پر تنبیہ کا مشفقانہ انداز

مولانا حافظ راشد الحق بیان کرتے ہیں

''حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹا! باہر سے کسی حجام کو بلاؤ کافی دن ہوئے ہیں، سنت اور حجامت نہیں بنائی ، میں حجام کو ساتھ لایا اس

نے حجامت وغیرہ بنائی اور ناخن بھی کاٹے تو میں نے حجام سے کہا کہ داڑھی کے بال اور کچھ ناخن مجھے دیدو، میں اسے سنبھال کر رکھوں گا۔ اتفاق سے حضرت شیخ الحدیثؒ نے یہ سن لیا اور مجھ سے بڑے نرم انداز سے فرمایا کہ بیٹا! یہ کیا کر رہے ہو یہ بدعت ہے ناجائز ہے ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ انہیں باہر کہیں زمین میں دفن کردو۔

(خصوصی نمبر ص ۱۱۷۸)

جوش عشق اور جذبہ محبت میں بھی شریعت کو مقدم رکھنا چاہیئے جذبہ شوق وعشق میں شریعت کے خلاف اٹھنے والا ہر قدم درحقیقت محبت نہیں بلکہ بدعت ہے اور بدعت سے ہدایت کی نہیں ضلالت کی راہ کھلتی ہے۔ اس لئے حضرت شیخ الحدیثؒ ایسے نئے طریقوں پر جن کا ثبوت شریعت سے نہیں ہے، کلیۃً اجتناب کی تاکید فرماتے تھے!

؎ محبت کے آئین ہیں سب پرانے
خبردار ہوں اس میں جدت نہیں ہے

سنت کا تمام تر تعلق محمد عربی ﷺ کے افعال سے ہے جن افعال پر آپ نے ہمیشگی اور مدامت فرمائی وہ آپ کی سنت بن گئی،،۔

؎ مبارک عاشقوں کے واسطے دستور ہو جانا

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک تم ان دونوں پر مضبوطی سے قائم رہو گے، گمراہ نہ ہو گے۔ وہ دو چیزیں اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔

؎ خلاف پیمبر کسے راہ گزید　که هرگز به منزل نه خواهد رسید

اصلاح کا حکیمانہ انداز تبلیغ

مولانا سمیع الحق اپنی ذاتی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ

''۲۶ جولائی ۱۹۶۵ء کو شادی بیاہ میں رسوم ورواج کے خلاف مہم کے سلسلے میں والد صاحب یار حسین (تحصیل صوابی) تشریف لے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ رات کو مولانا عبدالحنان صاحب کے فرزند کے ختنہ کی تقریب میں اجتماع سے رسم ورواج سے اجتناب اور شادی وغمی میں بدعات کے خلاف مفصل خطاب فرمایا۔ بالخصوص ختنہ جسے پشتو میں سنت کہتے ہیں میں ناچ گانے کو نہایت قابل ملامت قرار دیا اور فرمایا کہ غضب ہے ایسے فواحش پر سنت کا اطلاق کیا جائے اگر کوئی غیر مسلم ہندو سکھ وغیرہ آپ سے پوچھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے آپ کہیں گے سنت کی تقریب ہے، اس تقریب اور تقریر کا بہت ہی اچھا اثر ہوا، اور صبح نماز کے بعد محلّہ کے اکثر لوگ چھوٹے بچے مسجد میں لے آئے اور ان بچوں کا ختنہ کرایا گیا۔ ایک نشست میں ساٹھ ستر بچوں کا ختنہ ہوا، احیاء سنت کا عجیب نظارہ تھا کہ پٹھانوں نے اپنے رسم ورواج کو پاؤں تلے روند ڈالا۔

احیاء سنت کی ترویج

''رمضان ۷۵ھ میں حاجی محمد زمان خان صاحب مرحوم کی تحریک ومشاورت سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ نے اصلاح رسوم بسلسلہ شادی بیاہ میں نہایت دلچسپی سے آغاز کیا کہ شادیاں شرعی طریقہ سے سادہ طور پر منائی جائیں۔ جہیز کی لعنت کی وجہ سے بے شمار لڑکیاں بیٹھی رہتی تھیں۔ اس سے قبل حاجی صاحب ترنگزئی نے اس ملک میں یہ قدم اٹھایا تھا، وہ اکوڑہ خٹک بھی اس سلسلہ میں تشریف لائے تھے اور ایک دن میں بیس نکاح سادہ طور پر انجام پائے۔ والد صاحب نے اِسی سال عید الفطر کے موقع پر یہ تجویز مدلل

اور مفصل طور پر عوام میں پیش کی۔ وعظ کا خوب اثر ہوا، اور کئی آدمی اس مجمع میں کھڑے ہو کر آمادہ عمل ہو گئے اور اعلان کیا کہ ہم آج ہی بغیر کسی رسم و رواج کے اپنی لڑکیوں کے بیاہنے کیلئے تیار ہیں۔ یہ سلسلہ تمام گاؤں میں بحمدللہ جاری ہوا اور چند دن میں پندرہ نکاح ہوئے۔ والد ماجد ہر تقریب میں ترک منکرات و رسومات کی اہمیت اور اس کی اخلاقی، اقتصادی خرابیوں پر روشنی ڈالتے رہے پھر یہ تحریک آس پاس کے علاقوں میں پھیلی اور پورے علاقہ میں چھا گئی''۔

ے ناز کیا اس پہ کہ بدلا ہے زمانے نے تجھے
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہے

(خصوصی نمبر، ص ۶۱)

حضرت شیخ الحدیثؒ کو سنت سے کس قدر محبت تھی کہ سنت مطہرہ کے خلاف کوئی قول اور عمل گوارا نہیں فرماتے تھے اور سنّت کی ترویج و اشاعت میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ انہیں اتباع سنّت کا اتنا خیال تھا کہ نہ تو اس معاملہ میں غیروں سے کبھی مرعوب ہوئے اور نہ مصلحت کا شکار۔ بلکہ ہر جگہ ہر ماحول میں سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت قدم رہے۔

اہتمام مشورہ

جامعہ حقانیہ کے فاضل و مدرس مولانا ظفر الحق حقانی تحریر فرماتے ہیں
''ایک بار کانفرنس کے دوران بہت سے علماء کرام بشمول سینیٹر مولانا قاضی عبداللطیف صاحب، مولانا اجمل خان لاہوری مولانا زاہد الراشدی جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ حضرتؒ کے پاس بغرض مشورہ تشریف لائے، مشورہ یہ تھا

کہ ایک علماء کونسل بنائی جائے اور علماء کے نام شرکت کی دعوت جاری کی جائے ایک فرد کے نام پر اختلاف تھا جسے شامل کرنے کیلئے مشورہ مطلوب تھا حضرتؒ سے پوچھا گیا کہ انہیں بلایا جائے یا نہ؟ فرمایا آپ حضرات علماء ہیں خود سمجھدار ہیں انہوں نے یہ فیصلہ حضرتؒ کے سپرد کر دیا، حضرتؒ نے مجھے بلایا کہ مجھے غسل خانہ جانا ہے۔ دور جا کر فرمایا، حضرت تھانویؒ کا معمول تھا کوئی نہ ہوتا تو اپنے خادم سے مشورہ کر لیتے، تمھاری کیا رائے ہے۔ عرض کیا میری کیا رائے ہے بات آپ تک محدود ہے آپ خود صاحب رائے ہیں''۔

(خصوصی نمبر ص ۲۲۹)

اس وقت حضرت شیخ الحدیثؒ کی جو رائے ہوگی سو ہوگی (واللہ اعلم) مگر سنت پر عمل فرمایا اور سنت پر عمل کرنے کی برکتیں یقیناً حاصل کی ہوں گی۔ جس سے فیصلہ میں نورانیت، حقانیت اور توفیق ایزدی کی رفاقت شامل حال ہوگئی ہوگی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کو زندگی بھر سنت کا اہتمام رہا حتیٰ کہ وصال کے وقت بھی سنت پر عمل کرنے کیلئے اس طرح بے تاب رہے جس طرح ایام صحت میں تھے اور آخری ساعات میں سنت پر عمل کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

اتباع سنت کا اہتمام

حضرت شیخ الحدیثؒ کے داماد جناب ڈاکٹر داؤد صاحب راوی ہیں:

''کہ ۵ ستمبر کو انتہائی نگہداشت کے کمرہ میں میں حضرتؒ کے ساتھ تھا تو حضرتؒ بار بار چارپائی پر بیٹھ جاتے اور ساتھ رکھی ہوئی پگڑی کو بڑے اہتمام سے اپنے سر پر باندھنا شروع کر دیتے۔ اسی دوران جب ایک مرتبہ غلبہ حال اور استغراق کی کیفیت طاری ہوئی تو ارشاد

فرمایا: ''ہمارا عصا لے آؤ، ہم تو سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے پیش نظر جا رہے ہیں، صرف پانچ منٹ ہی تو لگیں گے، سنت کی اتباع بہت ضروری ہے''۔

تو اس دوران بخار کی شدت کی وجہ سے ہمیں اُن کی ٹوپی اور پگڑی اتارنی پڑی تھی، حضرتؒ نے یکدم فرمایا میری پگڑی کہاں ہے؟ میں نے کہا آپ کو بخار ہے اُسے ہم نے آپ کے ساتھ ہی میز پر رکھ دیا ہے، فرمایا! اگر ایک لمحہ بھی سنت پر عمل کے بغیر گذر جائے تو بہت بڑا خسارہ ہے۔ مجھے فوراً پگڑی اور عصا دے دو اور بخار ہونے کے باوجود انہوں نے پگڑی سر پر باندھ کر عصا کو چارپائی کے ساتھ لگا دیا میں افسردہ دوسرے کمرے میں چلا گیا، جہاں پر مولانا سمیع الحق پروفیسر محمود الحق، حضرت مولانا انوار الحق اور اظہار الحق اور میری اہلیہ تشریف فرما تھیں، اُن کو بتایا تو انہیں یقین ہو گیا کہ حضرتؒ رحلت فرمانے والے ہیں اور ہم سب نے تلاوت شروع کر دی۔

(خصوصی نمبر ص ۹۱۳)

حضرت شیخ الحدیثؒ نے اسی بیماری کے دوران وصال فرمایا گویا حضرت شیخ الحدیثؒ بزبان حال فرما رہے تھے ....

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

باب ۱۴

دعوت و تبلیغ

دعوت تبلیغ کارنبوت اور حکم خداوندی ہے۔دعوت وتبلیغ کے چند بنیادی آداب و خصائص ہیں۔پیغمبرانہ فکر، مخاطب کی شفقت، نرمی وحکمت اور مجادلہ حسنہ جوشخص ان آداب اور اصولوں سے واقف نہ ہو، اس کی دعوت بے اثر اور بے نتیجہ رہتی ہے۔حضرت شیخ الحدیثؒ کی ساری زندگی عملاً دین اسلام کی ترغیب، تبلیغ وترویج اور اشاعت کا چلتا پھرتا نمونہ تھی۔حضرت شیخؒ کا انداز تبلیغ مذکورہ اصولوں کے مطابق ہوتا تھا۔اپنے زمانہ طالب علمی کے حالات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا!

شودروں میں دعوت وحکمت

''کہ جن دنوں میں ہم (دارالعلوم دیوبند میں) تھے تو سب سے اوّل مقصد تو پڑھائی کا تھا کہ پڑھیں اور سیکھیں۔اس کے علاوہ ہندوؤں کا، جن کی یہ تحریک تھی کہ شودروں کو وہ ایک سلسلہ چلا تھا اور لوگ چاہتے تھے کہ عیسائی بن جائیں اور ہندو چاہتے تھے کہ ہندو بن جائیں، تو ہم طالب علم ایسا کرتے کہ وہاں جمعہ کی رات کو جاکر اسلام کی خوبیاں بیان کرتے اور مقصد یہ ہوتا تھا کہ شودر عیسائیت یا

ہندوؤں کی گود میں جانے کے بجائے اسلام قبول کرلیں۔ یہ اساتذہ کی برکتیں تھیں کہ ہماری دعوت وتبلیغ کا انداز اتنا نرم، سہل اور اتنا مصالحانہ تھا کہ ہمارے مسلسل اس عمل سے کبھی بھی کبیدہ خاطری کی بحث ومناظرہ، دنگاہ وفساد اور جھگڑے کی نوبت نہیں آئی۔

(خصوصی نمبر ص۴۲)

سلف صالحینؒ کو اللہ تعالیٰ نے دعوت وتبلیغ کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا، جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ سے محفل میلاد کا حکم پوچھا گیا تو فرمایا نہ تو برا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں اور نہ اتنا اچھا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔ یعنی کچھ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ بس میلاد پڑھ لو نماز، روزہ کی چھٹی اور بعض لوگ میلاد پڑھنے کو کفر خیال کرتے ہیں۔ ایسی بات بھی ٹھیک نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے ایک شخص نے سوال کیا۔ حضرت فاحشہ اور بازاری عورت کی نماز جنازہ ادا کی جائیگی یا نہیں؟ آپ نے عجیب جواب دیا۔ فرمایا! جو اس کے آشناؤں کا حکم ہے وہی اس کا حکم ہے۔

حضرت شیخؒ کو دعوت وتبلیغ سے فطری مناسبت اور طبعی لگاؤ تھا۔ ایک بار بعد نماز عصر دعوت وتبلیغ کی اہمیت، ضرورت اور عظمت بیان کرتے ہوئے

دعوت وتبلیغ، عظمت واہمیّت

ارشاد فرمایا! احادیث میں تفصیل سے یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت حمزہؓ جو آنحضرت ﷺ کے چچا ہیں، ان کے قاتل وحشی ہیں، جنہوں نے غزوۂ احد میں حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ ناک، کان اور دیگر اعضائے رئیسہ کاٹ ڈالے تھے اور جگر نکال کر گلے کا ہار بنایا تھا، پھر وہ مکہ چلا گیا۔ جب مکہ فتح ہوا تو بوجہ خوف کے وہاں سے بھاگ کر طائف چلا گیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے طائف کا محاصرہ فرمایا......

طائف ایک مضبوط قلعہ تھا اس کے اردگرد تمام علاقہ مسلمانوں کا تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے یہ خیال فرمایا: کہ اب چاروں طرف سے اسلامی حکومت ہے اس لئے ان کا محاصرہ ضروری نہیں۔ آخر یہ لوگ جائیں گے کدھر؟ اس لئے محاصرہ چھوڑ دیا۔

اہل طائف کو خیال ہوا کہ ہم مسلمانوں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے اس لئے مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لینی چاہیئے اور اسلام قبول کر لینا چاہیئے۔ لہٰذا انہوں نے اسلام قبول کرنے کیلئے ایک وفد تیار کیا جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اب قاتل وحشی کو جان کے لالے پڑ گئے کہ اس کے بعد کوئی بھی جائے پناہ نہیں۔ لہٰذا وہ بھی وہاں کے لوگوں کے مشورہ سے منہ چھپائے وفد کے ساتھ آ گئے۔ صحابہؓ نے دیکھا تو چاہا کہ اس کی گردن اڑا دیں مگر آنحضرت ﷺ کے اشارہ ابرو کے منتظر تھے اور جب صراحۃً اس کی اجازت چاہی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اگر ساری دنیا کفار سے بھر جائے اور تلوار اُٹھا کر تم سب کو قتل کر دو اور جہاد کرو تو یہ بڑا جہاد ہے۔ ثواب بھی ہے اور بڑا ثواب۔ لیکن اس کے مقابلہ میں تبلیغ اور دعوت و ترغیب سے ایک آدمی کو مسلمان بنالو اور وہ لا الہ الا اللہ پڑھ لے تو اس کا ثواب ساری دنیا کے کافروں کے قتل کرنے سے زیادہ ہے...... وحشی نے کلمہ پڑھ لیا تو جنتی ہوا۔ اس کے سارے گناہ معاف ہو گئے الاسلام یهدم ماكان قبله۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۳۴۹)

تبلیغی جماعت ایک عالمگیر اسلامی تحریک

حضرت شیخ الحدیثؒ کو مولانا محمد الیاسؒ کی تبلیغی جماعت سے بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ فرمایا کرتے: دعوت و تبلیغ کا فریضہ یہ جماعت بڑے احسن

طریقے سے انجام دے رہی ہے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا!

دور نہ جایئے صرف تبلیغی جماعت کو دیکھ لیجئے اسی دور میں آج سے تقریباً نصف صدی قبل اس کی بنیاد رکھی گئی، کسے کیا خبر تھی کہ یہ ایک روز عالمگیر تحریک بن جائے گی۔ آج نقشہ تمہارے سامنے ہے یہ عظیم اور وسیع ترین جماعت، عالمگیر جماعت بن چکی ہے۔ پہلے گاؤں گاؤں مجالس وعظ منعقد ہوتے تھے۔ سالوں میں کہیں کسی واعظ کی تقریر سنی جاتی تھی مگر تبلیغی جماعت نے ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر ہر محلہ میں وعظ و تبلیغ کی دعوت و تحریک چلائی۔ یہ سب اکابر دیوبند کی برکات و توجہات کا ثمرہ ہے۔ (صحبتے با اہل حق صفحہ ۲۱۱)

پیکر صبر و تحمل

دعوت و تبلیغ انبیاء کرام کی نیابت ہے۔ جملہ انبیاء علیھم السلام کو اس راستے میں ستایا گیا، گالیوں اور طعنوں سے انہیں برانگیختہ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن انہوں نے بزبان حال فرمایا:

حاضر ہیں میرے جیب و گریبان کی دھجیاں
اب اور کیا تجھے دل دیوانہ چاہیئے

سلف صالحین نے بھی اس راستے میں پتھروں کے جواب میں مخالفین کے دامن پھولوں سے بھر دیئے۔ دعوت و تبلیغ اور صبر و تحمل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا......... وَامُر بِالمَعرُوفِ وَانہَ عَنِ المُنکَرِ وَاصبِر عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ط...... امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کرتے رہیئے اور اس راستے میں جو تکالیف آئیں ان پر صبر کریں۔ اللہ کریم نے سورہ عصر میں ارشاد فرمایا! وَ تَوَاصَوا بِالحَقِّ وَ تَوَاصَوا بِالصَّبرِ...... حق کی تلقین اور اس کے بدلے آنے والے

مصائب پر صبر ہی اخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔ ہمارے اسلاف اور اکابر کے صبر وتحمل کا یہ حال تھا کہ پہاڑوں کا طرح ژالہ باری سے بے نیاز اپنی جگہ ثابت قدمی سے کھڑے تھے۔ جن لوگوں نے حضرت شیخ الحدیثؒ کی نشست و برخاست، رہن سہن اور بود و باش کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، انہوں نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو صبر وتحمل کا پیکر پایا۔ حضرت مولانا قاضی عبدالحلیم صاحب حضرتؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، وہ اپنے دور طالب علمی کے واقعات بیان کرتے ہیں:

صبر وتحمل کا مظہر اتم

''زمانہ طالب علمی کا ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ ہم طلبہ کی ایک جماعت شہر کی مسجد میں قیام پذیر تھی روٹی کم ہو جایا کرتی تھی، طلبہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت سے کھانے کے اضافہ کا مطالبہ کریں گے، ایک شخص کو امیر بنایا اور ہم لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت دارالعلوم کے اوّلین ارکان حضرت حاجی محمد یوسفؒ وغیرہ کے ساتھ اپنی بیٹھک میں تشریف فرما تھے، کچھ پشاور کے مہمان بھی تھے۔ ہمارے امیر نے جو حضرتؒ سے روٹی کے اجراء کے سلسلے میں باتیں کیں وہ باتیں نازیبا اور ناشائستہ تھیں، مگر حضرت شیخ الحدیثؒ بڑے صبر وتحمل سے سنتے رہے۔ اس طالب علم نے یہاں تک کہا کہ تم ممبرانِ مدرسہ، مدرسہ کی رقم کھاتے ہو اور مستحق طلبہ کے ساتھ کوئی مدد نہیں کرتے ہو، پھر کہا، اگر ہمارا مزید کھانا جاری نہ ہوا تو ہم مدرسہ چھوڑ کر دوسرے مدرسہ میں چلے جائیں گے۔ میں خود ذاتی طور پر بے حد نادم اور شرمندہ تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اے کاش! میں زمین میں گڑ جاتا مگر یہ منظر نہ دیکھتا...... حضرتؒ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں مگر

صبر وتحمل اور برد باری کا ایسا مظاہرہ کیا کہ منہ سے بات تک نہ کی۔
وَالـکَاظِمِینَ الغَیظَ وَا لعَافِینَ عَنِ النَّاس ...... کا مظہراتم
بنے بیٹھے تھے، آخر میں اتنا فرمایا:

''عزیزو! وہ دوسرا مدرسہ بھی تو ہمارا اپنا مدرسہ ہے اگر وہاں جانا ہے اورر آپ کی تعلیمی ترقی ہوتی ہے تو اس سے ہمیں مسرت ہوگی جب ہم اٹھنے لگے تو آپ نے حضرت ناظم مولانا سلطان محمود مرحوم سے فرمایا کہ ان کیلئے لنگر سے کھانا جاری کردو''۔

(خصوصی نمبر ص ۲۳۵)

طنز وطعن سے احتراز

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ایک موقع پر فرمایا۔ یہ علم نہیں کہ دوسروں کے عیب تلاش کیئے جائیں، نہ ملیں تو وضع کرلیئے جائیں پھران میں طعن وطنز کے آب وگل سے چمک پیدا کی جائے۔طعن وطنز تو کمزور انسانوں کی بیمار زبانوں کا ہذیان ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی طعن وطنز تو دور کی بات ہے، کبھی کسی کا گلہ، شکوہ اور شکایت بھی نہیں کی۔ بلکہ اکثر و بیشتر اپنے مخالفوں کو اچھے الفاظ سے یاد کرکے ان کی داد وتحسین کرتے رہے۔ اپنے مخالفین کے اعتراضات کا بھی جواب نہیں دیا۔

تنقید سننے اور ہضم کرنے کا تحمل

حضرت مولانا الطاف الرحمٰن بنوی لکھتے ہیں کہ

''کسی زمانے میں مولانا مفتی محمد یوسف صاحبؒ دارالعلوم حقانیہ کے مدرس تھے وہ نہ صرف جماعت اسلامی سے وابستہ بلکہ مولانا مودودی مرحوم کے علمی مشیر یا وکیل کا درجہ رکھتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ کئی اختلافی مسائل کی وجہ سے علماء کا ایک بڑا طبقہ مولانا مودودی

مرحوم پر سخت برہم تھا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم نہ صرف اس برہمی میں پیش پیش تھے بلکہ انہی کی مساعی سے پاکستان کے عامۃ المسلمین خصوصاً مدارسِ دینیہ کے طلبہ میں مولانا مودودی مرحوم کے ساتھ رشتے و تعلق کو بہت ناپسند قرار دیا جاتا تھا، خدا معلوم اسی رشتے و تعلق کی وجہ سے یا کسی دوسرے عارض کی بناء پر حضرت شیخ الحدیثؒ نے مفتی صاحب کو دارالعلوم حقانیہ کی مدرسی سے سبکدوش کیا تھا۔ مفتی صاحب نے حضرتؒ کے اس فیصلے کے خلاف ایک کتاب لکھی، احقر نے خود اس کتاب کو دیکھا نہیں لیکن سنا تھا کہ اس میں قضا علی الغائب کے عدم جواز کو حضرتؒ کے فیصلے کی غلطی کی بنیاد بنایا گیا تھا اس قضیئے کا یہ تمام سلسلہ دارالعلوم حقانیہ میں میرے داخلہ لینے سے پہلے گذر چکا تھا۔ جو کچھ مقصود بیان ہے وہ یہ ہے کہ کسی نے مفتی صاحب کی اسی کتاب کا رد لکھا تھا۔ حضرتؒ کے متعلقین میں سے کسی صاحب نے دفتر دارالعلوم میں اس جوابی کتاب کے ذکر سے حضرتؒ کو متوجہ کیا اور پھر کسی قدر جذباتی انداز میں یا اس کے قریب المفہوم کوئی جملہ کہا ''اُن کا خیال ہے کہ ہر کوئی ان کے مقابلے میں سکوت ہی اختیار کرے گا'' وہ صاحب اس پر مزید تبصرہ کرنے کے موڈ میں دکھائی دے رہے تھے، لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ کی معنی خیز خاموشی اور آنکھوں سے برستی ہوئی ناگواری نے اُن کو باز رکھا۔ اگرچہ کسی کی ہیئت و ادا سے اُس کے منشاء و مقصود پر استدلال کرنا اچھی خاصی ذہانت اور تجربے کے بعد ہی ممکن ہے۔ جبکہ ذہانت کی قابلِ لحاظ مقدار کیلئے تو احقر آج بھی ترس رہا ہے۔ اُس وقت کیا ہوتی اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے بارے میں اس وقت تک تجربہ بھی حاصل نہ

تھا، لیکن حضرتؒ کی یہ ہیئت و ادا دلالت میں اس قدر واضح تھی کہ اس کا منشاء سمجھنے میں کوئی ہچکچاہٹ پیش نہ آئی اور بعد کے تجربات نے تو اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے یہ تلمیذِ رشید اپنے استاذ کی طرح کسی کو بھی اپنے سے حقیر و کمتر سمجھنے اور قرار دینے کے روادار نہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ نہ صرف تنقید سننے کا تحمل تھا بلکہ بڑی آمادگی کے ساتھ اس کو ہضم کرنے کا حوصلہ بھی تھا۔ کیا حقیقی تواضع کے بغیر عملاً اس رویئے کو اپنانا آسان ہے۔ (خصوصی نمبر ص۲۰۲)

گالی کا جواب دعا سے

حضرت مولانا ذاکر حسن نعمانی فرماتے ہیں: ہم نے حضرت شیخؒ کو صبر و تحمل کا پہاڑ پایا۔ ہر قسم کی مشکلات پر صبر کیا، کسی نے گالی بھی دی تو جواب نہیں دیا کبھی کسی کو بد دعا نہ دی، نہ کسی سے انتقام لیا۔ بلکہ مخالفین کا تذکرہ کرنا تو کجا اپنی محفل میں اُن کی شناعت سننا بھی گوارا نہ تھی اور نہ کسی کو اس کی جرأت ہوتی تھی۔ البتہ مخالف کو اللہ تعالیٰ نے سزائیں دی ہیں، لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ نے خود اپنی زبان سے تکلیف دہ لفظ نہیں نکالا۔

''مجھے میرے ماموں نے قصہ سنایا کہ ہمارے گاؤں میں حضرت شیخ الحدیثؒ ایک جنازہ پڑھانے کیلئے تشریف لائے تھے، نماز جنازہ کے بعد ہمارے گاؤں کے ایک بڑے عالم نے دورانِ تقریر حضرت الشیخؒ کے خلاف زبان استعمال کی تو ہمارے ایک رشتہ دار عالم کھڑے ہوئے اور اس عالم کو زبردستی بٹھا دیا اور اعلان کر دیا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ تشریف لائے ہیں، وہ خود تقریر کریں گے۔ حضرتؒ جب تقریر کیلئے کھڑے ہوئے تو لوگوں پر سناٹا چھا گیا کہ خدا

جانے حضرتؒ جوابی تقریر میں کیا فرمائیں گے! لیکن قربان جاؤں حضرتؒ کے صبر وتحمل پر کہ اُس عالم کو صراحۃً تو کیا اشاروں اور کنایوں تک جواب نہ دیا، سارے لوگ حیران تھے کہ حضرتؒ نے کیونکر ناخوشگوار فضا کو خوشگوار بنادیا۔

الیکشن کے دوران مخالفین کے بے لگام زبانیں ہر طرح چلتی تھیں لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ ہی تھے کہ بس دعائیں ہی دیتے تھے۔

(خصوصی نمبر صفحہ ۲۱۲)

باب ۱۵

ارشادات اور افادات

تعلیم دین، علوم نبوت کی ترویج واشاعت، قرآنی معارف کی خدمت، آدم گری و آدم سازی اور رجال کار کی تربیت پر خصوصی توجہ کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الحدیثؒ کی مجالس، عام گفتگو، مواعظ جمعہ اور عام خطبات، ہدایت وارشاد، اصلاح انقلاب امت اور صفائے باطن میں اکسیر ہوا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی ایک مجلس عام بعد العصر ہوا کرتی تھی جس میں ہر طبقہ کے آدمی کو حاضر ہونے اور استفادہ کرنے کی اجازت تھی۔ ان مجالس کا کوئی مستقل یا متعین موضوع یا اس وقت کی گفتگو کوئی مستقل درس کی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ احقر اس مجلس میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے علوم و معارف کے وسیع قلم رو سے رنگارنگ پھول اکٹھے کرتا رہا جو بالآخر صحبتے با اہل حق کی روپ میں ڈھل کر منظر عام پر آگئی۔ علاوہ ازیں حضرت شیخ الحدیثؒ کے خطبات جمعہ اور تقاریر کو مولانا سمیع الحق مدظلہ نے دعواتِ حق کے نام سے اس طرح مرتب کیا ہے کہ ہر موضوع پر حضرت شیخ الحدیثؒ کے خیالات اور افادات کھل کر سامنے آگئے ہیں۔ ذیل میں صحبتے با اہل حق اور دعواتِ حق سے چند اقتباسات نذر قارئین ہیں۔

ایمان کی حقیقت :

ارشاد فرمایا :-

" بھائیو! ایمان دل سے یہ کہہ دینا ہے کہ یا اللہ میں آپ کے ہر حکم کے سامنے گردن نہاد ہوں' میرے رگ و ریشہ میں آپ کی محبت ہے' میں ہر لحاظ سے آپ کی تابعداری کروں گا' آپ کا غلام رہوں گا اور ماننا بھی ایسا کہ محبت بھی ہو' دل کی بشاشت بھی ہو۔ اگر پیشانی پر بل ہیں' دل میں تنگی ہے تو ایسی غلامی قبول نہیں۔ خدا اور رسولؐ کے احکامات کے سامنے اپنے آپ کو ایسا کر دے جیسے مردہ بدست غاسل۔ میری کوئی رائے نہیں' حرکت نہیں' سرتابی کی مجال نہیں' وہی کروں گا جو خدا کہے گا۔ بس یہی ایمان ہے۔" (دعواتِ حق' ص ۶۸)

صحابہؓ پر قرآن کے انقلابی اثرات :

ارشاد فرمایا :-

" آج خدا کی قسم ساری دنیا اور ساری قومیں ابوبکر صدیقؓ کا نمونہ پیش نہیں کر سکتیں۔ حضرت عمر فاروقؓ' حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ' خالد بن ولیدؓ اور حضرت معاویہؓ جیسے قرآن سے مالامال اور سچے عامل نہیں مل سکتے۔ ان کی کایا قرآن نے پلٹ دی۔ بھائیو! عرب کے رہنے والے ریگستان کے بدو دنیا بھر کے مالک بنے اور دین کے لحاظ سے یہ حالت کہ زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا مژدہ سنایا۔ اتنی اچھی حالت جب دین کی برکت سے ہوئی تو دنیا کیوں ان کے قدموں میں نہ ہوتی۔ دنیاوی جاہ و جلال بھی ان کا ایسا تھا کہ قیصر و کسریٰ اپنے محلات میں لرز جاتے۔ اس لئے جہاں دین ہو گا وہاں دنیا ہو گی کہ خادم اپنے مخدوم کے ساتھ رہتا

ہے۔ تو اللہ نے ان کے ہاتھ میں تاج و تخت بھی دیا۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی زندگی قرآن کے سپرد کی۔" (دعواتِ حق، ص ۱۲۶)

علماء و اہل اللہ کی محبت نجات کا وسیلہ ہے :

ایک صاحب کی وفات کی خبر احقر (عبدالقیوم حقانی) نے سنائی۔ ارشاد فرمایا :-

" جی ہاں، بڑے نیک پابند صوم و صلوٰۃ اور درویش صفت انسان تھے اور ان کی سب سے بڑی خوبی اور نیکی یہ تھی کہ ان کو علماء اور اہل اللہ سے بڑی محبت تھی۔ یہ بہت بڑی دولت اور آخرت کا عظیم سرمایہ ہے۔ یہ علماء اور اہل اللہ سے محبت نجات کا اہم وسیلہ ہے۔ دنیا کی کوئی چیز بھی ساتھ لے جانے کی نہیں، بس یہی وہ توشہ ہے جو آخرت میں ساتھ لے جانے کا ہے اور وہیں آخرت میں بھی کام آئے گا۔" (صحبتے با اہل حق، ص ۴۴)

ذکر و عبادت سے تلذذ نہیں، بندگی مقصود ہے :

۱۳/جنوری ۱۹۸۳ء ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! نماز میں کافی دنوں سے حلاوت و عذوبت جو محسوس ہوتی تھی اب ختم ہو گئی ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا جن چیزوں میں حلاوت و مٹھاس ہوتی ہے تو ان کے حاصل کرنے پر انسان کے دل کا میلان ہوتا ہے اور ادھر طبعی رجحان غالب رہتا ہے اور ایسے امور کا انجام دینا لطف اندوز اور آسان ہوتا ہے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ جس میں لذت اور مزہ ہو تو وہ کام آسان رہتا ہے مگر ایسے کام کرنا یا ایسی چیزوں کے حصول اور ایسے فعل کا کرنا کوئی کمال نہیں۔ کیونکہ یہ تو عین فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ کسی کام میں حلاوت نہ ہو اور نہ ہی عذوبت و مٹھاس پیدا ہو، بلکہ طبیعت پر شاق ہو اور پھر بھی صرف خدا کی رضا کے لئے انسان کرتا ہے تو

یقیناً یہ محنت و مشقت اور اس سلسلہ میں تعب عند اللہ بے حد مقبول اور اجر و رضا کا باعث بنے گا۔ ترقی و عروج اور علمی و روحانی کمالات اور عبودیت کے بلند مقامات کا پہلا زینہ یہی ہے کہ جی نہ چاہے اور انسان کرتا رہے۔ مثلاً کوئی حکیم یا ڈاکٹر جب مریض کو تلخ دوا پینے کا کہتا ہے تو اس میں حلاوت اور مٹھاس اگرچہ نہیں ہے لیکن مریض کے لئے اس تلخ دوائی کا استعمال بے حد ضروری ہوتا ہے اور مریض اس کو بخوشی استعمال کرتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ میری صحت اس تلخ دوائی کے پینے میں ہے۔ اسی طرح نماز و عبادت اور ذکر اللہ سے صحتِ روح حاصل ہوتی ہے اور اس یقین سے کہ پروردگار! تیرے در کے سوا میرے لئے دوسرا در نہیں۔ خدایا! لذت و حلاوت ہو یا نہ ہو تیرے حکم کی تعمیل کروں گا' میں عبد ہوں اور میں آپ کا غلام ہوں' ہر حالت میں' میں آپ کی عبدیت اور بندگی کرتا رہوں گا۔ عبدیت کا معنی اور تقاضا بھی یہ ہے کہ ہر حالت اور ہر لحہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتا رہے۔

ارشاد فرمایا: ہم حلاوت کے لئے عبادت پر مامور نہیں اور نہ یہ تمنا ہونی چاہیئے۔ لذت اور حلاوت والی باتوں کی کوئی فکر نہ کریں اور استقلال و دوام کے ساتھ عبادت اور ذکر میں لگے رہیں تو اللہ پاک اپنے قرب سے نوازیں گے۔
(صحبتے با اہل حق' ص ۵۴)

مسلمان ماحول سے نہیں دبتا:

ارشاد فرمایا:-

" قرآن پاک ہمیں اس قسم کے غور و فکر کا سبق نہیں دیتا کہ ہم غیروں سے مرعوب ہو کر ان کی آنکھوں سے قرآن کو دیکھیں۔ آج اسی کروڑ مسلمان تھوک کر بھی یہود کو ڈبو سکتے ہیں مگر مسلمان بجائے فاتح کے

مفتوح ہیں۔اس لئے کہ بجائے اتباع قرآن کے ہم ماحول سے ڈر رہے ہیں کہ جاپان' چین' امریکہ اور روس کا ماحول بدل چکا ہے تو مولوی صاحب! تم بھی ذرا سوچو' ماحول کو بدل دو' تنگ دائرہ میں کیوں بیٹھے ہو' ذرا ماحول کی رعایت کر کے دین میں کچھ نرمی پیدا کرو۔"

(دعواتِ حق' جلد ا' ص ۱۸۵)

اللہ کے حقوق کی طرح حقوق العباد کی ادائیگی بھی لازمی ہے :

حضرت شیخ الحدیثؒ نے ارشاد فرمایا : بندوں کے بھی ایک دوسرے پر حقوق ہیں اور اللہ کے بندوں سے ہمدردی کرنا لازمی ہے۔ مگر آج ان حقوق سے بے پرواہی برتی جارہی ہے۔ دنیا ایک جہنم کدہ بنی ہوئی ہے۔ ہر طرف زیادتی' ظلم و تعدی' حق تلفی اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ قومی جنگ' صوبائی جنگ' انفرادی اور اجتماعی جنگ' ہر طرف لڑائی ہی لڑائی ہے۔ امن و سکون کی مقدار بہت کم رہ گئی ہے۔ گویا آج کا انسان اس سے آگاہ ہی نہیں کہ ایک انسان کا دوسرے انسان پر کیا حق ہے؟ اور اگر ہے تو شاید اسے شریعت کا جز ہی نہیں سمجھتے حالانکہ حقوق اللہ کی طرح بندوں کے حقوق کی ادائیگی بھی ایمان کا لازمی جزو ہے۔

اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتے :

ارشاد فرمایا :-

" اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتے ۔ فرماتے ہیں " الکبریاء ردائی "(بزرگی اور تکبر میری چادر ہے) جو اسے مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں' اوندھے منہ سے جہنم میں جھونک دوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ ہمیں غرور اور تکبر سے محفوظ رکھے۔ کبھی تکبر نہیں کرنا چاہیئے۔ شیطان نے غرور میں آ کر کہا کہ یا اللہ! مجھے قیامت تک زندہ رکھ۔ خدا کی ذات غنی ہے' وہ دشمن

کی بھی دعا قبول کرتا ہے کافر کی بھی، فاسق کی بھی قبول کرتا ہے۔ شیطان نے مہلت مانگی" الیٰ یوم یبعثون " بعثت کے دن تک تو خدا نے کہا کہ اس وقت تک مہلت نہیں البتہ قیامت سے پہلے تک تجھے زندہ رکھوں گا۔ تو اب خدا کے سامنے اکڑ کر کہنے لگا کہ یا اللہ! یہ بنی آدم جو بھی ہیں ان میں سے کوئی مجھ سے جنت میں نہ جانے پائے گا، میں ان کو ہر طرف سے گمراہ کروں گا۔ اب شیطان کی ساری زندگی بغاوت اور سرکشی میں گذر رہی ہے۔ (صحبتے بااہل حق، ص ۳۴۴)

دین کی خدمت سے زندگی ملتی ہے :

ارشاد فرمایا :-

" بڑے بڑے طاقتور حکمران آئے، دین کی خدمت کی تو زندہ رہے اور زندہ ہوگئے۔ عالمگیر آیا، ہارون الرشید آیا، اپنے اچھے کاموں سے آج تک زندہ ہیں۔ جنہوں نے قوم کی خدمت نہیں کی، اسلام کے قانون کو ترجیح نہیں دی ایسوں کی صبح شام کرسیاں بدلتی رہتی ہیں۔ صبح حکومت ہے تو شام کو ہتھکڑی ہے "ان تنصر الله ينصركم "خدا کے دین کی نصرت کے لئے تیار ہو جاؤ۔

خدا تمہاری امداد دنیا، قبر اور آخرت میں کرے گا اور جس نے دین کو ہاتھ میں پکڑ کر اس سے کھیلتا رہا اور تمسخر کرتا رہا تو وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوگا اور آخرت میں بھی۔ (صحبتے بااہل حق، ص ۲۹۳)

انابتِ عملی کی ضرورت :

ارشاد فرمایا :-

" اللہ کے بندو دیکھو تو اللہ سے ڈرو، سختی اور مصیبت میں خدا کی جانب

لوٹ آؤ۔ اپنی گندگی کو آنسوؤں سے دھولو کہ اللہ کی رحمت ہمارے اوپر متوجہ ہو جو بغیر انابت اور توبہ کے ہوتی نہیں۔ صرف زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا کہ مولوی کو رفع آفات کے لئے دعا کا کہہ دیا۔ تم خود تو اللہ کی دعوت قبول نہ کرو' حسد نہ چھوڑو' نہ بے حیائی اور بے عملی اور صرف مولوی صاحب کی دعا سے کام چلے - ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے خدا کا ارشاد ہے: " فلیستجیبوا" کہ تم سب اللہ تعالیٰ کی دعوت قبول کر لو تب تمہاری دعائیں قبول ہوں گی۔ اللہ کے قانون کو مان کر اس کے دربار میں آجاؤ تب رحمت بھی آئے گی۔ بددینی کے تمام کام ترک کرنے ہوں گے تب ملک کو ترقی اور بقا ملے گی۔ (دعوات حق' جلد ۲' ص ۳۸)

قرآن مجید کا حقیقی مطالبہ :

ارشاد فرمایا :-

" آج ہم سیاست کے لئے قرآن کو استعمال کرتے ہیں' ووٹ کے زمانہ میں ہم اس کا نام لیتے ہیں' مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے ہم اس کا نام لیتے ہیں۔ گویا جب قوم پر نزع کی حالت طاری ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں مولوی کو بلاؤ کہ سورۃ یٰسین پڑھ لے۔ بھائیو! یاد رکھیں اگر یہ قرآن ہمارے اخلاق کو بدلے گا' ہماری سیاست' ہمارا کریکٹر' ہمارا تمدن اگر اس کے ماتحت آئیں گے تب ہم قرآن کے ماننے والے ہوں گے۔ قرآن کا ماننا کوئی آسان بات نہیں۔

(دعوات حق' ج ۲' ص ۴۳)

اجتماعی استغفار :

ارشاد فرمایا :-

" آج ہماری ایک مصیبت نہیں' ایک تکلیف اور مشقت نہیں' ایک

مرض نہیں۔ یہ جتنے بھی امراض باطنی ہیں اس کا علاج یہی ہے کہ تم لوگ یہیں سے سب کے لئے کفارہ بن جاؤ۔ صرف اپنے لئے نہیں' سارے اکوڑہ کے لئے' سارے علاقہ خٹک کے لئے' سارے پاکستان کے لئے۔ جتنے بھی مصیبت زدہ ہیں' جتنے بھی معصیت زدہ ہیں ان سب کے حق میں دعائے استغفار کرو۔ اگر ہر شخص قوم کا نمائندہ بن کر ان کے حال پر روئے' سحری کے وقت روئے' استغفار کرے' فرض نماز کے بعد روئے' جمعہ کی نماز کے بعد دعا کرے' اصلاح کی دعا کرے تو انشاء اللہ' انشاء اللہ' انشاء اللہ خدا سب پر رحمت کرے گا۔ (دعوات حق' ج ۲' ص ۷۹)

باب ۱۶

وعظ و خطابت

خطابت صرف ایک فن نہیں بلکہ کئی فنون کا مجموعہ ہے۔ وہ راگ ترنم بھی ہے، ادب و سلاست بھی، اشعار اور جوش و جذبہ بھی، انشاپردازی اور علم واستدلال بھی۔ الغرض خطابت نطق انسان کی معراج ہے اور اس معراج کی بنیاد علم پر ہے۔ خطابت علم چاہتی ہے اور ہر لحظہ علم سے جوان ہوتی ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ بھی خطیب اور واعظ تھے بلکہ خطابت تو انبیاء کرامؑ کی نیابت بھی ہے کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام کو خطیب الانبیاءؑ کہا جاتا ہے۔
اقلیم خطابت کے شہنشاہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے کسی نے پوچھا شاہ جی خطابت کیا ہے؟ شب برأت کا موقع تھا۔ شاہ جی نے جواب دیا آتش بازی۔ احباب ہنسنے لگے۔ شاہ جی نے فرمایا ہنستے کیوں ہو، خطابت آتش بازی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس میں پٹاخے، ہوائیاں، انار اور پھل جڑیاں سب شامل ہیں۔ خطابت اپنا کوئی موضوع نہیں رکھتی لیکن ہر موضوع کے ابلاغ کا نام ہے۔ خطیب وہی کامیاب ہوتا ہے جو عوام کو ان کی سطح سے اٹھا کر اپنی سطح پر لے آئے۔
پھر فرمایا: روانی تقریر کے لئے صیقل ہے اور ذہانت تلوار کی کاٹ ہے، ظرافت اس میں اتنی ہو جتنا حسین چہرے پر تل ہوتا ہے، حرکات و سکنات

خطیب کی وجاہت کے نشان ہیں' ان سے خطابت واضح ہوتی ہے۔ بعض سوالوں کے جواب میں فرمایا: خطابت ابلاغ کی معراج کا نام ہے جس سے دماغوں میں افکار کو راہ ملتی ہے اور دلوں میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ خطیبان عصر کے نام ایک پیغام میں فرمایا: مقرر کے لئے خوش گفتار اور خوش خلق ہونا لازم ہے۔ قرآن مجید کی دعوت سراسر خوش خلقی پر مبنی ہے۔ ایک شخص مبلغ بھی ہو اور بد خلق بھی ہو تو وہ نہ صرف اپنے علم اور دعوت کا دشمن ہے بلکہ لوگوں میں برے اثرات پیدا کرتا ہے۔ اگر تم مخلوق خدا کے دلوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہو تو اپنے اندر خوش خلقی کی صفات پیدا کرو۔ خوش گفتاری اگر تقریر کا جوہر ہے تو خوش خلقی انسان کا زیور۔ قرآن کریم نے حسن مخاطبت کی تذکیر عام یوں فرمائی " و قولوا للناس حسناً" بات وہ کرو جو حسن بکھیرے۔

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ فرمایا کرتے کہ تصنیف' تدریس اور تقریر کی خوبیاں بیک وقت کسی ایک شخص میں جمع ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ کوئی عالم مصنف ہے تو مدرس نہیں' مدرس ہے تو مقرر نہیں' مقرر ہے تو مصنف نہیں۔ لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ ان تینوں خوبیوں کے جامع تھے اور بیک وقت عبور رکھتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ جب مسند حدیث پر حدیث پڑھاتے تو گمان ہوتا حضرت مدنیؒ کی زبان بول رہی ہے' جب تقریر کرتے تو مجمع ہمہ تن گوش ہوتا۔ تصنیف کی دنیا میں اگرچہ حضرتؒ کی اپنی کوئی تصنیف موجود نہیں لیکن حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی حضرت کے افادات اور دروس کا مجموعہ ہے۔ علاوہ ازیں صحبتے با اہل حق' قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ' عبادات و عبدیت' مسئلہ خلافت و شہادت اور دعوات حق (دو جلد) حضرت شیخ الحدیثؒ کے فکر و نظر کا ثمرہ ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی خطابت کی چاشنی' مٹھاس اور حلاوت سے لطف اندوز ہونے کے لئے حضرتؒ کے خطبات و

ارشادات کے مجموعہ دعواتِ حق اور صحبتے با اہل حق کا مطالعہ ضروری ہے۔

خطابت کا آغاز :

حضرت شیخ الحدیثؒ کا واعظانہ اور خطیبانہ سفر بچپن سے شروع ہو چکا تھا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ عمر کے ابتدائی دور میں تھے' تقریباً چھ سال کی عمر تھی کہ مسجد میں منبر پر بیٹھ جاتے اور اونچی آواز سے "ان اللّٰہ و ملائکته یصلون علی النبی "پڑھتے اور کبھی" انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب " پڑھتے اور اس کا ترجمہ سناتے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے جب دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی تو دارالعلوم میں تدریسی و تعلیمی خدمات کے علاوہ اصلاح و ارشاد کے لئے آپ کے شبانہ روز اسفار اور دینی اجتماعات میں وعظ و تقریر کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ دن کو تدریس میں منہمک رہتے اور رات کو کہیں نہ کہیں دینی دعوتی اجتماع میں شرکت کر کے گھنٹوں وعظ فرماتے۔ اکوڑہ خٹک میں تو مستقلاً ساری زندگی امامت بھی خود فرماتے اور جمعہ کا خطبہ بھی دیتے۔ چالیس پچاس سال کے ان خطبات میں سے چند ہی دعواتِ حق کی ضخیم جلدوں میں ہمارے سامنے ہیں۔ اگر یہ خطبات قلم بند کئے جاتے تو یقیناً پچاس ساٹھ جلدیں مرتب ہو سکتیں۔ ان ساری محنتوں کے ساتھ گاؤں بلکہ علاقہ بھر کے جنازوں میں لوگوں سے تعلق خاطر کی وجہ سے شریک ہوتے اور تدفین میت کے بعد حاضرین سے نہایت موثر خطاب فرماتے۔ اسی طرح عیدگاہ میں جہاں سارا شہر اور علاقے کے لوگ اکٹھے ہو کر عیدین پڑھتے ہیں' حضرت شیخ الحدیثؒ پچھلے پچاس ساٹھ سال سے بالالتزام عیدین سے قبل نہایت مفصل خطاب فرماتے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ جب تقریر شروع فرماتے تو لوگ ہمہ تن گوش ہو جاتے کیونکہ یہی ان کا حال بھی ہوتا اور قال بھی۔ آج ہمارا کیا حال ہے ؟ جو کچھ

کہا جارہا ہے صرف کہنے ہی کے لئے کہا جارہا ہے۔ اصلاح باطن، عمل اور انقلاب محض تک بندی کی کڑیاں ہیں۔ ان کی حقیقت کے لئے حضرت شیخ الحدیثؒ کی طرح جذب اندروں چاہیئے اور وہ عنقا ہے۔

صفیں کج، دل پریشان، سجدے بےذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے
محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خون باقی نہیں ہے

حضرت شیخ الحدیثؒ کے مواعظ و مجالس :

احقر کی ایک تحریر کا اقتباس نذر قارئین ہے :

آپ کے مجالس، عام گفتگو، موعظِ جمعہ، عام خطبات بھی ہدایت وارشاد، اصلاح انقلاب امت اور صفائے باطن میں اکسیر ہوا کرتے تھے۔ عام خطبات اور موعظِ جمعہ مخدوم زادہ ذی قدر استاذ محترم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے ضبط کر کے "دعواتِ حق" کے نام سے دو جلدوں میں شائع کر دیئے ہیں جسے ملک و بیرون ملک مقبولیت عام حاصل ہوئی اور اس سلسلہ کے مزید ضبط واشاعت کا مطالبہ اور اصرار ہونے لگا۔ چنانچہ اس سلسلہ کی تیسری جلد پر بھی کام جاری ہے۔ خطبات اور مواعظِ جمعہ کے علاوہ حضرتؒ کی ایک مجلس عام بعد العصر مسجد شیخ الحدیث (قدیم دارالعلوم حقانیہ) میں ہوا کرتی تھی۔ حضرتؒ عصر کی نماز پڑھ کر اپنی مسجد میں بیٹھ جایا کرتے۔ اکابر علماء و مشائخ، دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ، طلبہ، اضیاف، دور دراز سے آئے ہوئے مہمان، افغان قائدین، مجاہدین، سیاسی کارکن، قومی راہنما، حکومتی کارندے، غرض مشائخ کے دستور کے مطابق ہر طبقہ کے آدمی کو حاضر ہونے اور استفادہ کرنے

کی اجازت تھی۔

حضرتؒ کی گفتگو میں رشد و ہدایت کی چاشنی اور اخلاص و محبت کا وفور ہوا کرتا تھا۔ جس کی ایک بار ملاقات ہو گئی وہ عمر بھر کا گرویدہ اور عاشق زار بن گیا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرتؒ کی مجالس میں علماء' مشائخ' طلبہ' اہل عقیدت اور اہل طلب شریک ہوتے۔ مختلف موضوعات اور مسائل پر باتیں چھیڑتے تو جواب شافی پاتے ---

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

ان مجالس کا کوئی مستقل یا متعین موضوع یا اس وقت کی گفتگو کوئی مستقل درس کی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ جو کچھ حسبِ حال اللہ کریم آپ کے دل میں ڈال دیتا ارشاد فرماتے۔

ان مجالس میں عام رشد و ہدایت کے اقوال' سلوک و تصوف کے نکات' اصلاحی و علمی تحقیقات' سلف صالحین اور بزرگوں کے حالات و واقعات ارشاد فرماتے۔ بعض اوقات یہ گفتگو بڑے گہرے معارف و حقائق' دقیق نکات اور حیرت انگیز علمی و روحانی لطائف پر مشتمل ہوتی تھی۔ اکابر علماء دیوبند بالخصوص اپنے شیخ و مربی شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کا تذکرہ کرتے وقت جذب و وجد کا خاص کیف و اثر محسوس ہوتا' چہرہ اقدس پر بشاشت آجاتی' گویا کسی نے دل کی دھڑکن پر ہاتھ رکھ دیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا کہ دل کا ساز کسی نے چھیڑ دیا ہے۔ آپ کے ملفوظات میں نادر تحقیقات اور بلند و لطیف علوم کا ذخیرہ ہوتا جو حقائق اور معارف کی بہت کم کتابوں میں دستیاب ہوتا ہے۔

(الحق خصوصی نمبر' ص ۲۴۳)

بجھی عشق کی آگ :

حضرت عمر بن ذر سے ان کے بیٹے نے کہا یہ کیا بات ہے کہ دیگر مقررین اور واعظین جب تقریر کرتے ہیں تو کوئی بھی نہیں روتا۔ جب آپ خطاب فرماتے ہیں تو ہر طرف سے گریہ و بکا سنا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے بیٹے! اجرت لیکر نوحہ کرنے والی عورت اس دکھی ماں کی طرح تو نوحہ نہیں کر سکتی جو خود اپنے مرے ہوئے بچے پر نوحہ کناں ہو۔

آج یہی نقشہ ہے کہ خطابت کے سحر سے لوگ راتیں جاگتے ہیں اور نقد ثمرہ یا عمل کی انگیخت یہاں تک حاصل ہوتی ہے کہ صبح کی نماز میں نہ تو خطیب صاحب نظر آتے ہیں اور نہ سامعین کو اس کا احساس باقی رہتا ہے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

صرف رضاء پروردگار :

ہر دور میں ہر داعی حق اور پیغمبر اسلام نے اپنی قوم پر واضح کیا "لا اسئلکم علیه اجرا ۔ ان اجری الا علی الله " میں تم سے اجرت اور مزدوری کا طلبگار نہیں ہوں بلکہ میرا اجر اور مزدوری اللہ کے ذمہ ہے۔ حضرت ابو سلیمان الدارمیؒ فرمایا کرتے تھے وہ شخص کیسے لذات دنیا ترک کرے گا جس کو ایک طرف تم (خطباء اور واعظین) دراہم و دینار کے چھوڑنے کی نصیحت کرتے ہو اور جب وہی شخص تمہیں دراہم و دینار پیش کرتا ہے تو تم جھٹ سے اس سے لے لیتے ہو۔ جب وعظ و نصیحت میں اجرت پر نظر ہو تو نتیجہ بہتر ہونے کے بجائے بدتر ہوتا چلا جاتا ہے۔ واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی خطابت اور درس و تدریس دراھم و دینار کے لئے نہیں، شہرت اور

ریا کے لئے نہیں بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی اور رضا کے لئے تھی۔

حضرت مولانا قاری محمد عباس خان راوی ہیں کہ :

احقر اور برادرم حافظ عبدالقیوم ۱۴۰۹ھ میں دورہ حدیث کے لئے جب اپنے اساتذہ کرام (قاضیان کلاچی) کے حکم پر دارالعلوم حقانیہ حاضر ہوئے تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے بے پناہ شفقت فرمائی اور دارالعلوم میں بڑے احترام سے داخلہ اور متعلق امور پورا کرنے کی ہدایات فرمائیں۔

جس روز تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب تھی تو ہم دونوں ساتھی (حضرت مولانا) عبدالقیوم حقانی صاحب کے ہمراہ افغان مجاہدین کے معروف رہنما جناب حکمت یار گلبدین کی دعوت پر شمشتو کیمپ پشاور چلے گئے جہاں حقانی صاحب نے جلسے سے خطاب کیا۔ واپسی ہوئی تو یہاں افتتاحی تقریب کا اختتام تھا اور صرف دعا میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی اور یہ بھی کوئی کم اعزاز نہ تھا مگر یہ حسرت دل میں تھی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے ارشادات اور سلسلہ سند اور ترمذی کے درس اول سے محروم رہے۔

چنانچہ عصر کے وقت ہم لوگ حضرت حقانی صاحب مدظلہ کے ساتھ جب حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حقانی صاحب نے ہماری افتتاحی تقریب میں حضرت کے افادات اور ارشادات اور درس اول سے محرومی کا عرض کیا تو حضرتؒ نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ اسی وقت صرف ہم دو طلباء کے لئے وہی تقریر' وہی سلسلہ سند اور وہی ارشادات جو آپؒ نے صبح بیان کئے تھے پھر اسی انداز میں دوہرا دیئے اور چہرے پر کسی تھکان یا ناگواری کا اثر تو کجا؟ بلکہ بشاشت اور تازگی چھلکتی رہی اور میں دل ہی دل میں یہ سوچتا رہا کہ یہ شیوہ اکابر کا تھا اور سید احمد شہیدؒ کی سیرت و سوانح میں اس نوعیت کا واقعہ مشہور بھی ہے کہ ہزاروں کے جلسہ میں خطاب کے بعد جب ایک بوڑھا ہانپتا کانپتا حاضر ہوا اور تقریر

سے محرومی کا اظہار کیا تو حضرت سید صاحبؒ نے کئی گھنٹوں پر مشتمل وہی تقریر اس ایک بوڑھے کے لئے پھر سے سنادی۔ دنیا حیران تھی' جب پوچھا گیا تو سید صاحبؒ نے فرمایا: جب ہزاروں کا مجمع تھا تو تقریر ایک خدا کیلئے تھی اور جب ایک مخاطب تھا تب بھی تقریر ایک خدا کے لئے تھی۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ جب بھی تقریر شروع فرماتے اس میں نہ تو مولانا ابوالکلام آزاد کا جوش خطابت اور نہ الفاظ کی طلسم بندی ہوتی' نہ بزعم خود دانشوران قوم کی طرح متانت استدلال۔ بلکہ شروع سے آخر تک سادہ اور بے تکلف انداز غالب رہتا۔ نہ منطقی دلائل سے کام لیتے اور نہ خطابت کا چربہ چلانا جانتے تھے۔ بس اپنے آپ کو صداقت اور اخلاص کے ساتھ پیش کر دیتے۔ تقریر سنتے ہی سب گرویدہ ہو جاتے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی خطابت کی اصل خوبی ان کی شخصیت' فنائیت اور حد درجہ اخلاص تھا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی تقریر اس لئے نہیں سنی جاتی تھی کہ آپ خطیب تھے بلکہ اس لئے سنی جاتی تھی کہ آپ مسلمہ محبوب عالم دین، مخلص داعی' لائق مدرس اور سراپا اخلاق تھے۔

باب ۱۷

مکاتیب

مفکر اسلام، داعی کبیر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم کے صفحہ ۲۴۳ پر لکھتے ہیں:

" تحریر و تقریر کو بہتر اور کامیاب بنانے کے لئے جتنی صفات اور صلاحیتیں اور بلاغت کے اصول و قوانین ضروری ہیں ناقدین ادب نے ان سب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور ہر عہد میں ان پر بحث ہوتی رہی ہے، لیکن بہت کم لوگوں کو اس کا احساس ہوا ہے کہ ان صفات اور صلاحیتوں میں ایک بڑا موثر اور ناقابل فراموش عنصر یا عمل صاحبِ کلام کا اخلاص اور درد مندی ہے۔ اگر اس کی تحریر میں علم و ادب، عقل و استدلال اور حسن بیان کے ساتھ ساتھ سوز دروں اور خون جگر بھی شامل ہو تو تحریر میں ایسا اثر اور ایسا زور پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں ہزاروں دلوں کو زخمی کرتی ہے۔"

حضرت شیخ الحدیثؒ کے خطوط و مکاتیب بھی سوز دروں اور خون جگر کے ساتھ ساتھ شریعت و طریقت، ذوق سلیم، آداب زندگی، حمیت شرعی اور موعظت و نصیحت بالخصوص عشق رسول (ﷺ) کا نادر نمونہ ہیں۔ اللہ نے

حضرت شیخ الحدیثؒ کو جو خالص اسلامی ذہن بخشا تھا اس کا اظہار ان کے خطوط سے ہوتا ہے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً لکھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے ہمہ گیر مشاغل' دار العلوم کے اہتمام' درس و تدریس' تبلیغ دین' مہمانوں کے اکرام و احترام' سیاسی مشاغل کے باوجود ڈاک کا جواب روز کے روز بھیج دیا کرتے تھے۔ احقر کو بلا کر تازہ ڈاک سنتے اور ان کے جوابات لکھنے کے ہدایات اور اشارات لکھواتے۔ ذیل میں صرف دو خطوط نذر قارئین ہیں۔ دونوں خطوط حضرتؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا سمیع الحق مدظلہ کے نام ہیں۔ تحریر میں بے تکلفی اور سادگی' مضمون میں وضاحت اور ٹھوس حقیقت پر توجہ' معاملات کی صفائی' حقوق کی ادائیگی کی غیر معمولی ترغیب' دینی رنگ' خاص کر عشق رسول ﷺ اور والہیت ہر خط میں چھلکتی نظر آتی ہے۔

مکتوبِ اول :

نور چشمی سمیع الحق سلمہ اللہ تعالیٰ

" السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! عرصہ ہوا کہ خط لکھنے کا ارادہ تھا مگر عوارضات اور آپ کے خط کے انتظار کی وجہ سے دیری ہوئی مگر آج تک آپ کا خط نہ ملا۔ مدینہ منورہ کا مکتوب تو مل چکا ہے مگر مکہ معظمہ سے آپ کا کوئی خیریت نامہ نہیں ملا۔ امید ہے کہ برخوردارم و برادرم حافظ قاری مولانا سعید الرحمٰن صاحب مناسکِ حج سے فارغ اور اس سعادت عظمیٰ کو بعافیت انشاء اللہ تعالیٰ حاصل کیا ہوگا۔

نور چشمی ! خداوند کریم کے مِنَنْ لامتناہیہ میں سے انعام عظیم ہے کہ رب العزت نے بندہ کی زندگی میں اپنے بیتِ مکرم جو اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ اور قِيَاماً لِلنَّاس اور اولین عبادت گاہ کے طواف اور حاضری

کے شرف سے آپ کو نوازا ہے۔ رب العزت حرمین کے فیوضات سے اخذ کی استعداد اور اس کی برکات سے مالامال فرمادے اور حج مبرور نصیب ہو۔ بندہ کے لئے عافیتِ تامہ و خاتمہ بالایمان و علم و عمل کی زیادتی اور گناہوں کی معافی کی رو رو کر تضرع و ابتہال کے ساتھ دعائیں کرتے رہیں۔ عمرہ نفلی کی ادائیگی کی بھی ہمت کریں۔ اس وقت ایک بہت مشکل میں مقیّد ہوں جو ہمارے اعمال کا ثمرہ ہے اور ابتلاء عظیم ہے' اس مشکل سے بعافیت نکلنے کی دعا تضرع سے کریں اور مشکلات میں گرفتاری کی سعی کرنے والوں کو رب العزت خائب و خاسر کردے۔" آمین۔

(عبدالحق غفرلہ)

مکتوبِ دوم:

ذیل کا خط سفر حجاز کے متعلق ہے جو حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کو ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ کو لکھا گیا ہے۔

نورِ چشمی لختِ جگر سمیع الحق سلمہ اللہ تعالیٰ

" السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ کا خط غالباً ۲۰/شوال ۱۳۸۳ھ کو موصول ہو کر موجب اطمینان ہوا۔ مفصل خط بنام مولانا شیر علی شاہ صاحب سے مزید اطمینان حاصل ہوا۔ الحمد للہ کہ رب العزت نے آپ کے لئے مساعد حالات ایسے پیدا فرمائے جس کی وجہ سے عمرہ کرنے کا موقع عطا فرمایا اور پھر والدین کے لئے بھی عمرہ کیا' والحمد للہ علیٰ ذالک۔ سب سے زیادہ رحمتِ خداوندی اور فضل عظیم کہ رحمۃ اللعالمین کے قرب میں جگہ ملی اور روضة من رياض الجنة میں حاضری اور سرورِ دو جہان ﷺ کے مواجہہ شریف میں حاضری کی اجازت و توفیق ایزدی شامل حال رہی۔

لختِ جگر! ولد صالح ید عواله 'والدین کے حق میں صدقہ جاری ہے۔ اولاد کی دعائیں ایسے متبرک مقامات میں والدین کے حق میں مفید اور قبولیت کا درجہ و مقام حاصل کر لیتی ہیں۔ آپ کو رب العزت نے موقع دیا ہے حرمین الشریفین میں گڑگڑاتے رہیں' والدِ عاصی کے لئے دعائیں کرتے رہیں کہ عافیت تامہ و ایمان کاملہ و علم باعمل و اشاعت علم دین سے نوازے اور کل دینی و دنیوی مرادوں میں کامیابی نصیب ہو۔ بندہ کو ذیابیطس کی بیماری کی وجہ سے انتہائی ضعف لاحق ہوا ہے۔ رمضان شریف میں قلب اور اعضاء رئیسہ پر ضعف کا اثر اور حملہ ہوا مگر بحمد اللہ اب رو بصحت ہوں۔ انوار الحق ۲۰/ رمضان کو گھر آئے تھے۔ ایک ختم تراویح میں انہوں نے پورا کیا' اب اس دفعہ قرآن مجید اسے پورا یاد تھا' ۱۱/ شوال کو بہاول پور چلے گئے۔ محمود الحق بھی بخیریت ہے' ان کے لئے بھی دعا کیا کریں کہ اس تعلیم کے برے نتائج سے محفوظ ہو اور ثمرہ بہتر اس پر مرتب ہو۔ دار العلوم حقانیہ میں داخلہ اس دفعہ زیادہ ہے' طلبہ کا ورود بکثرت ہے۔ اکثر طلبہ بوجہ عدم گنجائش داخلہ کے واپس چلے جاتے ہیں۔ اساتذہ گذشتہ دن سے آگئے ہیں۔ تمہارے اسباق دوسرے مدرسین پر عارضی طور پر تقسیم کر دیئے ہیں۔ خداوند کریم آپ کو بمع رفقاء حج مبرور نصیب فرما کر بخیر و عافیت واپس پہنچادے۔

برخوردارم! آپ کی اور جناب قاری سعید الرحمٰن صاحب کی خوش قسمتی ہے کہ روضہ اطہر کے سامنے حاضری کے اس قدر ایام میسر ہوئے (اللہ تعالیٰ) حرمین الشریفین پر حاضری کے فیوض و برکات سے مالامال فرمادے' مجھ گنہگار و روسیاہ کے حق میں تمہارا گڑگڑانا باعثِ نجات اور سعادتِ دارین کا ذریعہ بن جائے تو یہ میری خوش قسمتی ہو گی۔

برخوردار! یہ دنیا فانی ہے اور عمر کا اکثر حصہ گذر گیا۔ یہ دعا کریں کہ مجھ گنہگار کے گناہوں کو رب العزت معاف فرمادے' اپنی رضا کی نعمت اور خاتمہ بالایمان کی نعمت عظیمہ سے نوازے۔ اپنی بے مائیگی اور ناشکری کا خطرہ از حد لاحق ہے۔ کاش تمہاری دعائیں ناچیز کے لئے باعثِ معافی ہو جائیں۔ آپ اپنی خوش قسمتی پر رب کریم کا شکر ادا کریں' اپنے اوقاتِ عزیز حاضریٔ روضہ اطہر اور مکہ معظّمہ میں طوافِ بیت اللہ میں مشغول رکھیں۔ ڈالر کے متعلق قاری صاحب نے دوبارہ اس شخص کو یاد دہانی کی ہے۔ اس سفر عشق میں عاشق کا ایک ہی امتحان ہوتا ہے جس قدر ابتلاء میں صبر واستقامت' اس قدر قرب در ضا خداوندی نصیب ہو گی۔

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری' مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا مفتی محمود صاحب مصر گئے ہیں' وہ بھی چند یوم میں حج کے لئے پہنچ جائیں گے۔ جناب الحاج محمد عالم صاحب (عطر جی) سے مکہ معظّمہ میں ملاقات کا موقع مل جائے تو کر لیں۔ مجھے اس کا فکر ہے کہ تمہارے پاس رقم بھی تھوڑی ہے۔ اگر ضرورت ہو تو وہاں اگر قرض مل سکے تو لے لیں۔ اگر وہاں نہ مل سکے تو جلدی لکھدیں تاکہ ہوائی جہاز سے جانے والے حجاج کے ذریعہ اگر ممکن ہو تو بھیج دیں گے۔

ہاں اس دفعہ حج کے موقع پر مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی جائیں گے۔ اگر ملاقات ہو جائے تو سالانہ اجلاس کے لئے وقت ان سے متعین کر لیں۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سے ملاقات کا موقع ملے تو بہتر ہو گا۔ مدینہ یونیورسٹی میں حاضری اضافہ علم کا باعث ہو گا۔ عربی بولتے رہیئے۔ والسلام:

بندہ عبدالحق غفرلہ

☆ ذیل کا خط ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ کو لکھا گیا ہے۔

(الحق خصوصی نمبر، ص۷۸۹)

جو خطوط حضرت شیخ الحدیثؒ کے حقیقت نگاہ قلم سے صفحہ قرطاس پر منتقل ہوئے، اگر ان پر غور کیا جائے تو حقیقتاً وہ زرین اصول ہیں جو قوموں اور اشخاص کے لئے مشعل راہ بن سکتے ہیں۔ اگر حضرت شیخ الحدیثؒ کے تمام خطوط کا مجموعہ (جو کہ ایک نایاب ذخیرہ ہے) اکٹھا کیا جائے تو یہ جواہر پارے ایک مستقل کتاب بن سکتے ہیں۔

حضرتؒ کے دیگر خطوط مخدوم زادہ حضرت مولانا انوار الحق، مولانا اظہار الحق کے علاوہ اپنے سینکڑوں تلامذہ و متعلقین کے نام ایک عظیم ذخیرہ ہے۔ الحاج ایوب ماموں صاحب کے نام لکھے گئے خطوط کی ایک ضخیم فائل موصول ہوئی ہے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر خوش نصیب کام کریں گے۔ یہاں تو بطور نمونہ صرف دو خطوط نقل کر دیئے ہیں۔

باب ۱۸

محدثانہ جلالتِ قدر

حضرت شیخ الحدیثؒ گوناگوں خصوصیات کے حامل تھے۔ بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، خطیب، سیاست دان اور مجاہد سب کچھ تھے۔ لیکن شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی فیضِ صحبت کے اثر سے اللہ نے آپ کو علم حدیث میں وہ امتیازی مقام عطا فرمایا جو شاید کسی کو نصیب ہو۔

لفظ ''شیخ الحدیث'' اسم علم بن گیا

شب و روز کے اشتغال بالحدیث، خدمت حدیث میں انہماک اور علم حدیث سے کمال مناسبت اور پینتالیس سال سے تدریس حدیث کی وجہ سے لفظ ''شیخ الحدیث'' آپ کا علم ہوگیا اور آپ نام کے بجائے اسی لقب سے مشہور ہوگئے حضرت شیخ الحدیثؒ کو حدیث سے ایسا شغف تھا جس کو عشق کے بغیر دوسرے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا اور اللہ نے ان سے علم حدیث میں دین کی عظیم خدمت لی حضرت شیخ الحدیث اس شعر کا عملی مصداق اور حقیقی تصویر تھے

ے ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الّا حدیث دوست کہ تکرار مے کنیم

حضرت شیخ الحدیثؒ کا طریقہ تدریس

حضرت شیخ الحدیثؒ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے محبین والہین

تلامذہ میں سے تھے۔ طرز تدریس وطریقہ تعلیم میں ہمیشہ اپنے استاد حضرت مدنیؒ کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ حضرت مولانا رضاء الحق بیان فرماتے ہیں کہ

''حضرت شیخ الحدیثؒ کا طریقہ تدریس بھی حضرت مدنیؒ ہی کی طرح تھا۔ الفاظ کی ادائیگی، مطالب کی تفصیل، زبان کی فصاحت کلام کی دل نشینی، مضامین کی شیرینی، آواز کی بلندی اور صفائی، کلام کی برجستگی مذاہب کی تفصیل، بیان کی دل آویزی میں وہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی تصویر اور عکس تھے حضرت مدنیؒ کے کوثر وتسنیم میں ڈھلے ہوئے کلمات حضرت شیخ الحدیثؒ کے قلب پر نقش ہو گئے تھے۔

فقیر راقم الحروف نے حضرت شیخ الاسلامؒ کی بخاری شریف کے درس کی کیسٹیں سنی ہیں، حضرت شیخ الحدیثؒ انفع کو حضرت مدنیؒ سے بہت مشابہ پایا، اگر پشتو اور اردو زبان کا فرق نہ ہوتا تو پہلی سماعت میں حضرت شیخ الحدیثؒ پر حضرت مدنیؒ کا گمان ہوتا۔ اپنے شیخؒ کی طرح گھنٹوں گھنٹوں حدیث نبوی کا درس دیتے ہوئے حدیث کی لذتیں لوٹتے تھے۔ اُن کے ہاں تھکاوٹ نام کی کوئی چیز نہ تھی اور مفردات کی تشریح سے لے کر حدیث کے نکات تک کے نغمے چھیڑتے اور چمن حدیث میں وہ پھول کھلاتے جن کی خوشبو ہوش اڑاتی۔ ؎

صحن چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

(خصوصی نمبر ص ۲۵۰)

ایک امتیازی وصف

حضرت مولانا قاضی عبدالحلیم صاحب کلاچوی رقمطراز ہیں

''حضرت شیخؒ کے درس کے بہت سے امتیازی خصوصیات اور اوصاف تھے۔ تفصیل کی گنجائش نہیں۔ حضرتؒ کے ہزاروں تلامذہ اس کی شہادت دیں گے۔ ؎ آفتاب آمد دلیل آفتاب
لیکن حضرتؒ کے درس کا ایک خاص وصف یہ تھا اور ایک امتیازی شان یہ تھی کہ حضرتؒ کا درس طلبہ کے تینوں اقسام کے افراد کے لئے یکساں طور پر مفید ہوتا تھا۔ ذکی، متوسط اور غبی سب جب درس سے اٹھتے تو جھولیاں بھری ہوئی ہوتی تھیں۔ یقین کریں کہ حضرتؒ ہر مسئلہ کو مختلف تعبیرات سے بیان فرماتے، کہ ذکی، متوسط کو تکرار بھی محسوس نہ ہوتا لیکن جب مسئلہ اور موضوع کے اختتام پر طالب علم سوچتا تو اسے معلوم ہوتا کہ حضرتؒ نے دراصل ایک ہی بات کو تین دفعہ دہرا کر ذکی، متوسط اور غبی تینوں کے انتفاع کا سامان مہیا کیا ہے احقر نے ایک موقع پر حضرتؒ کے متعلق اردو کا ایک مدحیہ قصیدہ کہا جس کا ایک شعر مناسب محل سمجھ کر نقل کر رہا ہوں۔ ؎

درس تیرے میں بھرا ہے رنگ انور شاہؒ کا
شیخ مدنیؒ کی امانت کا امیں تو ہی تو ہے

شیخ مدنیؒ کی اتباع

حضرت شیخ الحدیثؒ خود فرمایا کرتے تھے کہ حضرت الاستاد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا انداز تدریس عالمانہ اور فاضلانہ ہوتا تھا مگر آسان اور خوب تفصیل سے ہوا کرتا تھا۔ ہر بات سادہ اور آسان پیرائے میں غبی سے غبی طالب علم بھی آپ کے درس کو آسانی سے سمجھ لیتا تھا۔ مگر علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا بلیاویؒ کے تدریسی تقاریر پر خالص عالمانہ رنگ غالب تھا۔ جس کو ذہین طلبا تو سمجھ سکتے، مگر سب کیلئے سمجھنا آسان نہ ہوتا۔ مجھے

شیخ مدنیؒ کا انداز تدریس بے حد پسند تھا۔اس لئے میں نے ان ہی کی نقل کی کوشش کی ہے اوران ہی کے علوم ومعارف کے ساتھ ان ہی کے انداز تدریس کو بھی جوں کا توں باقی رکھنے کی کوشش کی ہے۔

لفظ ''مولانا'' میں حضرت مدنیؒ سے مناسبت

برادر مکرم، درویش خدامست مولانا قاری محمد عبداللہ بنوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حضرتؒ جب دو آدمیوں کے سہارے دارالحدیث کے وسیع ہال میں داخل ہوتے ہیں، بیک زبان طلباء کی زبان سے یہ نکلتا ہے ''مولانا صاحب'' آ گئے ۔ یہ لفظ'' مولانا'' حضرتؒ کیلئے بولا جاتا ہے، آج نہیں بلکہ دارالعلوم کی تاریخ اس پر شاہد ہے،''مولانا'' سے مراد طلباء کا ذہن فوراً ہی حضرت شیخ الحدیثؒ کی طرف جاتا ہے، علمی دنیا میں ہمارے حضرتؒ، شیخ الحدیث کے نام سے مشہور ہیں۔یہی نقطہ ہے جسے مدنی برادری والے جانتے ہیں ،دارالعلوم دیوبند کی چاردیواری میں حضرت مدنیؒ ''مولانا صاحب'' کے نام سے مشہور تھے اور دوسرے لوگ حضرتؒ کو شیخ الاسلام کے نام سے یاد کرتے تھے۔ (خصوصی نمبر ص ۳۸۳)

درس حدیث کی بعض خصوصیات

احقر میں یہ اہلیت اور قابلیت تو نہیں کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے درس حدیث کی خصوصیات اور جھلکیوں کا نمونہ پیش کر سکے۔تاہم جس حد تک ممکن ہوا اُن مناظر کو قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔

ا......احادیث نبوی کی مراد واضح کرنے میں آپ جگہ جگہ قرآنی آیات اور وحی الٰہی کو بطور ماخذ حدیث یا بطور استدلال واستشہاد کے حسب موقع بیان فرماتے

اس سے جہاں مراد حدیث واضح متعین اور آسانی سے دل نشین ہو جاتی' وہاں بہت سے قرآنی مشکلات بھی حل ہو جاتے تھے۔

۲......ائمہ اربعہ کے دلائل کو بڑی کشادہ ظرفی اور خندہ جبینی سے بیان فرماتے پھر ایک ایک کر کے ان سب کا جواب دیتے اور مسلک حنفیہ کی ترجیح بیان فرماتے علاوہ ازیں علوم وفنون کی اصطلاحات کی تشریح' احادیث منسوخہ کی مکمل بحث' ردفرق باطلہ' تاریخی واقعات' اکابر علماء کے ارشادات تمثیلات کے ساتھ ساتھ اسلام کی صداقت وحقانیت پر تفصیل سے روشنی ڈالتے۔

حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ' بطور نمونہ حضرت کے درس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

۱......حضرت شیخ الحدیثؒ کے درس کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ فن حدیث کے تمام متعلقات، صرفی، نحوی، بلاغتی مباحث، فنی تفصیلات، متن وسند کے ہر ہر جز کی تشریح، پھر بیان مذاہب اور ترجیح مذہب، الغرض حدیث کے تمام اطراف وجوانب پر اس شرح وبسط سے روشنی ڈالتے ہیں کہ کوئی گوشہ تشنہ تکمیل نہیں رہتا اور یہ ہمہ جہت افادات آگے چل کر دورۂ حدیث کی دیگر تمام کتب میں بھی طلبا کو بے نیاز کر دیتی ہیں۔

۲......درس حدیث کے دوران وہ تمام آداب آخر تک ملحوظ رکھتے ہیں جن کا سلف کے ہاں ذکر ملتا ہے۔ضعف، بڑھاپے اور بیماری کے باوجود آخر تک دوزانو بیٹھ کر پورے خشوع وخضوع اور استغراق سے محو تدریس ہوتے۔ شدید ضرورت سے بھی پہلو نہ بدلتے نہ تکیہ لگاتے۔

حقائق السنن

حضرت شیخ الحدیثؒ کی حدیث پر وسیع نظر تھی۔حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی حضرت شیخ الحدیثؒ کے علوم ومعارف اور محدثانہ افادات کا عظیم

شاہکار اور ان کے علم وفن کی آئینہ دار ہے۔اس عظیم شرح حدیث میں حدیث کی بے نظیر ابحاث، نفیس تحقیقات، روایت و درایت کا اعلیٰ نمونہ اور مشکل احادیث کی آسان تشریح وتوضیح اور دیگر علوم احادیث کا شرح وبسط سے بیان ہے۔ یہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی باقاعدہ تصنیف نہیں، بلکہ ترمذی شریف سے متعلق تقاریر ودروس کا مجموعہ ہے۔ حضرتؒ کا معمول یہ تھا کہ احقر عصر کی نماز کے بعد حقائق السنن کے مسوّدات لے کر حاضر ہو جاتا، حضرتؒ املی سنتے اور اصلاح کرتے اور یوں حضرتؒ کی دعاؤں اور اخلاص کی برکت سے یہ عظیم شرح منصۂ شہود پر آ گئی۔

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کی تحریر سے اقتباس

داعی کبیر مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ نے حقائق السنن پر ایک وقیع مقدمہ تحریر فرمایا۔اس کا ایک اقتباس نظر قارئین ہے۔

"بڑی مسرت وطمانیت کی بات ہے کہ استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا عبدالحق بانی ومہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان کی درس ترمذی کی تقریریں اور امالی وافادات کی جلد اوّل "حقائق السنن" منظر عام پر آ گئی ہے۔حضرت شیخ الحدیثؒ کے فرزند گرامی مولانا سمیع الحق مدیر "الحق" واستاذ حدیث دارالعلوم حقانیہ اور مولانا عبدالقیوم حقانی نہ صرف طلباء علم حدیث بلکہ حدیث کے کہنہ مشق، وسیع النظر و فاضل اساتذہ کے بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کے تعاون ونگرانی سے یہ علمی صحیفہ جو ایک ماہر فن اور دقیق النظر استاذ حدیث کے وسیع مطالعہ، طویل تجربہ اور دیدہ ریزی اور جگر کاوی کا نتیجہ ہے، اہل علم کے سامنے آیا۔حضرت شیخ الحدیثؒ نصف صدی سے تدریس حدیث کی خدمت انجام دے رہے ہیں، وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد

حسین احمد مدنیؒ کے ممتاز شاگرد اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں ان میں دقیق مباحث کو شستہ انداز اور سلجھے ہوئے پیرایہ میں بیان کرنے کی خداداد صلاحیت ہے ۔ انہوں نے چالیس سال تک دارالعلوم حقانیہ میں ترمذی کا درس دیا۔ یہ تقریریں ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے محفوظ کی گئیں ، مولانا نے پورے مسودہ پر نظر ڈالی اور ضروری ترمیم واصلاح فرمائی ، تشنہ مقامات پر مزید بحث کی اور مرتب شدہ ''امالی'' و درس کی وہ تقریریں وافادات جو قلمبند کر لیے گئے تھے) سے بھی کام لیا گیا۔

مولانا چونکہ حدیث کے عالم واستاذ ہونے کے ساتھ (اپنے شیخ و استاذ کی تبعیت میں) تزکیہ وسلوک کے بھی رمز آشنا ہیں ، اس لئے کتاب میں جا بجا لطائفِ تصوف اور علمی وجدانی نکات بکھرے ہوئے نظر آئیں گے ۔ جا بجا دلچسپ سبق آموز واقعات و حکایات درس پڑھنے والے کے لئے دلآویزی کا ذریعہ اور موعظت و تربیت کا سامان ہیں ۔ فضلائے قدیم کی طرح اپنے اساتذہ سے عقیدت و شغف خاص طور سے حضرت مدنیؒ سے غیر معمولی عقیدت کتاب میں جھلکتی ہے۔ فنی و تحقیقی حیثیت سے بھی کئی بحثیں مختصر ہونے کے باوجود بصیرت افروز اور اصولی قدر و قیمت کی حامل ہیں ۔ مثلاً تعریف حدیث میں ...... قید من حیث انهٗ رسول ...... کی ضرورت و افادیت مؤرخ و محدث کے فرق کی تشریح ، متقدمین ومتاخرین کی تعریف حدیث کا فرق ، آنحضرت ﷺ کے فرائض سہ گانہ (تلاوتِ کتاب تعلیم حکمت وتزکیہ) کی تشریح ...... بعثت فی الامّیّن کی حکمت اور تمدنی اثرات کی اہمیت ، و مقامِ عبدیت اور اس کی

عظمت وجلالت کا بیان۔

مولانا عبدالحقؒ ایک بیدار دماغ، حساس اور دردمند دل رکھتے ہیں۔ عہد حاضر کے بدلتے ہوئے حالات اور جدید تعلیم یافتہ نسل کے ذہن سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ آپ کا مطالعہ درسی اور فنی کتابوں تک محدود نہیں ہے۔ آپ نئی تحقیقات اور تازہ رجحانات سے بھی واقف ہیں۔ اس لئے کتاب (حقائق السنن) میں جابجا ایسے مضامین ملتے ہیں جن سے نئے شبہات و سوالات سے واقفیت اور شرح حدیث وتقریر درس میں ان سے بقدر ضرورت تعرض کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً سائنسی ایجادات وفہم حقائق اور سلسلہ بقاء اعراض پر عالمانہ و متکلمانہ بحث تعدد ازدواج پر دل نشین انداز میں بحث، کتاب اگرچہ فقہ اور حدیث کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے لیکن مولانا (شیخ الحدیثؒ) کی تاریخ سے واقفیت کا بھی روشن ثبوت ملتا ہے۔ ان سب کے ساتھ کتاب کے مسلک اہل سنت کے اس اعتدال وتوازن کا بھی اظہار ہوتا ہے جو ان کے اساتذہ اور اسلاف کا شیوہ رہا ہے اور مکتب وخاندان ولی اللہی کا شعار...... خالص درسی وفنی حیثیت سے بھی کئی ایسی بحثیں ملتی ہیں، جو فن حدیث میں رسوخ اور عمق کا نمونہ ہے۔ مثلاً جامع الترمذی کی خصوصیات جس کے گیارہ وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔ بزدوی پر تنقید، حضرت ابوہریرہؓ کے تفقہ کا اثبات، بعض کثیر الانواع والاسماء الفاظ کی اچھی بحث، مذہب حنفی کا اقرب الی الحدیث ہونا، وغیرہ وغیرہ۔

غالباً یہ پہلی کتاب ہے، جس میں اردو میں ''جامع ترمذی'' کی شرح و بیان کی کوشش کی گئی ہے اور ان دشوار اور نازک مضامین کو جو

ابھی تک عربی کی شروحِ حدیث اور ماہر الفن اساتذہ کے حلقہ درس سے مخصوص تھے، سلیس وشستہ اردو زبان میں پیش کیا گیا ہے''۔
(خصوصی نمبر ص ۳۲۸ تا ۳۲۹)

ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند کا تبصرہ

مرکزِ علم دارالعلوم دیوبند کے شہرۂ آفاق ماہنامہ (دارالعلوم) کے مدیر حقائق السنن کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے تلامذہ میں اپنے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کی بنیاد پر امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے امالی درس ''حقائق السنن'' کے نام سے اشاعت پذیر ہوئے ہیں۔ حضرت موصوف کے امالی اپنے پیش رو بزرگوں کی علمی ژرف نگاہی کا شاہکار جمیل ہیں۔ جنہیں مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ (حال مہتمم جامعہ ابوہریرہ) مرتب فرما رہے ہیں۔ حضرت موصوفؒ کا درس حدیث ایک ہی فن کے مباحث تک محدود نہیں ہے، بلکہ وہ صرف ونحو بلاغت، فقہ اصول فقہ، بیان مذاہب، وجوہ ترجیح، اسرار وحکم، حقائق و معارف سے لبریز نکات، تاریخ اور متن وسند کے ہر ہر جز کی دل نشین تشریحات پر مشتمل ہے۔ ان امالی کے آئینہ میں حضرت مولانا عبدالحقؒ اپنے اکابر کی طرح کسی خاص اقلیم کے فرماں روا نہیں بلکہ مملکت علم وفن کے تاجدار معلوم ہوتے ہیں'' (خصوصی نمبر ص ۳۶۲)

''معارف'' اعظم گڑھ

ماہنامہ معارف اعظم گڑھ انڈیا نے لکھا ہے کہ

''شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے امالی ترمذی کا یہ مجموعہ (حقائق

السنن) مفید حواشی ، فقہی اور کلامی مسائل پر مشتمل اور علماء دیو بند کی تشریح وتوضیح کے انداز و معیار کا حامل ہے''۔ (خصوصی نمبر ص ۳۵۴)

جہاں تک حقائق السنن کی افادیت اور خصوصیات کا تعلق ہے تو اُس سے مکمل اور پورا فائدہ اٹھانے کیلئے پوری کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ چند مقامات سے بطور نمونہ و مثال ، احادیث اور اس کی تشریح بھی افادہ عام کی غرض سے نذر قارئین ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کے درسی افادات

''باب النهی عن البول قائما''

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت

نبوت سے قبل زمانہ جاہلیت میں عربوں کے اندر شرم و حیاء مفقود ہو چکی تھی ۔ کشف عورت کا کوئی لحاظ نہیں تھا ۔ مردوں ، شادی شدہ عورتوں اور نابالغ بچوں کیلئے پردہ اور ستر عورت نام کی کوئی چیز ضروری نہیں تھی ۔ البتہ بالغ غیر شادی شدہ عورتوں کا بعض اعضا (عورت غلیظہ) کا ستر کرنا مروّج تھا۔ اگر قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی تو عرب کے جہلا ستر و حجاب کے بغیر کھڑے کھڑے پیشاب کر دیا کرتے تھے ۔ اپنے آپ کو چھینٹوں سے بچانے کا کوئی اہتمام نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ کفار جب نبی کریم ﷺ کو قضائے حاجت کیلئے بیٹھا ہوا دیکھ لیتے تھے تو انہیں آپ کا یہ جلوس (بیٹھنا) ایک عجیب چیز نظر آتا تھا۔ ایک دوسرے سے کہتے ۔ یبول کما تبول المراة ۔ یہ شخص (محمد ﷺ) ایسے پیشاب کرتا ہے جیسے عورت ۔

مغربی تہذیب کے اثرات

مگر افسوس ہے کہ اس دور میں مسلمان محمد ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اختیار

کرنے کے بجائے مغربی تہذیب کو اختیار کرنے اور پرانی جاہلیت کی بے حیائی کو اپنے لئے کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ چونکہ کھڑے ہونے سے پیشاب کی چھینٹوں سے تلویث کا احتمال زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے شارع علیہ السلام نے بول قائما کی نہی فرمادی ہے۔ بول قائما کی نہی کا حکم تحریمی نہیں بلکہ گنوار پن اور بدتہذیبی ہے۔

''باب ماجا من الرخصة فی ذالك''

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ بوجہ عذر بول قائما جائز ہے اور بغیر عذر کے مکروہ ہے۔ تنزیہاً لا تحریماً امام اعظم ابوحنیفہؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اگر احتمال تلویث نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، اگر تلویث کا احتمال ہو تو تحریمی۔ امام مالک کے نزدیک بغیر عذر کے جائز ہی نہیں۔

تشبّہ بالکفار

مگر یاد رہے کہ جب تک بول قائما کفار کے شعار کے طور پر مروّج نہیں تھا، تو اس کا حکم مکروہ تنزیہی کا تھا اور آج جب کہ کفار کا شعار بن چکا ہے۔ لہٰذا اگر بول قائما سے کفار و فجار سے تشبّہ مقصود ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔ لقوله تعالیٰ ولا ترکنو الی الذین ظلموا فتمسکم النار (الایة) وقال النبیُ ﷺ من تشبّه بقومٍ فهو منهم۔ متقدمین کی رائے تو یہی ہے کہ اگر بول قائما میں احتمال رشاش وتلویث نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ مگر اب ہمارے اکابر مطلق بول قائما پر مکروہ تحریمی کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ (حقائق السنن صفحہ نمبر ۱۶۲)

تبدیلی حالات کی رعایت

فبال علیه قائماً! یہاں تین امور سے بحث ہے۔

۱......حضور اقدس ﷺ عموماً جب بھی قضائے حاجت کی ضرورت محسوس کرتے

توشہر سے باہر نکل کر صحرا میں دور تک تشریف لے جاتے .... ابعد فی المذہب یہی آپ کی عادت مبارک تھی۔ مگر اس واقعہ میں آپ کا عمل عام عادت مبارک کے خلاف ہے۔

۲...... کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بھی حضور ﷺ کی عادت نہیں تھی۔

۳...... سباطہ قوم پر پیشاب کرنا ملک غیر میں تصرف ہے، جو ان کی اجازت کے بغیر جائز نہیں اور حدیث اجازت یا عدم اجازت سے خاموش ہے۔

خلاف معمول فعل کی وجوہات

پہلے اشکال سے قاضی عیاض جواب دیتے ہیں۔ ا...... ممکن ہے بول کا شدید تقاضا ہو اور دور جانا مناسب نہ ہو۔ جبکہ دوسرے اشکال کے بارہ میں کہا گیا ہے۔

ا...... آپ ﷺ کا بول قائما جواز اور تعلیم امت کیلئے تھا۔

۲...... آپ ﷺ کو جسمانی عذر اور تکلیف تھی اور بیٹھنے سے معذور تھے۔

۳...... سباطہ قوم کی وضع کچھ ایسی تھی کہ آپ کے سامنے والا اور پیچھے والا حصہ گہرا تھا یعنی سطح ڈھلوانی تھی اگر بیٹھتے تو بول لوٹنے کا احتمال تھا اور رُخ بدلتے تو کشف عورت لازم آتا۔ گویا وہ جگہ مخروطی شکل تھی جہاں بول کرتے وقت کھڑے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔

۴...... امام شافعیؒ فرماتے ہیں آپ کی کمر میں درد تھا اور عرب میں اس کا علاج کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مروّج تھا۔

۵...... یہ بھی ممکن ہے کہ بوجہ نجاست کی کثرت کے بیٹھنے کی جگہ نہ ہو۔

(حقائق السنن صفحہ نمبر ۱۶۶)

شرب قائما کا حکم

ثم قام فاخذ فضل طهوره فشربه و هو قائم - ترمذی

جلد ثانی میں حدیث منقول ہے کہ جس میں شرب قائما سے حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی بھول کر قائما پی بھی لے تو اسے قے کرنی چاہئے۔ جبکہ حدیث باب میں شرب قائما مذکور ہے۔ ۱...... ابتداء میں شرب قائما جائز تھا بعد میں مکروہ ہوا اور حضرت علیؓ کی روایت اس ابتدائی زمانہ پر محمول ہے۔ ۲...... شرب قائما کی نہی تحریمی نہیں تنزیہی ہے۔ ۳...... امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ شرب قائما سے نہی شفقتاً اور طبعاً ہے شرعاً نہیں۔ جیسے عام طور پر جب کمرہ میں چائے پی کر بچے سردی کے موسم میں باہر نکلتے ہیں تو والدہ بچوں سے کہتی ہے، باہر مت نکلو زکام لگ جائے گا۔ اب والدہ کی یہ نہی بچوں سے شفقت کی بناء پر ہے یا طبی ہے تا کہ بچے بیمار نہ ہوں۔ طباً نہی میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ بعض اوقات شرب قائماً سے پانی حلقوم کے اندر دوسرے راستے سے چلا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں شرب قائماً سے فم معدہ پر بھی بوجھ آتا ہے۔

مغربی تہذیب کا خلاصہ معدہ پرستی ہے

جو لوگ کھڑے ہو کر کھانا کھاتے ہیں اور اس کی ترغیب بھی دیتے ہیں اور اسلامی تہذیب وتمدن اور تعلیم کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ درحقیقت ان کا مقصدِ زندگی کچھ اور ہے۔ ایسے لوگوں کا نقطہ نظر فقط مادہ ہے اور بس...... اس لئے کھڑے ہو کر کھانا کھاتے ہیں تا کہ پیٹ کا جہنم خوب بھرے۔ اہل ایمان کو اوّل تو یہ تعلیم دی گئی ہے، کھانا بقدر کفاف کھاؤ، پھر کھانے کے دوران ایسی ہیّت اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ کم خوری کا باعث ہو۔ مثلاً کھانا کھاتے وقت اکڑوں بیٹھنے سے پیٹ رانوں کے الصاق اور دباؤ سے دبا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے کھانا بھی مناسب مقدار میں قبول کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کھانے کے تمام مسنون طریقوں میں بیٹھ کر کھانا آیا ہے اور انسان جب بیٹھا رہتا ہے تو اس کا پیٹ سکڑا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے اندر کھانا کم

سما تا ہے، مگر پیٹ کے بندوں کو یہ ہیت وقعود اس لئے ناگوار ہے کہ اس صورت میں پیٹ خوب نہیں بھرتا اس لئے کھڑے ہوکر کھاتے ہیں، جس میں پیٹ کی طنابیں کھلی رہتی ہیں اور باہر سے کوئی دباؤ نہیں پڑتا اور یہ لوگ جب کھانا کھاتے ہیں تو حرکت کرتے اور چلتے پھرتے ہیں تاکہ مزید گنجائش رہے جیسے غلہ بھرتے وقت بوری کے بھر جانے کے بعد جب اسے حرکت دی جاتی ہے تو اس میں مزید گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔

نہی تنزیہاً اور شفقتاً میں فرق

جہاں نہی شفقتاً یا طبعاً ہو تو نہی من حیث النہی کے مقتضا پر عمل کرنے میں ثواب اور ترک عمل میں عقاب وعذاب نہیں۔ جب کہ نہی تنزیہی کے مقتضا پر عمل سے ثواب اور ترک عمل سے ملامت ہوتی ہے۔

ماء زمزم کے برکات

صحیح بات یہ ہے کہ شرب قائماً مکروہ تنزیہی ہے مگر اس سے ماء زمزم اور فضل الوضوء مستثنیٰ ہیں، کیونکہ ان دونوں میں برکت، شفائیت اور غذائیت ہے۔ ماء زمزم میں باری تعالیٰ نے برکتیں رکھی ہیں۔ مائیت اور غذائیت بھی۔ چونکہ آج کل ہماری ایمانی قوتیں حد درجہ کمزور ہو چکی ہیں۔ عقائد میں بھی کمزوری آ گئی ہے۔ اس لئے اب وہ برکات بھی مرتب نہیں ہوتے۔ ایک دور ایسا بھی تھا جب مکہ معظمہ میں نہ تو ہسپتال تھے، نہ ڈاکٹر اور نہ طبیب ..... ایک ڈاکٹر کسی دوسرے ملک سے مکہ معظمہ میں اس غرض سے آیا کہ وہاں لوگوں کا علاج کرے ایک عرصہ گذار دیا، مگر اس کے پاس کوئی مریض بھی علاج کیلئے نہیں آیا۔ وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں سحری کے وقت جب زمزم کے کنویں کو کھولا جاتا تھا تو اس کے پہلے پانی سے لوگ اپنے برتن بھر لیتے اور وہی پانی اپنے مریضوں کو پلا دیا کرتے تھے۔ جس سے مریض شفایاب ہو جایا کرتے تھے۔

ماء زمزم کا نقد ثمرہ

ہمارے استاد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مظفر نگر کا ایک سفید ریش ڈاکٹر جب مکہ معظّمہ میں زمزم کے کنویں پر گیا تو پانی پیتے وقت یہ دعا کیا کرتا تھا کہ یا اللہ میری داڑھی کے بال سیاہ کردے۔ دس پندرہ روز کے بعد اس کی داڑھی میں سیاہ بال آنا شروع ہوگئے۔ وہ ڈاکٹر جب تک وہیں رہا یہی معمول جاری رکھا۔ اچانک کسی ضرورت سے واپسی ہوئی، جب گھر لوٹا تو داڑھی میں آدھے بال سیاہ ہو چکے تھے۔ یہ تو ہمارے اساتذہ کرام کے دور کی بات ہے۔ رونا بھی آتا ہے اور افسوس بھی کہ آج مسلمان اسلام اور اس کی تعلیمات کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ قلوب میں اسلامی احکام کی عظمت باقی نہیں رہی اس لئے خدا تعالیٰ نے وہ برکات اور نتائج بھی لے لئے ہیں جو اگلوں پر ہوا کرتے تھے۔

(حقائق السنن صفحہ نمبر ۲۵۱)

قضائے حاجت کے وقت نہی استقبال قبلہ

قضائے حاجت کے وقت استقبال قبلہ ائمہ کرام کے نزدیک معرکۃ الآراء بحث ہے، لیکن شیخ الحدیث برداللہ مضجعہ نے اسے انتہائی سہل طریقے سے حل فرمادیا ہے۔ عن ابی ایوب انصاریؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلو القبلۃ بغائط ولا بول ولا تستدبروھا ولٰکن شرقوا او غربوا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا اس میں فقہاء کے چار مذاہب ہیں (۱) مطلقاً ناجائز۔ یہ مذہب جمہور صحابہؓ، تابعین، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا ہے اور عندالاحناف مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔ (۲) استقبال و

استدبار مطلقاً جائز ہے۔ یہ مذہب امام داؤ ظاہریؒ اور غیر مقلدین کا ہے۔ (۳) استقبال مطلقاً ناجائز اور استدبار مطلقاً جائز ہے۔ استقبال واستدبار دونوں صحرا میں مطلقاً ناجائز ہیں، البتہ بنیان میں مطلقاً جائز ہے۔ یہ مسلک امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور اسحٰق بن راہویہ سے منقول ہے۔

احناف حضرات استقبال و استدبار کے مطلقاً عدم جواز پر استدلال حضرت ایوب انصاریؓ کی مذکورہ روایت سے کرتے ہیں اسے اصل الاُصول قرار دے کر حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایات سے اپنے مؤقف کی تائید اور مخالف روایات میں مناسب تاویل کر کے انہیں بھی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ امام داؤ ظاہریؒ اور غیر مقلدین حدیثِ جابر سے مطلقاً جواز پر استدلال کرتے ہیں اور اسے حدیث ابوایوبؓ کیلئے ناسخ قرار دیتے ہیں اور امام احمدؒ استدبار کے مطلقاً جواز پر حدیثِ ابنِ عمرؓ سے استدلال کرتے ہیں اور اسے حدیث ابوایوبؓ کی عموم نہی کا ناسخ کہتے ہیں۔

حدیث ابوایوبؓ کی وجہ ترجیح

اس روایت کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تمام صیغے متکلم مع الغیر کے ہیں، جیسے .... قدمنا، وجدنا فننحرف اور نستغفراللّٰہ نیز جہادِ شام میں ہزاروں صحابہ کرامؓ نے شرکت کی تھی۔ معلوم ہوا کہ صحابہؓ کی کثیر جماعت تھی، اور سب کا یہی عمل تھا۔ مگر کسی صحابی نے بھی نکیر نہیں کی۔ (۲) حدیث ابوایوبؓ متفق علیہ ہے۔ سند کے اعتبار سے اس باب میں احسن و اصح ہے۔ (۳) یہ روایت صحاح ستّہ کی تمام کتب میں موجود ہے۔

جس میں جانب مخالف کا کوئی احتمال نہیں جبکہ احادیث رخصت میں دیگر بہت سے احتمالات موجود ہیں ۔ (۴) حدیث الباب میں ایک کلیہ بتایا گیا ہے جو ساری امت کیلئے ہے ۔ حالانکہ دوسری روایات میں سب اقوال عام ہیں ۔ اس پر مخالفین کے متدلات جزئیات پر مبنی ہیں ، بنا بریں جزئیہ اور کلیہ کے تعارض کے وقت ترجیح کلیہ ہی کو دی جائے گی کیونکہ وہ اصل حکم ہے ۔ (۵) حضرت ابوایوبؓ والی حدیث قولی ہے اور مخالف روایات فعلی ہیں محدثین کے اصول کے مطابق قولی اور فعلی روایات کے تعارض کے وقت قولی حدیث کو ترجیح حاصل ہوتی ہے کیونکہ قول سے مقصود تشریع ہوتی ہے ، جبکہ فعل کبھی عادت کی بناء پر اور کبھی عذر کی وجہ سے بھی صادر ہوتا ہے ، تو جس طرح شرع کو عادت پر ترجیح حاصل ہے اسی طرح قول کو فعل پر ترجیح ہے ۔ (۶) حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت نہی کی ہے اور نہی حرمت کا تقاضا کرتی ہے ، جبکہ مخالف روایات افعال ہیں ۔ جو اباحت کا تقاضا کرتے ہیں ۔ حدیث بھی مطلق اور صحابہؓ کا عمل بھی ۔ بنا بریں ہزاروں صحابہؓ کا عمل ہی راجع ہے اور اسی پر عمل منشاء حدیث کے عین مطابق ہے'' ۔ (حقائق السنن صفحہ نمبر ۱۵۲ تا ۱۵۴)

بولِ صبی اور احناف کا موقف

''باب ماجاء فی نضح بول الغلام قبل ان یطعم''

بول صبی کے نجس ہونے پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے ، البتہ اس کے ازالہ کے طریقِ تخفیف کے قائل ہیں اور اس کی تطہیر میں ائمہ کا اختلاف پایا جاتا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بول صبی کا تطہیر کیلئے مطلقاً رش اور نضح کافی ہے ، البتہ صبیہ کے بول کا غسل معتاد ضروری

ہے۔ امام اوزاعیؒ کے نزدیک غلام اور جاریہ دونوں کیلئے نضح اور رش کافی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ محض رش اور نضح پر اکتفاء کافی نہیں، بلکہ غلام کے بول میں غسل خفیف اور بول جاریہ میں غسل معتاد ہے۔

داؤد ظاہریؒ اور بعض ظواہر یہ حدیث باپ...... ''فدعا بماء فرشه عليه'' سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نجاست کے ازالہ میں تین بار دھونا اور نچوڑنا معتاد ہے۔ اگر بول صبی نجس ہوتا تو اس کی تطہیر کا بھی وہی حکم ہونا چاہیئے تھا۔

جمہور اہل سنت بھی بول صبی کے نجس ہونے پر حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر بول صبی طاہر ہوتا تو حضور اکرم ﷺ اس سے نضح، رش اور غسل کا حکم نہ فرماتے اور کبھی رش یا نضح اور غسل ترک بھی کیا ہوتا۔ مگر حدیث کے وسیع ذخیرہ میں ایسی ایک بھی روایت نہیں ملتی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ تلویث بول صبی کے بعد حضور ﷺ نے اس کے طاہر ہونے کی وجہ سے نضح یا رش نہ کیا ہو۔ (خصوصی نمبر ص ۳۴۵)

کمال حافظہ

مولانا قاری محمد عبداللہ بنوی تحریر کرتے ہیں:

''ایک دن میں نے ایک لفظ حدیث کسی کتاب کے حاشیے پر دیکھا، جو لهبرة لکھا ہوا تھا، تو اس لفظ کے متعلق میں نے کئی علماء سے پوچھا، لیکن کسی سے جواب نہیں ملا۔ لیکن حضرتؒ چونکہ طلباء پر شفقت فرماتے ہیں، لہٰذا میں نے حضرتؒ کی شفقت کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ حضرتؒ نے فوراً فرمایا: یہ حدیث ہے مسند امام اعظم کتاب

النکاح...... ابو حنیفه عن حمادٍ قال اخبرنی شیخ المدینه الیٰ اٰخر السند، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم هل تزوجت قال لا ، قال لا تزوجن خمساً ، قال ماهن قال شهبرة ولا نهبرة ولا لهبرة ولا هبدرة ولا لفوتا

ترجمہ: آپ نے فرمایا نکاح نہ کرو شهبره سے نہ نهبره سے نہ لهبره سے نہ هبدره سے اور نہ لفوت سے۔ اس پر حضرت زیدؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ جو الفاظ آپ ﷺ نے ارشاد فرمائے، ان میں سے ایک کے معنی بھی نہیں جانتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تو اچھا "شهبرة" گربہ چشم موٹی بدن کی، "نهبرة" لمبی بہت دبلی "لهبر ۃ" بوڑھی جذبات شہوانی سے خالی،" هبدر ۃ " بوٹی بدشکل اور لفوت وہ جو دوسرے خاوند سے بچہ لائے"۔

(مسند امام اعظم ص ۷۵۵)

حضرتؒ نے اس کا حوالہ دیا اور ساتھ ہی فرمایا، دیوبند میں یہ کتاب میں نے دیکھی تھی۔ چالیس سال کے بعد حوالہ صحیح نکلا۔ بعینہٖ عبارت کتاب میں موجود تھی۔ میں نے دیکھا یہ ایک مثال ہے۔ ایک نہیں ہزاروں مثالیں ایسی ہیں، جو حضرتؒ سبق میں روزانہ یاد فرماتے ہیں"۔ (خصوصی نمبر ص ۳۸۳)

مسح رأس کی حکمتیں

حضرت شیخ الحدیثؒ بعض احکام و مسائل کا نہایت احسن پیرایہ میں حکمتوں کا ذکر کرتے ہیں، جس سے ان کی افادیت مزید آشکارا ہو جاتی ہے جس کی چند مثالیں درج ہیں:

"وضو میں سر کے مسح کرنے کا حکم ہے، جبکہ غسل جنابت میں غسل

رأس کا۔ چونکہ غسل جنابت کی ضرورت انسان کو کم پیش آتی ہے اس لئے سر دھونے میں حرج بھی نہیں، لیکن وضو روزانہ پانچ مرتبہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر وضو میں بھی غسل رأس کا حکم ہوتا تو حرج عظیم واقع ہوتا اور ہر وقت نزلہ، زکام اور مختلف امراض کا اندیشہ لاحق رہتا، اس لئے وضو میں غسل رأس کے بجائے مسح کا حکم دیا۔

اس میں یہ حکمت بھی کارفرما ہے کہ جن اعضاء کی تطہیر کا حکم دیا گیا ہے، وہ چار ہیں۔ جن میں سے دو مرکز اور دو ان کے خادم اور وسیلہ ہیں۔ رأس (سر) قوت علمیہ کا مرکز اور یدین (ہاتھ) اس کے خادم ہیں، چونکہ سردار اور آقا کا کام تھوڑا اور ہلکا ہوتا ہے۔ بعض اوقات ان کے اشارہ سے ایسے امور انجام پاتے ہیں، جو عام افراد عرصہ تک نہیں کر سکتے۔ چونکہ رأس مرکز علمی کا سردار اور وجہ اس کا خادم، اس لئے رأس کا کام ہلکا یعنی مسح ہے اور وجہ کا کام زیادہ یعنی غَسل ہے۔ اسی طرح مرکز عملی کے سردار رجلین کا کام بھی بعض صورتوں میں خفیف ہے۔ (لبس خفین کی صورت میں ایک مدتِ مقررہ تک مسح کی اجازت ہے) اور یدین کی ذمہ داری زیادہ رکھی گئی ہے"۔ (حقائق السنن جلد ۱، ص ۲۱۸، ۲۱۹)

عذاب قبر کی حکمتیں

"ایک مسلمان کو پیشاب سے احتراز نہ کرنے کی وجہ سے جو عذاب قبر دیا جارہا ہے، اس میں بظاہر یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ شاہی دربار میں حاضری کے وقت ہر شخص اوّلاً غسل کرتا، میل کچیل کا ازالہ کرتا، کپڑوں کو دھوتا اور طہارت و نظافت کیلئے انہیں رگڑتا اور کوٹتا ہے اور ان پر پانی بہاتا ہے، پھر آگ کی مانند گرم استری سے

اس کے ٹیڑھے پن کو دور کرتا ہے، تب جا کر کپڑا صاف ہوتا اور شاہی دربار میں جانے کے شایانِ شان ہوتا ہے۔ لوہے کا زنگ دور کرنے کیلئے لوہار بھی لوہے کو آگ کی بھٹی میں گرم کر کے اسے خوب کوٹتا ہے تب اس کی صفائی ہوتی ہے۔

یہاں بھی ایک مسلمان نے اللہ رب العزت کی دربار میں حاضری دینی ہے۔ اس لئے عذاب قبر کی صورت میں پہلے اس کی روح کے لباس (بدن) سے گناہوں اور معصیت کا میل کچیل دھو کر صاف کروا دیا جاتا ہے، تاکہ وہ بارگاہ ربوبیت میں ایسے حال میں حاضر ہو کہ اس کے وجود پر معصیت اور نافرمانی کا کوئی دھبہ باقی نہ رہے، اور یہ عمل نکیرین کے سوالات کے جوابات کے بعد شروع ہوتا ہے اور پھر قبر میں اس لباس کو خوب نچوڑ نچوڑ کر معصیت اور گناہوں کے زنگ کو دور کر دیا جاتا ہے، پھر قیامت کے احوال و شدائد سے اس کی مزید صفائی کر دی جاتی ہے''۔ (حقائق السنن جلد ۱، ص ۳۱۹)

سائنسی ایجادات اور فہم حقائق

''اعراض'' کے لیے بھی بقا ثابت ہے اور موجودہ سائنس نے بھی اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ مثلاً آج کے اس سائنسی دور میں بہت سے اعراض ایسے ہیں جس کو لوگ پہلے غیر قار الذات سمجھتے تھے۔ آج ان کو قار الذات مانا جاتا ہے۔ مثلاً ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر اور ٹی وی کے ذریعے انسانی آواز اور حرکات تک محفوظ کی جا رہی ہیں۔ حتیٰ کہ زمانہ ماقبل کے لوگوں، افلاطون اور ارسطو کی آواز تک کو ریکارڈ میں لانے کی کوشش آج کل جاری ہے۔ اسی طرح حرکات اور برودت کے درجات آسانی سے معلوم کر لیئے جاتے ہیں۔ یہ سب اعراض ہیں۔

جن کو آسانی سے تولا اور ناپا جا رہا ہے۔ سائنس کی اس ترقی نے ''وَالوَزنُ یَومَئِذِنِ الحَقُّ '' کی پیشن گوئی اور قرآنی حقیقت کو سمجھنے میں آسانی پیدا کر دی ہے۔ یہ تو انسانی سائنس کا کرشمہ ہے، تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے گناہ اس کی وجود کے اعضا اور جوارح کے ریکارڈ میں محفوظ کئے جا رہے ہیں۔ تو اسے امر بعید تصور کرنا ایک سچائی اور حقیقت کا انکار ہے۔ بہر حال جس طرح مذکورہ اعراض کا محفوظ کرنا اور تولنا ایک حقیقت ہے، اسی طرح انسانی اعضاء سے بھی اصل خطایا (وضو کے ذریعے) کا خروج ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا''۔

مذکورہ اقتباسات کو نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کو علوم نبوت میں کتنی بے پناہ مہارت اور وسعتِ نظر حاصل تھی اور یہ کہ جدید معلومات پر بھی ان کو کما حقہٗ عبور حاصل تھا۔ اسی طرح حقائق السنن ان کے تبحر علمی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ آپ عمر بھر کیلئے اتنا کام چھوڑ گئے ہیں کہ جب تک ستارے جگمگاتے رہیں گے آپ کا نام روشن رہے گا.........

وہ عمر بھر کے لیے اتنا کام چھوڑ گئے
بیاضِ دہر پہ بس اپنا نام چھوڑ گئے

(خصوصی نمبر ص ۳۵۲)

اگر اس سلسلہ کو دراز کیا جائے تو حقائق السنن جتنی ایک مستقل اور ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ یہاں تو آپ کے فہم حدیث کی ایک جھلک دکھانی مقصود تھی۔ ان چند مثالوں سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علم حدیث اور اس کے حقائق، دقائق اور معارف سے آپ کو کس قدر گہری مناسبت تھی چونکہ آپ

کا اصل طغرائے امتیاز آپ کی محدثانہ جلالت قدر اور علم حدیث پر بے پایاں عبور ہے اس لئے درس حدیث کی جو خصوصیات اور ملکہ اللہ نے آپؒ کو عطا فرمایا تھا اس کی مثالیں بہت کم جگہ نظر آتی ہیں۔ جب انسان کو کسی ذات یا شخصیت یا مشن سے والہیت ہو جاتی ہے تو اسے ہر جگہ اسی محور و مرکز کی تصویر نظر آتی ہے، جہاں دل نے بندھنیں ڈال دی ہوتی ہیں۔ خود حضرت شیخ الحدیثؒ کا بیان ہے کہ

''استاذ المکرّم، شیخ العرب والعجم، شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ ایک مرتبہ بخاری پڑھا رہے تھے کہ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ دار الحدیث میں تشریف لا کر طلباء کے ساتھ شیخؒ کے پس پشت بیٹھ گئے۔ حضرت مدنیؒ اس وقت بخاری کی عبارت خود بھی پڑھ رہے تھے اور اس پر بحث بھی کر رہے تھے اور ان کے پاس بجائے بخاری کے قسطلانی کی باریک حروف کا نسخہ تھا، جو آسانی سے نظر نہیں آتا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے سبق پڑھا کر جب فارغ ہوئے اور حضرت لاہوریؒ نے سے ملاقات کی تو فرمایا آپ محسوس نہ کریں دار الحدیث میں آپ کی آمد مجھے محسوس نہ ہو سکی، وجہ یہ تھی کہ مجھے سبق پڑھانے کے دوران نیند آ گئی تھی ...... تو اس واقعہ سے ہم نے یہ اندازہ لگایا کہ غالباً شیخ مدنیؒ کو بخاری متناً و سنداً یاد ہے اگرچہ آپ نے خود کبھی اس کا اظہار نہیں فرمایا''۔

(حقائق السنن جلد ا ص ۳۴۲)

اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ حضرت مدنیؒ حالت نیند میں بھی درس حدیث پڑھایا کرتے تھے اور کتاب احتراماً آگے رکھی ہوتی۔

ع ہماری نیند ہے محو خیال یار ہو جانا

جب حضرت شیخ الحدیثؒ کے محترم استاد کا یہ حال و مقام تھا تو کیوں نہ ان کے تلمیذ رشید پر اس کا اثر ہوتا۔ چنانچہ مخدوم زادہ ذی قدر پروفیسر محمود الحق لکھتے ہیں۔

رہا خواب میں ان سے شب بھر وصال

وہ منظر بھی دل ہلا دینے والا ہوتا تھا جب حضرتؒ نیند کی حالت میں واضح الفاظ اور نہایت جوش و جذبے کے ساتھ تقریر کر رہے ہیں اور مجمع کو شیطان مردود کے راستہ پر نہ چلنے کی تلقین کرتے جا رہے ہیں اچانک جوش میں آکر اسی نیند کی حالت میں اٹھ بیٹھتے ہیں اور شیطان کو مارنا شروع کر دیتے ہیں اور ساتھ ساتھ کہتے جا رہے ہیں اے لعین و مردود! آج تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا اور یہ منظر اس وقت اختتام پذیر ہوتا ہے جب والدہؒ اٹھ کر حضرتؒ کو بیدار کر دیتی ہیں۔ اللہ اللہ کیا شان ہے، اٹھتے سوتے ہر وقت دشمنان دین سے نبرد آزما ہیں، یہ منظر کئی بار دیکھا لیکن باوجود ارادہ کے ریکارڈ نہ کر سکا
(خصوصی نمبر ص ۲۵۵)

حدیث رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دن رات حضرتؒ کا انہماک رہتا تھا شب و روز کوئی چند گھنٹوں سے زیادہ سونا نہیں ہوتا تھا۔ اس محنت و انہماک، فطری سعادت اور خوش بختی نے حضرتؒ کے آرام اور خواب کو بھی وصال یار اور حدیث یار کی لذت سے آشنا کر دیا، جو ان کی مسلسل کامیابیوں اور اقران و اماثل میں خصوصیت اور امتیاز کا راز ہے۔

باب ۱۹

فقہی بصیرت اور حکیمانہ فیصلے

قدرت کی فیاضیوں نے جو عملی جامعیت حضرت شیخ الحدیثؒ کو عطا فرمائی تھی وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ جس طرح آپ ایک عظیم محدث' بلند پایہ مدرس' دریائے سیاست کے شناور' زمانے کے نباض' بحر شریعت و طریقت کے غواص' شب زندہ دار عابد اور ایک وسیع النظر عالم تھے ایسے ہی آپ ایک بہترین اور بے نظیر مفتی بھی تھے' لیکن آپ کی فقہی بصیرت اور فقیہانہ عظمت سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔

شیخ الحدیثؒ احناف کے وکیل :

حضرت شیخ الحدیثؒ فقہ سے کامل مناسبت اور ایک گونہ اجتہادی صلاحیتوں کے باوجود پکے مقلد اور حنفی المسلک عالم دین تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی عادت تھی کہ دوران درس جب دار قطنی کا ذکر آتا تو فرماتے شوافع کا وکیل دار قطنی مولانا قاضی عبدالحلیم فرماتے ہیں مجھے یقین ہے کہ دار قطنی اگر حیات ہوتے اور حضرت شیخ الحدیثؒ کی فقہ حنفی کی ترجمانی دیکھتے تو بے ساختہ پکار اٹھتے کہ احناف کا وکیل شیخ عبدالحقؒ۔

حضرت شیخ الحدیثؒ فقہ حنفی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ جو فتویٰ ان کے قلم سے نکلتا وہ اس قدر جچا تلا اور مناسب ہوتا کہ کسی بڑے سے بڑے مفتی کے لئے بھی اس پر حرف گیری آسان نہ ہوتی لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود حضرت شیخ الحدیثؒ فتویٰ دینے میں بڑے محتاط تھے۔ ذیل میں حضرتؒ کی احتیاط کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

سرکاری طلاق کی شرعی حیثیت :

حضرت العلامہ مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی نے سرکاری طلاق کی شرعی حیثیت پر ایک فتویٰ تحریر فرمایا تھا جسے دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء سے تصویب و تصدیق حاصل ہوئی اور مفتی حضرات نے اپنے دستخط ثبت فرمائے۔ بعد میں جب وہ فتویٰ حضرت شیخ الحدیثؒ مدظلہ کی خدمت میں دستخط کے لئے پیش کیا گیا تو اولاً آپ نے معذرت فرمائی کہ جب دارالافتاء سے تصویب ہوگئی ہے تو میرے دستخط کی ضرورت باقی نہیں رہی مگر جب حضرت کو بتلایا گیا کہ یہ ایک تحریر ہے جسے ملک کے تمام جامعات اور اکابر علماء و مشائخ کے دستخطوں سے شائع کیا جائے گا تاکہ اجتماعی طور پر متفقہ اور مؤثر رہے۔ جب آپ نے فتویٰ کی مفصل تحریر سنی تو درج ذیل عبارت تحریر فرما کر دستخط ثبت فرمائے۔

الجواب صحیح : جب حاکم شرعی قواعد و شرائط کو ملحوظ نہ رکھے تو شرعاً اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا اور ایسے فیصلوں سے تمام مسلمانوں کو عملاً احتراز لازمی ہے۔

دارالعلوم کی مہر :

اسی مجلس میں یہ بھی ارشاد فرمایا :

فتویٰ پر مہر بھی ثبت کر دیں' احقر نے عرض کیا دارالافتاء سے دارالعلوم

کی مہر لگادی گئی ہے اور اگر آپ اجازت دیں تو آپ کی تحریر کے نیچے آپ کی ذاتی مہر بھی ثبت کردی جائے۔ ارشاد فرمایا: میری ذاتی مہر کی کوئی حیثیت نہیں، جب دارالعلوم کی مہر آجائے تو مہتمم کی مہر کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

مولانا عبدالحلیم دیروی نے عرض کیا حضرت! آپ کی مہر سب سے اہم ہے۔ ارشاد فرمایا: نہیں، ایسا نہیں دارالعلوم کی مہر اصل ہے اور ہم سب اس کے تابع ہیں، جب اصل آجائے تو توابع کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(صحبتے بااہل حق، ص ۲۱۵)

اللہ کریم نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو فقاہت کا جو ملکہ عطا فرمایا تھا اس کے بنیادی اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ آپ جس علاقہ کے رہنے والے تھے وہاں خانگی اور قومی معاملات میں شرعی حل کے لئے آپ کی طرف لوگوں کا رجوع بہت زیادہ تھا۔ یوں آپ کو فقہی کتابوں کے مطالعہ کا وافر موقع میسر آیا۔ آپ ہمیشہ مختصر اور جامع فتویٰ لکھتے، پھر دارالافتاء بھیج دیتے۔ آپ کی فقہی بصیرت اور حسن تدبیر کی بنیاد پر کئی بار آپ کے علاقہ میں فتنہ وفساد کے آئے ہوئے بادل ٹل گئے۔ ذیل میں حضرتؒ کی علمی ذکاوت کی ایک روشن اور اعلیٰ مثال ملاحظہ ہو۔

فقہی بصیرت کی ایک اعلیٰ مثال:

حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ایک موقع پر کسی سڑک کی تعمیر میں ایک قبر سڑک کی زد میں آتی تھی اور حکومت اس قبر کو مسمار کر رہی تھی لیکن مقامی لوگ اس پر خوش نہیں تھے۔ جب سرکاری اہل کاروں نے ہم سے فتویٰ لینا چاہا تو میں نے حضرت شیخ الحدیثؒ سے مشورہ کیا، آپؒ نے فرمایا اگرچہ پرانی قبر کو مسمار کرنا ازروئے شرع جائز ہے لیکن ہمارے اس فتویٰ سے لوگ مطمئن نہیں

ہوں گے بلکہ مذہبی جنوں کی وجہ سے شاید یہ لوگ دارالعلوم کو بھی فریق شمار کریں گے اس لئے اس انداز سے فتویٰ دیا جائے کہ قبر کے اوپر پل بنوا کر سڑک بنائی جائے۔ دفع فساد کے لئے اس وقت قبر کے مسمار کرنے کا فتویٰ نہ لکھیں۔ چنانچہ تلاش کرنے پر "عالمگیری" میں حضرت شیخ الحدیثؒ کا یہ جزئیہ نکل آیا۔ یوں آپ کی حسن تدبیر سے فتنہ وفساد کا خطرہ ٹل گیا اور قبر جب پل کے نیچے آگئی تو اس سے لوگوں کا اعتقاد بھی طبعی طور پر متاثر ہوا اور لوگ شرکیہ عقائد سے بچ گئے۔

(الحق خصوصی نمبر، ص ۳۸۰)

حکمت ودانائی :

حضرت شیخ الحدیثؒ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک حکیم ودانا عالم بھی تھے۔ بوقت ضرورت جب مسئلہ بیان کرنے کی ضرورت پڑتی تو آپ ماحول، حالات، نتائج اور عواقب کو سامنے رکھ کر فتویٰ دیتے۔ آپ وقتی مصلحت کے پیش نظر کسی ایسے جوش اور جذبہ سے حکم لگانے کے قائل نہیں تھے جس سے معاشرہ میں بدمزگی پیدا ہو اور شریعت کا مذاق اڑایا جائے۔ مولانا مفتی غلام الرحمٰن تحریر فرماتے ہیں :

۱۹۷۸ء میں چھٹیوں کے دوران میں، میں نے "قضاء عمری" کے بارے میں ایک فتویٰ دیا جس میں، میں نے "قضاء عمری" کی روایت کو موضوع ثابت کرنے کے بعد لکھا کہ : "قضاء عمری کسی حدیث سے ثابت نہیں اور یہ بدعتِ قبیحہ ہے۔"

جب آپؒ کو یہ جواب سنایا تو آپ نے فرمایا کہ جواب تو ٹھیک ہے، اس میں کوئی شک نہیں لیکن ہمارے پٹھانوں کے علاقہ میں لوگ دینداری میں پختگی مگر کم علمی کی وجہ سے "قضاء عمری" کے ایسے عاشق

ہیں کہ ایسے سخت الفاظ کے نتیجہ میں کہیں طیش میں آ کر فتنہ و فساد اور سب و شتم پر نہ اتر آئیں اس لئے ان الفاظ میں یوں ترمیم کر دو " قضاء عمری کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، ہمارے اسلاف نے اس کو بدعت میں شمار کیا ہے۔" (الحق خصوصی نمبر، ص ۳۸۱)

حضرت شیخ الحدیثؒ کی فقہی بصیرت، حسن تدبیر اور معاملہ فہمی کی یہ چند جھلکیاں ان کی عظیم فقہی کاوشوں اور علمی بصیرت، ثمرات اور حکیمانہ فیصلوں پر محیط نہیں اس لئے کہ --- ع

سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے

یہ تو صرف " اذکرو محاسن موتاکم " کے تحت ان کے تذکرہ سے اپنے قلب و جگر کی راحت کا سامان ہے اور آنے والی نسل کے لئے بطور رہنما خطوط اور ---

تیری رحمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لئے

باب ۲۰

کارزار سیاست میں قدم کیوں رکھے؟

ہر فرعونے راموسیٰ کی تاریخ ہر دور میں دہرائی جاتی ہے' حق و باطل کی معرکہ آرائی ازل سے شروع ہے۔ اگر حق حضرت ابراہیمؑ کی شکل میں آیا تو باطل نے نمرود کا روپ دھار لیا۔ حق نے اگر حضرت موسیٰؑ کا کردار سنبھالا تو مقابلے میں باطل فرعون کے رنگ میں صف آرا تھا۔ حق نے نبی کریم ﷺ کی شکل میں ظہور کیا تو باطل ابو جہل کا جامہ پہن کر بدر و حنین کے میدان میں لاو لشکر سمیت خیمہ زن ہو گیا۔ حق حضرت حسینؓ کی صورت میں کربلائے معلیٰ کارخ کرتا ہے تو باطل ابن زیاد کے روپ میں مظالم کے پہاڑ توڑ دیتا ہے لیکن--

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حق و صداقت اور باطل کی ان جنگوں میں فتح حق کی ہوئی کیونکہ ان الباطل کان زھوقاً نص قطعی ہے --- ع

خود ترکش والے کہہ دیں گے یہ بازی کس نے ہاری ہے

اسی قافلہ حق کے مجاہدین میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اکبر بادشاہ کی سلطنت کا آخری دور جس میں خود اکبر نے دین الٰہی ایجاد کرڈالا' اسلام اور مسلمانوں کے ایمان کو خطرہ میں دیکھ کر تن من دھن کی بازی لگادی اور حق کی آواز بلند کرتے

ہوئے اسیر زندان ہوئے، کاروان حق چلتا رہا۔ ایک وہ وقت بھی آیا کہ اس کاروان کی قیادت حضرت شاہ ولی اللہ نے سنبھالی۔ تاریخ دعوت وعزیمت کے تسلسل کو بیان کرتے ہوئے داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

شاہ ولی اللہ نے اپنی بالغ نظری، ہندوستان کی صورت حال کے حقیقت پسندانہ مطالعہ، ارکان سلطنت اور امراءِ دربار کی بے کرداری اور حکمران خاندان کی روزافزوں نااہلی سے دو حقیقتیں ایسی سمجھ لی تھیں جو روز روشن کی طرح صاف تھیں۔ ایک تو یہ کہ ملک کی پہلی ضرورت اس بے نظمی اور طوائف الملوکی کو دور کرنا ہے جس سے نہ اہل ملک کی جان ومال، عزت وآبرو محفوظ ہے، نہ کسی تعمیری کام اور بہتر نظم ونسق کی گنجائش ہے اور دوسری حقیقت یہ تھی کہ اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے کسی ایسے تجربہ کار عسکری قائد اور منظّم سپاہ کی ضرورت ہے جو نئی جنگی طاقت سے معمور تو ہو لیکن مخمور نہ ہو، اس کے اندر سپہ گری کے جوہر اور شجاعت وبہادری کے ساتھ ساتھ ایمانی غیرت ودینی حمیت بھی ہو۔

(تاریخ دعوت وعزیمت، ص ۳۱۲)

حضرت شاہ صاحبؒ کے جلائے ہوئے چراغ کو ان کے لائق فرزندوں اور جانشینوں نے نہ صرف روشن وتاباں رکھا بلکہ اس سے سینکڑوں چراغ اور جلائے۔ انہی چراغوں میں سے سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ نے باطل کے خلاف بہادری اور جرأت ایمانی کی بالاکوٹ کے مقام پر وہ تاریخ رقم کی جو آج بھی سرفروشان اسلام اور مجاہدین کے لئے مشعل راہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء کے بعد اللہ نے احیاء دین اور ملت اسلامی کے تحفظ وتشخص کے بقا کی ذمہ داری حضرت شیخ الہندؒ کے کندھوں پر ڈال دی۔ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کار اور تلامذہ خصوصاً حضرت مدنیؒ نے پہلی جنگِ عظیم

کے اواخر میں مجاہدین بلقان کی پوری پوری مدد فرمائی۔ مجاہدین بلقان اس وقت ہر طرف سے کفر والحاد کے نرغہ میں تھے۔ اسی طرح یہ حضرات انگریز اور اس کی حکومت کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ اس انگریز دشمنی میں کئی بار قید و بند کی صعوبتیں آئیں، ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ان کا مقدر بنیں لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ ان حضرات علماء کرام کی کوششوں اور طویل جد و جہد کے بعد بالآخر ہندوستان سے انگریز کو اپنا بوریا بستر سنبھالنا پڑا۔ انگریز کے اقتدار کا سورج غروب ہوا تو ہندوستان اور پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

جب قیام پاکستان کو ربع صدی سے زیادہ عرصہ ہو گیا تو اکابرین دیوبند کی فکر سے وابستہ لوگ جن کی زندگی کا مقصد اور بنیادی ہدف ہی اسلام کی بالادستی، اسلام کا عملی نفاذ اور اسلامی معاشرہ کا قیام تھا۔ انہوں نے جب اپنی امیدوں پر پانی پھیرتے دیکھا تو اپنے اکابر کے تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے اسلام کے نفاذ کے لئے سیاسی جد و جہد شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ جمعیت علماء اسلام جو جمعیت علماء ہند کا تسلسل تھی، اس کی قیادت نے فیصلہ کیا کہ پاکستان کے اس نازک ترین موڑ پر ہمیں خاموش نہیں رہنا چاہیے اور انتخابات میں شریک ہو کر قومی اسمبلی تک پہنچ کر اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے آئین سازی میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی :

یہ ۱۹۷۰ء کا دور تھا، اس وقت علماء دیوبند کے اکابر میں مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ جیسے لوگ زندہ تھے۔ اول الذکر دونوں حضرات تو سیاست کے میدان میں اپنی قابلیت کا لوہا منوا چکے تھے لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ اپنی افتاد طبع کی بنیاد پر سیاست سے کوسوں دور رہتے تھے۔ وہ خالصتاً دینی، علمی، تدریسی اور اصلاحی کاموں میں منہمک اور مشغول تھے۔ حضرت

شیخ الحدیثؒ مزاجاً ہنگاموں، سیاسی جلسوں اور جلوسوں سے الگ تھلگ رہنا پسند فرماتے تھے اور اس دور میں حضرت شیخ الحدیثؒ پشاور ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ جمعیت کی اعلیٰ قیادت نے فیصلہ کیا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کو بھی ہر حالت میں الیکشن میں حصہ لینے پر مجبور کیا جائے۔ چنانچہ کئی اکابر حضرت کے پاس ہسپتال پہنچ گئے۔ یہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی زندگی کا وہ دور تھا جب آپ دارالعلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز تھے۔ بے شمار لوگوں نے اور خود دارالعلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ نے بھی متفقہ طور پر سفارش کی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کو انتخابات کے میدان میں اترنا چاہیئے مگر حضرت شیخ الحدیثؒ کو آخر تک تردد رہا اور فرماتے رہے :

" کہ مجھے ان ہنگاموں سے بڑی وحشت ہے۔ انسان تو کیا کسی چیونٹی سے محاذ آرائی مجھے اچھی نہیں لگتی پھر انتخابات کے ہنگامہ میں ایک دوسروں کی تحقیر و تذلیل، سب و شتم، مبالغہ آمیز دعوے اور وعدے میں ایسے میدان میں کیسے کود سکتا ہوں۔"

مگر حضرت کا انکار اور جماعت کا اصرار بالآخر انہیں اس شرط پر آمادہ ہونا پڑا کہ :

" نہ کسی سے خود ووٹ کا مطالبہ کروں گا، نہ انتخابی ہنگاموں میں شرکت، نہ مخالفین کے سب و شتم کا جواب دیا جائے گا۔ انتخابات میں ہر امیدوار اپنی اہلیت اور استحقاق کے دعوے کرتا ہے۔ یہ شرعاً ناجائز اور مذموم ہے، میں اپنی نااہلی کے باوجود دعوے کیسے کروں گا۔"

اس کارزار جنگ و جدال میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی شرکت پر آمادگی کیسے ہوئی ؟ اس کے اصل محرکات پر حسبِ ذیل اقتباسات سے روشنی پڑتی ہے جو آپ کے بعض انتخابی اجتماعات میں الیکشن سے قبل تقاریر سے لئے گئے ہیں۔

آپ نے فرمایا:

" مجھے تین چار ماہ قلق اور اضطراب رہا، میری طبعی کمزوری ہے حیا کی وجہ سے لیکن بالآخر شرح صدر ہوا کہ اگر اس راہ میں موت آئی تو مصر کی بڑھیا کی طرح خود کو خریداران یوسف میں پیش کر سکوں گا کہ چلیں اس بڑھاپے میں کچھ خریداروں میں نام آجائے۔ شاید اسلام کے لئے گالی گلوچ اور تحقیر و توہین میرے لئے نجات کا باعث ہو۔"

ایک اور موقع پر فرمایا:

" طویل غور و خوض کے بعد مجھے خیال آیا کہ واقعی اگر اسمبلی میں جاکر دین کے حق میں کم از کم آواز تو اٹھا سکوں۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو کسی کی تائید میں تو ہاتھ کھڑا کر سکوں اور اتنا کر سکنے کے باوجود بھی اس پر خطر میدان میں شرکت سے محض اپنی عافیت اور سلامتی کے خیال سے گریز کروں اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن باز پرس فرمائیں تو کیا منہ دکھاؤں گا۔"

ایک اور تقریب میں فرمایا:

"صرف جزئی باتوں پر عمل کرنا اسلام نہیں بلکہ پورے نظام حیات میں نافذ کرانا اسلام ہے۔ قرآن و سنت کے نفاذ کے جدو جہد میں جتنی کچھ بھی کامیابی ہو گی تو اس کا اجر جدو جہد کرنے والوں کو بھی ملے گا۔" فرمایا: " خدا کی قسم ہمارا مقصد کرسی ہے نہ کوئی اور چیز۔ حکومت یہ لوگ چلائیں مگر طرز حکومت میں علماء سے رہنمائی لینی چاہیئے۔ علماء صرف راستہ بتلاتے ہیں۔ ملک صرف اور صرف اسلام کے لئے تقسیم ہوا اور یہ سیکولر ازم اور شوشلزم کے خلاف ایک فیصلہ کن آواز تھی۔ اب اگر مذہب کی بات بیچ سے نکالی جائے تو تقسیم کا کوئی جواز نہیں رہ سکتا۔"

(الحق خصوصی نمبر، ص ۵۴۴)

جب حضرت شیخ الحدیثؒ کو اسلام اور مسلمانوں کی دینی ضرورت نے سیاست میں عملی حصہ لینے پر مجبور کردیا تو آپ سیاست کی سرگرمیوں میں بھرپور شریک ہوئے۔ قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ' شریعت بل اور تحریک نفاذ شریعت کے مختلف مراحل' قومی اتحاد' متحدہ شریعت محاذ کی تشکیل' شریعت کے نفاذ کے لئے پارلیمنٹ کے سامنے احتجاجی مظاہروں کی قیادت' اسمبلی میں حکمرانوں سے دوبدو گفتگو' صدر ضیاء الحق مرحوم اور وزیر اعظم جونیجو کو بار بار شریعت کے نفاذ کی یاد دہانی اور اقتدار کے ایوانوں میں نفاذ شریعت کا معرکہ حضرتؒ کی زندگی کے وہ لازوال کارنامے ہیں جن سے آنے والا مؤرخ صرف نظر نہیں کرسکتا۔ شریعت بل کی قومی اسمبلی اور سینٹ سے منظوری کے لئے رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے آپؒ باوجود پیرانہ سالی' ضعف اور ہمہ جہتی مصروفیات کے قریہ قریہ' گاؤں گاؤں تشریف لے گئے اور بڑے بڑے عوامی جلسوں سے خطاب کیا۔

مانسہرہ میں علماء کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

" ہمیں اسلام کے بارے میں کوئی تذبذب نہیں ہے' آج جو نعرے لگ رہے ہیں' جو خطرناک سیلاب آرہا ہے وہ اسلام کے خلاف ایک منصوبہ اور سازش ہے۔ آپ سب متحد ہو کر حکومت پر واضح کردیں کہ ہم صرف اور صرف اسلام چاہتے ہیں۔ آپ حضرات خود علماء ہیں' آپ نے میرے ہاتھ پر بیعت کر کے مجھ پر بڑا بوجھ ڈال دیا ہے مگر اب آپ کو بھی ایک وعدہ کرنا ہوگا۔ آپ وعدہ کریں اس کے بعد آپ کی زندگی اسلام کے نفاذ اور اجراء کے لئے وقف ہوگی اور جب تک مکمل نظام اسلام نافذ نہیں ہو جاتا آپ آرام سے نہ بیٹھیں گے۔"

(الحق خصوصی نمبر' ص ۵۳۱)

پندرہ ہزار علماء کا اعتماد :

انہی ایام میں مانسہرہ، ہوں، مردان اور پھر پشاور کے علماء کنونشن میں شریک ہونے والے ہزاروں علماء کرام نے متفقہ طور پر آپ کو قائد شریعت کے خطاب سے نوازا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی یہ عام مقبولیت، مجاہدانہ سرگرمیاں اور عوام و خواص میں بے پناہ محبوبیت، یہ خدمتِ حدیث کا اعجاز تھا۔ خالق ارض و سما نے بیک وقت کئی خوبیاں حضرت شیخ الحدیثؒ میں جمع کر دی تھیں۔ بے مثال خطیب اور عالم دین حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو جب علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے امیر شریعت کے معزز لقب سے آراستہ فرمایا تو اس وقت پانچ سو علماء نے شاہ جیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ سلسلہ آگے بڑھا تو حضرت شیخ الحدیثؒ کو علماء، صلحاء، عرفاء اور اتقیاء نے قائد شریعت کا لقب دیا تو بیعت کرنے والوں کی تعداد پانچ سو نہیں بلکہ پانچ ہزار تھی۔ جن اجتماعات میں اس خطاب کی توثیق کی گئی ان علماء کی تعداد بھی ساتھ جمع کر دی جائے تو پندرہ ہزار علماء بنتے ہیں۔ ان دنوں حضرت شیخ الحدیثؒ بوڑھے اور کمزور بھی تھے لیکن اس اعتماد کا بھرم رکھنے اور علماء کرام کی امیدوں پر پورا اترنے اور سب سے بڑی بات دین متین کی خدمت کے لئے حضرت شیخ الحدیثؒ نے دن رات ایک کر دیا۔ جہاں پہنچ سکتے تھے وہاں پہنچے اور شریعت کے نفاذ کے لئے لوگوں میں بیداری پیدا کی۔

نفاذِ شریعت حقیقی مسرت :

۲۵/فروری ۱۹۸۵ء رات کو دس بجے الیکشن میں کامیابی پر لوگوں کا اجتماع ہوا تو اس موقع پر اپنے خطاب میں ارشاد فرمایا :-

" میرے محترم بزرگو! ابھی ابھی پولنگ سٹیشنوں پر گنتی بھی مکمل نہ ہوئی ہوگی، باہر سے کثرت سے مہمان آئے ہیں۔ اکوڑہ کے گرد و نواح اور

تحصیل نوشہرہ کے دور دراز دیہاتوں سے آپ تشریف لائے ہیں۔ خدا تعالیٰ اس کو دین کی بالادستی کا ذریعہ بنادے اور یہ خوشحالی اور مسرت جس کا آپ اظہار کررہے ہیں دین کے لئے ہے اور اسلام کے لئے ہے۔ حقیقی مسرت اس وقت ہوگی جب اس ملک میں اسلام کا قانون نافذ ہوگا اور اسلام کا جھنڈا بلند ہوگا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس قدر محبت جو آپ مجھ عاجز' گنہگار اور مسکین کے ساتھ کررہے ہیں یہ برکت کس کی ہے ؟ میری اپنی تو کوئی حیثیت نہیں ہے ' میں خود کو خوب جانتا ہوں' من آنم کہ من دانم۔

یہ صرف آپ دین اور علم کی عزت کرتے ہیں' یہ آپ کی علم نوازی اور دین دوستی ہے جو الحمدللہ آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود ہے۔ اب میں عرض کرتا ہوں کہ آپ نے میرے سر پر ایک تاج رکھ دیا ہے اعتماد کا۔ مقصد یہ ہے کہ ایوان حکومت میں جہاں ملک کے منتخب لوگ موجود ہوتے ہیں' حق کی آواز بلند کی جائے' حق کا اظہار کیا جائے اور حق ان تک پہنچایا جائے۔ قرآن' حدیث اور فقہ کی روشنی میں ملکی مسائل حل کئے جائیں' ہم بے بس اور ناتوان ہیں مگر اتنا تو کرسکتے ہیں جو ایک ناتواں چڑیا نے کیا کہ ایک لق ودق صحرا میں ایک درخت پر اس نے گھونسلا بنایا اور اس میں انڈے دیئے۔ ایک ہاتھی آیا اور درخت سے جسم رگڑنے لگا جس سے درخت لرز اٹھا۔ اب چڑیا پریشان ہے کہ گھونسلا گر جائے گا اور سب کچھ اجڑ جائے گا' بے بس تھیں' آخر سوچا کہ اس کے کانوں میں کیوں نہ گھس جاؤں اور اسے پریشان کروں۔ چڑیا ہاتھی کے کانوں میں گھس گئی اور اپنے پروں کو پھڑپھڑاتی رہی' ہاتھی بالآخر پریشان ہوکر درخت سے جدا ہوکر دوڑ پڑا کہ یہ ایٹم بم کہاں سے آگیا۔ اس طرح درخت گرنے سے بچ گیا اور چڑیا کا

گھونسلا بھی محفوظ رہا۔ یہی صورت ہمارے دین اور اسلام کے درخت کی ہے کہ زمانہ ہاتھی کی طرح اسے جڑ سے اکھاڑنا چاہتا ہے' دنیا نہیں چاہتی کہ یہ سالم رہے تو ایک چڑیا کی طرح ایوان میں جاکر چیخنا اور چلانا تو کر سکتے ہیں جس سے انشاء اللہ اسلام کا درخت گرنے سے بچ سکتا ہے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میری یہ کامیابی اس وقت باعثِ مسرت ہو گی کہ ہم ایوان میں حق کی آواز بلند کرنے میں کامیاب ہو جائے اور اس کے اجراء و نفاذ کی کوشش کریں' مجھے حقیقی خوشی تب ہو گی اور میں یہ کہہ سکوں گا کہ آپ کے اعتماد کو بحال رکھ سکا۔ (صحبتے با اہل حق' ص۲۹۶)

مدرسہ معراج العلوم (بنوں) میں بڑے بڑے علماء' مشائخ اور جمعیت علماء اسلام کے مخلص کارکنوں کے بڑے جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ اس جلسہ میں صرف علماء کرام کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ عوام کا ایک جم غفیر امڈ آیا تھا۔ ہر طرف سر ہی سر دکھائی دے رہے تھے۔ ارشاد فرمایا:

" ہم سمجھتے تھے کہ اسمبلیاں قائم ہوں گی تو سب سے پہلا کام اسلام کا نفاذ ہو گا۔ مگر بد قسمتی سے علماء کم تعداد میں پہنچے اور باقی تو وہی ہیں جو اسلام کے ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں۔ آج کہا جا رہا ہے کہ ہم نے مارشل لاء ہٹا دیا' ہنگامی حالات ختم کر دیئے' جلسہ جلوس کی اجازت دے دی' جمہوریت کا تحفہ دیدیا۔ مگر ہمیں اس سے کیا غرض؟ جس کام کے لئے تم نے ریفرنڈم کیا تھا' اسمبلیاں بنائیں وہ تو اسلام کے نفاذ کے لئے تھیں۔ تو ہم پوچھتے ہیں' یہ ۵ ہزار علماء پوچھتے ہیں' یہ کروڑ ہا مسلمان پوچھتے ہیں کہ تم نے اسلام کے نفاذ کے لئے کیا کیا۔"

اسلام کے لئے حضرت شیخ الحدیثؒ نے بڑی جد و جہد اور بے مثال قربانیاں دیں۔ ایک بار فرمایا:

میری مخالفت میں کہا جاتا ہے کہ یہ بیمار ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اسلام کی خدمت لولوں لنگڑوں سے بھی لیتا ہے' نابیناؤں سے قرآن حفظ کرایا' دین کی حفاظت ناتوانوں سے کرائی۔ اب اگر ایک اپاہج اور بیمار ناتواں شخص کو خدا نے خدمت کا موقع دیا بھی تو اس لئے نہیں کہ وہ اس خدمت کے اہل تھے بلکہ حقیقت بین نگاہیں دیکھتی ہیں' یہ ظاہری اسباب کی نہیں کسی غیبی طاقت کی کرشمہ سازی ہے۔"

(الحق خصوصی نمبر' ص ۵۴۴)

نفاذ شریعت کے لئے حضرت شیخ الحدیثؒ کی قربانیوں کا احاطہ کرنا مقصود نہیں' صرف قارئین کو ایک جھلک دکھلانی مقصود تھی۔ حضرتؒ کی سیاسی زندگی سے سیر حاصل واقفیت اور مطالعہ کے لئے "قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ" یا حضرت شیخ الحدیثؒ کی زندگی کے بعد دار العلوم حقانیہ کے ترجمان ماہنامہ الحق کا شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ نمبر دیکھنا چاہیئے۔ خود احقر نے بھی حضرت شیخ الحدیثؒ کی قومی وملی 'ملکی اور سیاسی خدمات پر علیحدہ کتابی صورت میں کافی مواد جمع کر رکھا ہے۔ انشاء اللہ اسے بھی تدوین و ترتیب کے بعد زیور طباعت سے آراستہ کر دیا جائے گا۔

باب ۲۱

دینی حمیت' جذبہ جہاد' شوق شہادت حق گوئی اور بے باکی

جہاد افغانستان حضرت شیخ الحدیثؒ کی سیرت وسوانح کے تمام ابواب میں سب سے زیادہ روشن اور وسیع باب ہے' حضرت شیخ الحدیثؒ کو عملاً جہاد میں شرکت کے لئے کس قدر بے تابی تھی؟ ایک بار ارشاد فرمایا کہ

میری بوڑھی اور ٹوٹی ہوئی ہڈیاں اور میرے وجود کا یہ ضعیف لاشہ اگر جہاد افغانستان میں کام آسکے تو ہرگز دریغ نہ کرنا اور میرے وجود کی بوڑھی اور بوسیدہ ہڈیوں پر مشتمل لاشے کو مجاہدین کی صفوں تک پہنچا دینا۔

جہاد افغانستان سے کمال محبت' اور تعلق خاطر یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ انہوں نے دارالعلوم حقانیہ کو جہاد افغانستان کی چھاؤنی بنا دیا' فضلاء کی تربیت کی بخاری شریف کے مغازی خود پڑھائے' بدر وحنین اور احد وتبوک کے نقشے خود سمجھائے۔

صدق خلیل بھی ہے عشق' صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

جہاد میں عملی شرکت کے لئے اپنے تلامذہ کی جماعتیں در جماعتیں بھیجیں' ملکی

قومی اور سیاسی سطح پر مجاہدین کی بھرپور حمایت کی جہاد افغانستان میں حضرت شیخ الحدیثؒ کا ذاتی اور ادارالعلوم حقانیہ کا کردار ایک عظیم صدقہ جاریہ ہے اور تاریخ کا ایک روشن باب جسے تاقیامت فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

محاذ جنگ سے مولانا جلال الدین کا خط:

۲ دسمبر ۱۹۸۷ء کو جہاد افغانستان کے معروف کمانڈر مولانا جلال الدین حقانی کی طرف سے حضرت شیخ الحدیثؒ اساتذہ اور طلباء کے نام درج ذیل مضمون کا مکتوب حاصل ہوا۔

آپ حضرات کو معلوم ہو کہ افغان ملحد حکومت نے اپنے جبر وظلم و بربریت کی بنا پر کثیر تعداد میں فوج بھیجنے کا ارادہ کیا ہے تاکہ اپنے لئے گردیز سے خوست تک کے تمام راستے خالی کردے اور مجاہدین کے مراکز کو درمیان سے نکال دے، صورت حال یہ ہے کہ یہاں مجاہدین کی تعداد کم ہے، روسی فوج بہت زیادہ اور یلغار کے ساتھ آئی ہوئی ہے لہذا آپ حضرات سے درخواست ہے کہ خصوصیت کے ساتھ شب و روز کی دعاؤں اور مستجاب اوقات میں پرخلوص توجہات سے بھرپور نصرت فرمائیں اور اگر ہماری امداد کے لئے جہاد میں شرکت کی ممکنہ صورتیں اختیار کی جاسکیں تو نور علی نور ہوگا اور آپ حضرات کا بے حد کرم ہوگا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کو جب مکتوب گرامی سنایا گیا تو بڑے بے چین ہوئے، ہر لمحہ مجاہدین کی کامیابی اور فتح مندی کی دعائیں ورد زبان تھیں دارالعلوم کے اساتذہ اور بعض سرکردہ طلباء اور محاذ جنگ سے رابطہ رکھنے

والے رفقاء سے مشاورت جاری تھی حضرت شیخ الحدیثؒ کے اشارات کو بھی طلباء سمجھ رہے تھے بالآخر بعد العصر ۵۴ طلباء کی ایک جماعت حاضر خدمت ہوئی اور آپ کی اجازت سے باقاعدہ طور عملاً جنگ میں شریک ہونے کا مشورہ چاہا ۔حضرت شیخ الحدیثؒ طلباء کی ذہانت اور مزاج شناسی پر بڑے خوش ہوئے بڑی خوشی سے انہیں اجازت مرحمت فرمائی' خصوصی دعاؤں سے نوازا اور مجھے خصوصیت سے تاکید فرمائی کہ محاذ جنگ پر جانے والے طلباء کے پیش آمدہ مسائل میں خصوصی دلچسپی لی جائے اور ان کی مشکلات حتی الوسع رفع کی جائیں ۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کا جواب:

پھر احقر سے مولانا جلال الدین حقانی کے نام خط لکھواتے ہوئے ارشاد فرمایا اس وقت آپ حضرات پر جو کرب والم اور مشکل حالات آئے ہیں جی چاہتا ہے کہ کسی بھی طریقہ سے میں آپ کے پاس پہنچ کر آپ کے شانہ بشانہ روسی دشمن سے مقابلہ میں شریک ہوں اب بھی میرا ڈھانچہ اور لاشہ اگر کسی بھی کام آسکے میدان کارزار میں تو مجھے اس سعادت سے ہرگز محروم نہ کیجیے گا ہر وقت آپ کی کامیابی اور عافیت کے لئے دل سے دعا گو رہتا ہوں درس حدیث اور ہر نماز کے بعد آپ حضرات کی فتح مندی کی دعائیں کرتا ہوں آپ کے حکم پر ۵۴ مجاہدین کی ایک جماعت بھیج رہا ہوں یہ سب آپ کے خادم اور آپ کے اشارہ ابرو پر قربان ہونے کے لئے تیار ہیں اور کچھ نقدی بھی جماعت کے امیر کے حوالے کر دی

ہے اسے اپنے مجاہدین کے مصارف میں استعمال فرمایئے خدا کرے کہ جلد اپنی عافیت اور فتح مندی کی بشارت سے اس گناہ گار کو مطلع کر سکیں خدا تعالیٰ دنیا و آخرت کی سرخروئیوں سے نوازے آمین۔

اس کے بعد مجاہدین طلباء کی جماعت کو رخصت کرتے ہوئے بڑی گریہ والحاح کے ساتھ دعا فرمائی حضرت شیخ الحدیثؒ کا جذبہ تھا کہ مجھے کھڑا کر دیا جائے تاکہ مجاہدین طلباء کو اعزاز کے ساتھ رخصت کر سکوں' مگر طلباء نے باصرار آپ کو اٹھنے کی زحمت نہیں دی اور بیٹھے بیٹھے آپ سے معانقے اور مصافحے کرتے رہے اور دعائیں لیتے رہے دوسرے روز صبح ۸ بجے اس قافلہ کی سوئے منزل روانگی ہوئی۔ (بحوالہ صحبتے با اہل حق ص ۳۳۷)

مجاہدین کے چہروں کو دیکھنا بھی عبادت ہے:

۱۰ جنوری ۱۹۸۸ء حسب معمول مجلس شیخ الحدیثؒ میں بعد العصر حاضری کا موقع ملا' دور دراز سے علماء آئے ہوئے تھے افغان مجاہدین کی ایک جماعت بھی حاضر خدمت تھی' کالج کے چند نوجوان طلباء افغان مسائل پر حضرت اقدسؒ سے استفسار کر رہے تھے اسی دوران آپ نے ارشاد فرمایا کل افغان مجاہدین کی ایک جماعت آئی تھی غازیوں اور مجاہدوں کی ایک جماعت میں تو ان کے چہروں کو دیکھنا بھی عبادت سمجھتا ہوں' مختلف محاذوں پر ان کا دشمن سے مقابلہ ہوا تھا بعض رفقاء کے ہاتھ کٹ چکے تھے' ایک دو نوجوانوں کے پاؤں کاٹ دیے گئے تھے' بعض ابھی ہسپتال سے

فارغ ہوئے تھے ان سب مصائب اور ہجرت و مسافرت اس پر مستزادمگران کے چہرے نورانی تھے' انوارات اور بشاشت چھائی ہوئی تھی' ہیبت اور رعب اور دبدبہ معلوم ہوتا تھا میں تو حیران رہ گیا بہرحال اس میں ریب اور شک کی کوئی گنجائش نہیں یہ اس وقت کا عظیم جہاد ہے اس کے جہاد ہونے میں امت کا اجماع ہے یہ مجاہدین کی قربانیاں ہیں جس قدر قربانیاں زیادہ ہوں گی وہ موجب نجات ہیں۔ (بحوالہ صحبتے با اہل حق ص)

جب جہاد افغانستان شروع ہوا تو حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہاں مجاہدین افغانستان کا تانتا بندھا رہتا' ان میں سے اکثریت حضرتؒ کے تلامذہ کی تھی' سب متشرع' وضع قطع کے حوالے سے مکمل مجاہد' پر ہیبت دستار کندھے پر جدید اسلحہ' چہرے نور ایمان سے منور اور دل جذبہ جہاد سے سرشار' صبغۃ اللہ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے محسوس ہوتا جسے سید احمد شہید کے قافلے کے بچھڑے ہوئے مجاہد ہیں' حضرت شیخ الحدیثؒ ان درویشان خوامست کا پرجوش استقبال کرتے' پرتپاک اور بے تابانہ اشتیاق سے معانقہ کرتے اور فرماتے آپ علماء ہیں' مجاہد ہیں' ہم آپ کے ادنیٰ خادم اور غلام ہیں۔ زعماء جہاد اور مجاہدین کے قافلے درقافلے جب حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور باہمی مذاکرہ ہوتا تو احقر اسے قلم بند کرلیا کرتا تھا صحبتے با اہل حق اور الحق کے خصوصی نمبر میں وہ مذاکرے' تفصیل سے درج کردیے گئے ہیں ذیل میں بطور نمونہ ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

مجاہدین سے ایک مذاکرہ:

۱۲ جنوری ۱۹۸۳ء کو مجاہدین افغانستان کی مرکزی قیادت کا ایک بڑا وفد جس میں علماء مشائخ مختلف جنگی محاذوں کے قائدین اور کئی حقانی فضلاء شامل ہیں سب ادب سے دوزانو بیٹھے ہمہ تن گوش ہو کر حضرت کے ارشادات سن رہے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ : آپ حضرات کو خداوند قدوس نے روسی دشمنی کے مقابلے میں کھڑا کر دیا ہے آپ کا یہ عظیم جہاد نہ صرف افغانستان اور پاکستان کیلئے بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے حفاظت کا ایک زبردست قلعہ ہے اگر آپ حضرات اسلامی جہاد کی صورت میں عزم و استقلال کے ساتھ دشمن کا مقابلہ نہ کرتے تو آج یقیناً آپ کا دارالعلوم حقانیہ بھی طالبان علوم نبوت کی درسگاہ ہونے کے بجائے گھوڑوں کا اصطبل بن چکا ہوتا جیسا کہ سمرقند اور بخارا ایک زمانہ میں علوم اسلامیہ کا مرکز تھے مگر آج روسی استبداد کی وجہ سے وہاں کے دینی مدارس اور مساجد حیوانات کے اصطبل بن چکے ہیں۔

مجاھدین : حضرات! افغانستان کے علماء کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حالیہ جہاد صرف افغانستان کے لئے نہیں بلکہ عالم اسلام کے تحفظ کا جہاد ہے ہمارے جہاد کا اصل سرچشمہ علماء دیوبند اور دارالعلوم حقانیہ ہے' ہمارے ہاں اکثر علماء دارالعلوم حقانیہ کے فاضل ہیں ہم آپ کی مجلس میں بیٹھنے کو جنت یقین کرتے ہیں اور اس کے لئے بے تاب رہتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ : میں اپنی نجات اور اپنی فلاح و کامیابی

کے لئے افغان مجاہدین کی غلامی پر فخر محسوس کرتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا ایمان تب محفوظ ہے جب اللہ کریم آپ مجاہدین حضرات کے خدام میں ہمارا شمار کرے اے کاش! بڑھاپا یا کمزوری ضعف اور نابینائی اور یہاں کی ذمہ داریاں مانع نہ ہوتیں' کاش مجاہدین کے ساتھ میدان جنگ میں شانہ بشانہ لڑتا بس اب تو یہی تمنا رہ گئی ہے۔ ع

گلے پہ خنجر قاتل سر تسلیم سجدے میں
یہ ارماں دیکھنا ہے کب دل بسمل سے نکلے گا

(الحق خصوصی نمبر ۶۳۷)

مجاہدین کی امداد:

جب جہاد افغانستان کے معرکہ کے وقت افغان مہاجرین کے بھرپور ریلے پاکستان آنا شروع ہوئے تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے پاکستانی مسلمانوں اور مخیّر حضرات کو مہاجرین ومجاہدین کی مالی مدد کرنے کی ترغیب دی' شہید صدر ضیاء الحق کی اخلاقی وسیاسی حمایت کر کے اس کو بھی افغان مجاہدین کی مدد کے لئے آمادہ کیا جب اکوڑہ خٹک کے گردونواح میں افغان مہاجرین کے قافلے بے سروسامانی کی حالت میں پہنچے تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے مہاجرین کے لئے دارالعلوم کے دروازے کھول دیے' درسگاہیں دارالحدیث' دارالاقامہ ہاسٹل اور جامع مسجد سب کچھ ان کے لئے وقف کردیا مہاجرین کے ساتھ مالی امداد اور ان کے قیام اور ضروریات کی فراہمی کی ہر ممکن کوشش کی' حضرت شیخ الحدیثؒ نے کئی بار اپنے دست مبارک سے خاصی رقم بھی مجاہدین میں تقسیم فرمائی ۔

مولانا یونس خالص کو حضرت شیخ الحدیثؒ کی ھدایات:

حضرت شیخ الحدیثؒ کے کئی روحانی فرزند اور حقانیہ کے فضلاء افغانستان کے میدان جہاد میں مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے اور کئی بڑی بڑی چھاؤنیوں کے فاتح قرار پائے، انہی فضلاء اور جلیل القدر تلامذہ بلکہ افغان زعماء میں سے آپ کے ایک روحانی فرزند، عظیم مجاہد، جید عالم دین حزب اسلامی افغانستان کے صدر مولانا یونس خالص نے صدر امریکہ کو اسلام کی دعوت دی احقر نے ایک ملاقات میں حضرت شیخ الحدیثؒ سے اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے عرض کیا حضرت!

یہ سب دارالعلوم حقانیہ کے برکات ہیں تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا ہماری کیا حیثیت ہے اور ہمارے کیا برکات ہونگے اللہ نے پردہ ڈالا ہوا ہے یہ مولانا محمد یونس خالص کا اپنا اخلاص وللّٰہیت اور دیانت وجذبہ جہاد ہے جس نے ان کو اس مقام تک پہنچایا انہوں نے پوری دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے مولانا محمد یونس خالص نے مجھے بتایا تھا کہ مجھے صدر ریگن نے ملاقات کی دعوت دی ہے میں صدر ریگن کو اسلام کی دعوت دوں گا، ان کی اس ملاقات اور مذاکرات اور جرات مندانہ موقف اور استقامت علی الجہاد کی وجہ سے اللہ نے انہیں کامیابی بخشی، اس سے مجاہدین کے حوصلے بلند ہوئے ہیں۔

(الحق خصوصی نمبر ۶۳۴)

وزیراعظم پاکستان کا اعتراف:

سابق وزیراعظم پاکستان جناب میاں محمد نواز شریف نے اپنے دور

حکومت میں ۵ مئی ۱۹۹۲ء کو اپنے ٹی وی اور ریڈیو پر قوم سے نشری خطاب میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے جہاد افغانستان میں تاریخی کردار پر اعتراف عظمت کمال اور خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا میں افغانستان اور پاکستان کے ممتاز علماء اور رہنماؤں خصوصاً اکوڑہ خٹک کے مولانا عبدالحق مرحوم کے کردار (جہاد افغانستان) کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں ۔ان کی تقلید میں ان کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق کی خدمات بھی لائق تحسین ہیں ۔ایک اور موقع پر آئی ایس آئی کے سربراہ (سمیت پاک فوج کے سربراہوں اور صحافیوں کا ایک وفد کابل پہنچا تو فوج کے جرنیلوں کو اعتراف کرنا پڑا کہ افغانستان کے ۷۰ فیصد علاقے پر فوجی قیادت کرنے والے سپہ سالار درحقیقت حضرت شیخ الحدیثؒ کے روحانی فرزند اور حقانیہ کے فضلاء ہیں اور حقانیہ ایک عظیم فوجی چھاؤنی ہے اور اس سلسلہ میں اس کے بانی ومہتمم حضرت شیخ الحدیثؒ کا کردار مثالی ہے۔

صلاح الدین شہید کی گواہی :

ہفت روزہ تکبیر کے مدیر صلاح الدین شہید ۲۲ ستمبر ۱۹۸۸ء کی اشاعت میں رقم طراز ہیں جذبہ جہاد سے سرشار شیخ الحدیثؒ مولانا عبدالحقؒ کے تلامذہ اور حقانیہ کے فضلاء نے افغانستان میں اسلامی فکر کی اشاعت وترویج کی جو تحریک برپا کی اس نے ابتداء میں داؤد حکومت کو چیلنج کیا بعد (ازاں) سوویت یونین کی افواج قاہرہ کو للکارا' گذشتہ ایک عشرے میں افغانستان میں جو جہاد ہو رہا ہے اس میں بہت سے سینکڑوں جام شہادت نوش کرنے والے' داد شجاعت دینے والے مجاہدوں اور کمانڈروں کا تعلق

دارالعلوم حقانیہ سے ہے' مولانا عبدالحق ؒ اوران کا جامعہ حقانیہ جہاد کے جذبہ خالص کی کان ہے اگر یہ کہا جائے کہ بہت ہی مختصر مدت میں جہاد افغانستان کے دو اہم سرپرست یعنی مرحوم صدر ضیاء الحق شہید اور مولانا عبدالحق شہید ہو گئے تو غلط نہ ہوگا۔ (۲۲ ستمبر ۱۹۸۸ء)

اتحاد کے لئے مساعی:

جہاد حضرت شیخ الحدیثؒ کی روح کی غذا اور دل کی دھڑکن بن گیا تھا' درس وتدریس' دعوت وتبلیغ اور تقریر وتحریر میں جہاد کی باتیں ہوتیں مجاہدین کی کامیابی کے لئے دعائیں ہوتیں' حقانیہ کے فضلاء اور مجاہدین جب میدان جہاد سے واپس لوٹتے تو وہ منظر دیدنی ہوتا' ایک دفعہ افغان مجاہدین کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا' مولانا موسیٰ جان' مولانا معراج الدین اور مولانا فضل محمد صاحب وفد کی قیادت کر رہے تھے بعض اہم امور پر مشورہ بھی لیا حضرت شیخ الحدیثؒ نے انہیں باہمی اتفاق واتحاد کی طرف خصوصی توجہ دلائی اور فرمایا

کہ جنگ احد میں صرف معمولی اختلاف کی وجہ سے فتح شکست کی صورت میں تبدیل ہوگئی خدارا! مجاہدین کے تمام ذمہ داران قائدین تک میرا پیغام پہنچا دیں کہ آپس کے اختلافات کو بھلا دیں اور دشمن کے مقابلے میں بنیان مرصوص بن جائیں جب جہاد افغانستان کے حالات اور نتائج فیصلہ کن اور بے حد نازک مرحلہ میں داخل ہوئے تو آپ نے تمام کام وآرام چھوڑ دیا اور شب وروز اس کام میں لگ گئے محاذ جنگ کے تمام مجاہدین کمانڈر اور اپنے تلامذہ اور حلقہ اثر علماء اور افغان مجاہدین کے مرکزی زعماء سے رابطہ

اور صلاح مشورہ کر کے افغان قیادت کو ایک فارمولا پر متحد کرنے کی مساعی تیز تر کردیں۔ اس سلسلہ میں پاکستان اور افغانستان کے اکابر علماء مخلص مجاہدین اور مشائخ کا مشترکہ اجلاس دارالعلوم حقانیہ میں بلایا جس میں ایک ہزار سے زائد علماء کرام شریک ہوئے اور اسی اجلاس میں افغان قیادت سے فوری جنگ بندی کی اپیل کی گئی اور مسلمانوں کے باہمی قتال کو حرام قرار دیا گیا اور جید علماء کرام کی ایک کمیٹی تشکیل دیکر افغانستان میں جنگ بندی کی راہ ہموار کی گئی۔

زعماء جہاد کے نام ایک فکر انگیز خط :

حضرت شیخ الحدیثؒ نے افغان مجاہدین کی قیادت کے نام ایک خط لکھا اور باہمی اعتماد اور اتحاد کی موثر دعوت دی۔

محترما! آپ خود علماء اور اہل علم ہیں بے اتفاقی' تشتت اور باہمی اختلاف کے بارے میں قرآن کریم کی تصریحات' احادیث نبوی علی صاحبہا الف والف صلواۃ اور مسلمانوں کی پوری تاریخ عروج وزوال آپ سے پوشیدہ نہیں میں آپ کو خالق کائنات کا واسطہ دیکر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کا اختلاف صرف دو افراد دو گروہوں یا دو جماعتوں کا اختلاف نہیں اس سے عالم اسلام ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے صرف میں اور میرا دارالعلوم نہیں پاکستان کے تمام علماء کرام' عوام اور تمام عالم اسلام اس سے سخت پریشان ہے آپ کی ناچاکی نصرت الٰہی کے انقطاع کا ذریعہ بن رہی ہے مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا باعث باہمی افتراق بن رہا ہے

پاکستان کے تمام علماء کرام کی جانب سے میں آپ سے دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ اللہ کے لئے ان اختلافات کو بلا تاخیر ختم کردیجئے۔

تحریک طالبان کا پشتیبان:

لیکن بدقسمتی سے افغان لیڈر شپ کے اختلافات دن بدن بڑھتے گئے خانہ خدا میں کیے گئے وعدوں کا بھی جب ان تنظیموں نے خیال نہ رکھا اور حصول اقتدار واختیار کے باہمی جھگڑوں سے سرزمین جہاد (افغانستان) کو لاقانونیت، ظلم وستم، قتل وعارت گری، غنڈہ ٹیکس اور دن دھاڑے ڈاکے رشوت ستانی اور دیگر معاشرتی برائیوں کا مرکز بنا دیا تو جہاد کے اس پودے کو جس کی آبیاری حضرت شیخ الحدیثؒ اور ان کے تلامذہ نے اپنے خون جگر سے کی تھی یوں بے برگ وثمر ہوتے دیکھ کر حضرت شیخ الحدیثؒ کے چند جانثار طالبان نے ازسرنو علم جہاد بلند کیا۔

خون دل دے کے نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

کسے کیا خبر تھی کہ لوگوں کے ٹکڑوں پر پلنے والے یہ فقیر اور درویشان خدا مست اپنے لباس میں تو نادار نظر آتے ہیں لیکن مستقبل کے عظیم مجاہد انقلابی رہنما اور امیر المومنین ہیں، انہی چند طالبان علوم نبوت کی جرات کی مختصر جماعت نے طالبان فورس کا روپ دھار لیا۔

ہم اکیلے ہی چلے تھے جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

طالبان تحریک کی پر خلوص جدو جہد کے نتائج آج پورے عالم کفر کے لئے کھلا چیلنج بن چکے ہیں طالبان کی اسلام کے ساتھ سچی لگن اور حصول رضائے الٰہی کی حقیقی چاہت نے آج افغانستان کی سرزمین پر نفاذ شریعت کے عملی نفاذ کا وہ خواب شرمندہ تعبیر کر دیا جس کے لئے پندرہ لاکھ مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا' تحریک طالبان سے وابستہ علماء' مشائخ' مجاہدین کمانڈرز' وزراء' گورنر اور تمام سرکاری عہدے داروں کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر حضرت شیخ الحدیثؒ سے ہے' طورخم سے کابل تک اور قندہار تک عدالتوں میں وزارتوں میں' میدان جنگ کے صف اول میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے تلامذہ مصروف خدمت ہیں اور آج جو افغانستان میں اسلام ایک مکمل نظام حیات کے طور پر عملاً نافذ ہے اس کے پس منظر میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی تعلیم و تربیت' اور قربانیاں ہیں جن کا یہ ثمرہ ہے۔

شامل جمال گل میں ہمارا لہو بھی ہے۔

تحریک طالبان!

تحریک طالبان افغانستان' ایک مستقل موضوع ہے' کون کسی محاذ پر کیا کیا خدمات انجام دے رہا ہے ان کا تعلق رشتہ تلمذ و تعلیم کس سے ہے اور ان کے لئے مادر علمی اور تربیتی چھاؤنی کا کردار کس درسگاہ نے ادا کیا ہے یہ ایک مستقل موضوع ہے طورخم سے کابل' خوست' مزار اور قندھار تک جب افغانستان میں معروف کار طالبان کی سیرت وسوانح اور تاریخ مرتب کی جائیگی تو 75 فیصد طالبان کا تعلق اور رشتہ تلمذ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اور دارالعلوم حقانیہ سے ثابت ہوگا۔

حق گوئی اور بے باکی:

حضرت شیخ الحدیثؒ کی سیرت کا ایک نمایاں وصف ان کی حق گوئی اور بے باکی تھی انہوں نے کبھی کسی حکمران کے سامنے مداہنت سے کام نہیں لیا اور ضرورت کے موقع پر سخت سے سخت بات کہنے سے بھی دریغ نہیں کیا حالانکہ وہ مدتوں قومی اسمبلی کے ممبر رہے آپ کے وقار' اخلاص' علمی عظمت درویشانہ بودوباش' قلندرانہ طریق زندگی کی وجہ سے حکمرانوں پر یہ بات واضح رہی کہ آپ کو نہ خریدا جا سکتا ہے نہ ضمیر کے خلاف کسی قول وفعل پر راضی کیا جا سکتا ہے صدر ضیاء الحق مرحوم نے کئی بار آپ کو سینئر وزارت کی پیش کش کی لیکن آپ نے ہر بار ٹھکرا دی اور فرمایا میں مسند حدیث کو وزارت پر ترجیح دیتا ہوں حضرت شیخ الحدیثؒ نے بحیثیت قومی اسمبلی پارلیمنٹ میں دین کی بالادستی اور حاکیت کے لئے جو تقریریں کیں ان کی بازگشت ہماری پارلیمانی تاریخ میں مدتوں سنائی دے گی۔

آئین جوان مردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

بجٹ اسلامی نہیں ظالمانہ ہے:

اعلاء کلمۃ اللہ' احقاق حق اور اتمام حجت آپ کی سیاسی مساعی کا ہدف ہوا کرتا تھا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے اسمبلی میں مختصر خطاب کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

جناب سپیکر صاحب! ہم یہاں سات آٹھ برس سے چلاتے رہے ہیں کہ اس ملک میں اسلام نافذ ہوگا اور یہاں جو اسلام چاہتا ہے

وہ ہمیں ووٹ دے' ہم سب لوگ جو یہاں آئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ہم سب لوگ اپنے گریبان میں دیکھیں کیا ہم لوگوں نے وعدہ نہیں کیا کہ ہم شریعت کا نفاذ کریں گے؟ اگر کیا ہے اور یہ بات درست ہے کہ چھوٹے بڑے یہاں جتنے بھی ایوان میں ہیں' سینٹ میں ہیں' انہوں نے قوم سے وعدہ کیا تھا کہ اسلام کو نافذ کریں گے وہ اسلام کہاں ہے؟ لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ یہ اسلام ہے کہ ہر چیز کو مہنگا کر دیا گیا ہے' ہر برائی اور بے حیائی پھیلا دی گئی ہے اسلئے میں عرض کرتا ہوں کہ میں اپنے متحدہ شریعت محاذ کے مطابق یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بجٹ اسلامی نہیں' جمہوری نہیں' یہ بالکل غیر اسلامی اور ظالمانہ ہے میں اس کی تائید نہیں کر سکتا۔

(صحبتے با اہل حق ص ۲۲۸)

ممبران اسمبلی سے خطاب:

۱۹ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو آپ نے اسمبلی میں اپنے مفصل خطاب میں ممبران اسمبلی' ایم این ایز کو جھنجھوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

موجودہ برسر اقتدار لوگوں نے نظام مصطفیٰ کا اعلان کیا' معاملہ مجلس شوریٰ تک آیا اعلانات ہوئے' قانون شفعہ' شہادت اور قانون عدل وانصاف کے مژدے سنائے گئے لیکن آپ نے دیکھا حکومت نے کوئی اطمینان بخش کام قوم کو نہ دیا' پھر اسلام کے نام پر ریفرنڈم اور الیکشن ہوا' کامیابیاں ہوئیں اس چھ مہینے میں ممبران نے کون سی ایسی چیز اسلام کے لئے قوم کے سامنے پیش کی جس

سے قوم کو اطمینان دلا سکیں۔

عورت کی حکمرانی اور نمائندگی:

عورت کی حکمرانی اور قومی، صوبائی اسمبلی میں خواتین کی موجودگی کو حضرت شیخ الحدیثؒ قرآن وسنت کی روشنی میں خلاف اسلام سمجھتے تھے عورت کی سربراہی کی مخالفت کے ساتھ ساتھ اسمبلی میں خواتین کی الگ نشستیں اور رکنیت کے خاتمہ کے لئے بھی بھرپور آواز اٹھائی۔

۱۸ دسمبر ۱۹۷۴ء کو جب قومی اسمبلی کی خاتون رکن بیگم نسیم جہان نے خواتین کی حیثیت متعین کرنے کے لئے ایک کمیشن کے قیام سے متعلق اپنی قرارداد پیش کی، اس قرارداد کا لب لباب حقوق نسواں کے نام سے بے لاگ آزادی کا مطالبہ کرنا تھا تو حضرتؒ نے عورت کے بارے میں اسلام کا رویہ فطری قوانین اور عورت پر اسلام کے عظیم احسانات کی توضیح کرتے ہوئے مفصل تقریر فرمائی جس کے آخر میں آپ نے فرمایا۔

ہم نے یورپی تہذیب کی تقلید میں اور جہالت کی وجہ سے اسلام کو ہوا سمجھ لیا ہے، ایک اور بات یہ ہے کہ حقوق الگ چیز ہیں، اور اس نام پر آزادی اور ترقی پسندی الگ چیز ہے اسلام عورت کو بے پردگی کی اجازت نہیں دیتا یہ خطرات سے مقابلہ ہے۔

آپ دودھ، گوشت، بلی کے سامنے رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس میں دخل اندازی نہ کرے، اسلام عورت کو غنڈوں، بدمعاشوں، بلوں اور کتوں سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے وہ اسے ہیرے اور جواہرات کی طرح حفاظت کی چیز سمجھتا ہے آج ہم عورت کی تذلیل دیکھ رہے ہیں، مغربی

تہذیب کی وجہ سے وہ شمع محفل بن گئی' ٹکے ٹکے کی چیزوں پر اس کی ننگی تصویر صابن پر اس کی تصویر' ہر چیز کے بیچنے کے لئے عورت کو استعمال کیا جارہا ہے اخبارات میں اس کی عریاں اور بے ہودہ تصویر چھپتی ہے' ہر مرد کی نگاہ ہوس اس پر پڑتی ہے اور اسے یورپ نے کھلونا بنا دیا ہے' یہ ترقی نہیں تحقیر اور تذلیل ہے میں بیگم نسیم جہاں کی قرارداد پر گزارش کروں گا کہ بے شک عورتوں کی حیثیت کا کمیشن بنایا جائے' حقوق طلب کیے جائیں مگر وہ حقوق جو اسلام کے دائرہ میں ہوں' مخلوط تعلیم نے اور بازاروں میں گھومنے پھرنے سے عورت پر ظلم ہو رہا ہے اسلام نے حج جیسی عبادت کے لئے بھی عورت کو بغیر محرم سفر کرنے کی اجازت نہیں دی' یہاں بیرونی دوروں اور تفریحات کو حقوق کا نام دیا جارہا ہے' بہر حال میں اس قرارداد کے سلسلہ میں مطالبہ کرتا ہوں کہ عورتوں کی ان تمام سرگرمیوں اور ترقیوں کو اسلام کے دائرہ میں لایا جائے جو اسلامی احکام کے خلاف ہیں۔ (الحق خصوصی نمبر ۵۶۲)

مسلمان کی تعریف

ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں ایک دفعہ یہ عجیب مطالبہ ہوا' جب علماء مسلمان کی تعریف پر متفق نہیں ہیں تو وہ ملک میں نظام شریعت پر کیسے اتفاق کریں گے علماء کم از کم مسلمان کی تعریف پر تو اتفاق کر لیں مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ بعض پڑھے لکھے جیالوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ مسلمان کی تعریف پر علماء کا اتفاق نہیں ہو سکتا اس لئے ملک کے آئین میں اس کی تعریف شامل نہیں کی جا سکتی تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے قومی اسمبلی میں مسلمان کی اتنی جامع مانع تعریف پیش کی کہ ہر

مکتب فکر کے نمائندوں نے اس رائے سے اتفاق کیا اور تمام مکاتب فکر نے اسے من وعن نقل کرلیا اخبارات' ماہناموں اور ہفت روزوں میں ادارتی کالم لکھے گئے گویا حضرتؒ کی علمی بصیرت نے تمام مکاتب فکر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کردیا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا عربی میں اسلام اور ایمان کی تعریف یہ ہے کہ التصدیق بجمیع ماجاء به النبی ﷺ ۔۔۔اردو میں مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ وہ شخص جو وحدانیت پر یقین رکھتا ہو اور کتاب وسنت' یعنی قرآن مجید' احادیث اور ضروریات دین کی تصدیق کرتا ہو' پیغمبرؑ کے تمام مجیبات پر یقین رکھتا ہو اور حضور ﷺ کو آخری نبی مانتا ہو' بایں معنیٰ کہ حضور ﷺ کے بعد کسی شخص کو نہ بروزی' نہ ظلی' نہ تبعی' نہ مستقل کسی قسم کی نبوت نہیں مل سکتی' جس طرح دنیا میں آخری اور سب سے کامل روشنی آفتاب کی ہے اس کے اوپر کوئی روشنی مادیات میں نہیں' نہ اس کے بعد کوئی روشنی کی ضرورت ہے اسی طرح نبوت کے سلسلہ کو آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس پر درجہ کمال تک پہنچایا نبی کریم ﷺ نے فرمایا,, انا خاتم النبیین لا نبی بعدی ''

میں آخری نبی ہوں' میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے' نبی کریم ﷺ کا الشمس فی نصف النہار میں ان کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی اور اس کے بعد کتاب وسنت اور ضروریات دین کا وہی مفہوم ہوگا جس پر خیر القرون کا اتفاق رہا' یعنی اب کوئی شخص صلوٰۃ وزکوٰۃ کا معنیٰ اپنی طرف سے نہیں کرسکتا نبی کریم ﷺ' صحابہ کرامؓ اور تابعین کے دور میں جو مفہوم تھا ان تمام مفاہیم

کو اسی طریق پر مانے۔ یہ ہے مسلمان۔

خلاصہ کلام یہ کہ مسلمان وہ ہے جو ضروریات دین پر یقین رکھتا ہو ۔اور محمد الرسول ﷺ کو آخری نبی مانتا ہو' پہلے جن نفوس قدسیہ کو نبوت ملی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ اگر قیامت سے پہلے تشریف لائیں تو ان کو نبوت پانچ سو برس پہلے ہی مل چکی ہے ان کا آنا آخری نبی نہ آنے کے منافی نہیں آپ کے بعد قیامت تک کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی اور کتاب وسنت کا وہی مفہوم لیا جائے گا جو خیر القرون میں تھا پس جب کہ ہمارے آئین میں یہ دفعہ رکھی گئی ہے کہ ملک کا سربراہ مسلم ہوگا تو آئین میں مسلمان کا مفہوم اور معانی شامل کیے جائیں کو میں نے بیان کیے ہیں تو انشاء اللہ بہت سی مشکلات اور مسائل سے نکل جائیں گے (خصوصی نمبر ص 560) قومی اسمبلی میں شیخ الحدیثؒ کا یہ عظیم اور تاریخی کارنامہ ہمیشہ سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔

صدر ضیاء الحق پر اتمام حجت و اظہار حق

۸ جولائی ۱۹۸۶ء دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی ذاتی ڈاک لیکر حاضر خدمت ہوا' طبیعت علیل تھی' ضعف اور نقاہت کے آثار ظاہر تھے' احقر کے دریافت کرنے پر فرمایا الحمدللہ ! اب طبیعت میں افاقہ ہے' ۷ جولائی کو پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے شریعت بل کے منوانے کے سلسلہ میں مظاہرہ ہوا اور پھر جناب صدر ضیاء الحق کے اچانک اسمبلی کے ہاسٹل میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے کمرے میں جا کر آپ سے ملاقات کرنے کے متعلق میرے

دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا۔

الحمدللہ ! مظاہرہ کامیاب رہا' اب بھی وقت ہے حکومت کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں مظاہرہ سے قبل وزیراعظم نے اپنا سیکرٹری بھیجا تھا اور سرکاری گاڑی بھی بھیج دی تھی کہ میں ان سے ملاقات کروں مگر میں نے معذرت کردی تھی پھر دس جولائی کو اچانک صدر ضیاء الحق مجھے اطلاع دیے بغیر ہاسٹل میں میرے کمرے میں آئے اور پون گھنٹہ بیٹھے رہے' باتیں ہوتی رہیں مگر میں نے ان پر واضح کردیا کہ:

تمہاری حکومت نے اللہ کی طرف سے دی ہوئی ۹ سال کی طویل مدت ضائع کردی اب بھی موقعہ ہے کہ شریعت بل کو منظور کرالو ورنہ اندیشہ ہے کہ آپ کے لئے اور پوری قوم اور ملک کے لئے اتمام حجت ہو' ان کا اصرار تھا کہ حکومت سے مذاکرات کے ذریعے شریعت بل کے آئینی سقم دور کرنے پر باہمی مشاورت کرنی چاہئے میں نے کہہ دیا کہ شریعت بل میں کوئی سقم نہیں ہے اس کی ہر دفعہ واضح اور صاف ہے جرات کی ضرورت ہے ایمانی جذبہ چاہئے۔ (صحبتے با اہل حق ص ۱۸۷)

مولانا عبدالحقؒ کی قیادت میں وزیراعظم سے ملاقات:

۸۵-۱۰-۸ کو حضرت مولانا عبدالحقؒ کنوینز قومی اسمبلی شریعت محاذ گروپ کے زیر قیادت ایک وفد نے وزیراعظم پاکستان محمد خان جونیجو سے ان کی چیمبر میں ملاقات کی اور ان سے آٹھویں ترمیمی بل کی دفعہ ۲۰۳

کے غیر اسلامی شقوں کے بارے میں گفتگو کی' نیز ان سے متفقہ مطالبہ کیا کہ ترمیمی بل سے اس غیر اسلامی اور غیر جمہوری دفعہ کو خارج کیا جائے اس وفد میں حضرت مدظلہ کی علاوہ جماعت اسلامی سے متعلق ارکان اسمبلی' بریلوی مکتب فکر کے علاوہ علامہ عبدالمصطفی الازہری' مولانا رحمت اللہ جھنگ' محترم شاہ تراب الحق' ان کے دیگر ہم خیال ساتھیوں اور حکومتی گروپ کے محترم نثار محمد خان مشیر وزیر اعظم' بیگم کلثوم سیف اللہ' جناب میر نواز خان مروت اور دیگر کئی ارکان نے شرکت کی۔

(الحق خصوصی نمبر ص ۵۲۷)

ان تمام تر کوششوں اور مساعی کے بعد جب حکمرانوں نے رویہ نہ بدلا تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے تمام علماء اور مشائخ سے مشورہ کر کے مولانا سمیع الحق کی قیادت میں صدر ضیاء الحق کے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کے موقع پر پارلیمنٹ کے اندورنی گیٹ پر شریعت بل کے حق میں تین گھنٹے تک احتجاجی مظاہرہ کرایا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق علماء کی ایک جماعت کے ساتھ صدر ضیاء الحق' وزیر اعظم محمد خان جونیجو اور بعض مرکزی وزراء کو کچھ دیر روک کر انہیں پوری قوم کے جذبات اور متفقہ مطالبے نفاذ شریعت سے آگاہ کیا آخر میں مولانا سمیع الحق کو کہنا پڑا۔

جناب! آپ ہمیں قتل کر دیں' روند ڈالیں یا گڑھے میں ڈال دیں جو کچھ بھی کرنا چاہیں کر لیں مگر عملاً نفاذ شریعت کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔

(بحوالہ نوائے وقت راولپنڈی ۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء)

حضرت شیخ الحدیثؒ نے نفاذ شریعت کے لئے حق گوئی' بیباکی سے دو قدم آگے بڑھ کر حکمرانوں کے گریبان میں ہاتھ ڈالنے اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی روایت قائم کی' لیکن ناموری' شہرت اور ریا مقصود نہیں تھا یہ سب کچھ رب ذوالجلال کی رضا کے حصول کے لئے کیا آج کل آئینی حوالے سے پاکستان میں اسلام کا اگر نام باقی ہے تو بنیاد کے پتھر بننے کی سعادت اللہ نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو عطا فرمائی اور تمام تر اسلامی دفعات میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی مساعی کا ایک بڑا حصہ شامل ہے

باب ۲۲

استغناء اور سلاطین سے بے نیازی

اربابِ حکومت سے بے نیازی :

اللہ کا جو عبدِ حقیقی اللہ کی عظمت و کبریائی کے مقام سے آشنا ہو جاتا ہے پھر اس کی نظر میں دنیا و دولت ' کر و فر ' تزک و احتشام ' جاہ و جلال اور شاہانہ شان و شوکت بچوں کے کھیل اور گڑیوں کے گھر وندوں جتنی حیثیت رکھتے ہیں ۔ حکومت اور اربابِ حکومت کی حیثیت اس کے نزدیک مور و مگس سے زیادہ نہیں ہوتی --- ؎

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے' طاؤس فقط رنگ

حضرت شیخ الحدیثؒ کو بالطبع امراء و سلاطین سے لگاؤ نہیں تھا۔ صرف حسن خلق کی وجہ سے حسبِ ضرورت ان سے مل لیتے تھے ورنہ ان کی صحبت سے کوسوں دور بھاگتے --- ؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی

احقر کی ایک تحریر کا اقتباس ملاحظہ فرمایئے :

" ترویج و اشاعت علم دین کی مساعی اور دار العلوم حقانیہ کی بنیاد

حضرت شیخ الحدیثؒ نے اہل اسلام کی دینی رہنمائی بلکہ سلطنتِ اسلامی کی تاسیس' اسلامی معاشرہ کی اصلاح اور اس میں روحانیت اور انابت کی روح پھونکنے کے ساتھ ساتھ ابتداء سے سلاطین وقت اور حکمرانان مملکت سے لاتعلقی کے اصول پر رکھی تھی اور یہ اکابر علماء دیوبند کا ایک شعار' ائمہ امت کا خاص ترکہ اور امانت بن گئی تھی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس "شیشہ و آہن" کو جمع کرنے میں اپنا پورا کمال دکھادیا تھا۔ ایک طرف اربابِ حکومت و سیاست کے غلط رجحانات کا سدّباب و اصلاح' وقت کے فتنوں کا استیصال و تعاقب اور مسلمانوں کے مستقبل کی فکر میں مگن رہتے تھے تو دوسری طرف وہ ایک اصول اور عقیدے کے طور پر طے کر چکے تھے کہ حکومت کے عہدوں اور مناصب اور سلطان وقت اور اس کے دربار سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھنا ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ شرف صرف آپ ہی کو حاصل ہے کہ تین بار قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے مگر اس کے باوجود مروجہ لادین سیاست کے خارزار میں ان کا دامن کبھی نہیں الجھا۔ حکومتوں کے انقلابات آتے رہے مگر آپ کے دینی اور تعلیمی مساعی اور مرکز علم دارالعلوم حقانیہ کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

۱۹۸۵ء میں صدر ضیاء الحق مرحوم اور سابق وزیر اعظم محمد خان جونیجو جب پہلی مرتبہ کابینہ تشکیل دے رہے تھے تو صدر ضیاء الحق مرحوم نے بہ اصرار آپ سے وزارت میں آنے کی درخواست کی اور ہر ممکن یقین دلایا کہ انہیں سینئر وزیر کے منصب کے ساتھ ساتھ نفاذِ شریعت کے بارے میں پیش رفت کی مکمل اجازت ہوگی' مگر آپ نے یہ کہہ کر وزارت ٹھکرادی کہ میں بوڑھا اور ضعیف ہوں اور میں دارالعلوم

حقانیہ کی خدمت اور درس حدیث کو ایک لمحہ بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں، اور جب حکومت نے مرکز میں وزارت کے لئے آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سمیع الحق مدظلہ کے لئے اصرار کیا تو آپ نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ اسے دارالعلوم کے کام سے اتنی فرصت نہیں مل سکے گی کہ وہ وزارت کی ذمہ داریوں سے بھی عہدہ برآ ہو سکے۔ حکومت سے اس قدر استغناء اور بے نیازی کے باوصف حضرت شیخ الحدیثؒ کا اخلاص، انکی بے لوثی اور انکی بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کے باوجود مسلمہ رہی۔"

شان استغناء :

حضرت شیخ الحدیثؒ نے جب بھی کسی حکمران سے ملاقات کی تو مداہنت اور خوشامد سے کام نہیں لیا بلکہ اچھے اور بہتر انداز میں علمی وقار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے حکمت و خیر خواہی اور دل سوزی کے ساتھ تنقید کا ہتھیار بھی استعمال کیا۔ ۲۳/مارچ ۱۹۸۵ء کو صدر ضیاء الحق سے ملاقات کے دوران فرمایا :

" مسئلہ قادیانیت، سودی نظام کا خاتمہ اور اسلامی نظام کا نفاذ آپ کی اولین ذمہ داری ہے۔ علاوہ ازیں اخبارات میں فحش اور عریاں تصاویر کا معاملہ بھی تشویشناک ہے، اس پر خصوصیت سے توجہ دیں۔"

آپؒ کی علمی عظمت، خلوص، تقویٰ، للّٰہیت، حق گوئی و بے باکی اور شان بے نیازی کی وجہ سے حکمرانوں کو معلوم تھا کہ یہ وہ شخصیت ہے جو گردن کٹوانا جانتی ہے، گردن جھکانا نہیں۔ حضرت مولانا مدرار اللہ مدرار لکھتے ہیں :

" ان کی طبیعت میں حد درجہ تواضع اور انکساری تھی لیکن بایں ہمہ وہ باب امراء پر جانے سے ہمیشہ احتراز کرتے رہے۔ قومی اسمبلی کے اجلاس کے دوران بھی وہ ایوان صدر اور ایوان وزیر اعظم میں نہیں گئے بلکہ صدر

ضیاء الحق مرحوم حضرت شیخ الحدیثؒ کی ملاقات اور مزاج پرسی کے لئے کمرے میں تشریف لے گئے اور دیر تک ان سے بڑے خلوص و محبت کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ اسی طرح ملک و ملت کے دوسرے اکابر بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور ضروری امور پر ان سے تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ اصطلاح طریقت میں مرد درویش تھے لیکن وہ درویش جس نے دنیا کی عظمتوں اور شان و شکوہ کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا تھا اور اہل دنیا ان کی عظمتوں کو سلام کرتے تھے۔ کسی شاعر نے شاید ممدوح کے بارے میں یہ شعر کہا ہے --- ؎

ہوتا ہے کوہ و دشت میں پیدا کبھی کبھی
وہ مرد جس کا فقر خزف کو کرے نگیں

(الحق خصوصی نمبر، ص ۳۴۷)

سلاطین وقت سے لاتعلقی، بے رغبتی اور اہل حکومت و وجاہت کی بے وقعتی مردان خدا اور درویشان خدامست لوگوں کا پرانا شیوہ اور طریقہ ہے۔

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی
آئین جواں مردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مولانا سمیع الحق فرماتے ہیں :-

" صدر یحییٰ کے ملٹری سیکرٹری نے رات کو فون کر کے اصرار کیا کہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صدر یحییٰ سے ملاقات کریں اور مجھے کہا کہ

حضرتؒ سے اجازت لیکر وقت متعین کر دیا جائے گا۔ میں نے حضرتؒ تک بات پہنچا دی مگر حضرت شیخ الحدیثؒ کی فراست انہیں اس کی اجازت نہیں دے رہی تھی بڑے پریشان ہوئے۔ دوسرے روز مجھے درسگاہ میں آ کر بلایا اور کہہ دیا کہ صدر کے ملٹری سیکرٹری کا فون آئے تو صدر سے ملاقات کے لئے وقت کا تعین نہ کریں' صدر یحییٰ بے کار آدمی ہے' ان سے ملنا فضول ہے۔ (ذاتی ڈائری' ص۴۹)

حضرت شیخ الحدیثؒ کو اقلیم نیم شب کی حلاوت و طمانیت' سوز و گداز' ذوق قرآن اور تدریس حدیث کے مقابلے میں حکمرانوں کی قربت' صحبت' چند روزہ شان و شوکت اور نام و نمود سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ وہ حکمرانوں کی ملاقات' رفاقت' صحبت اور قربت کو اپنے دینی کام اور مصروفیات کے لئے رکاوٹ سمجھتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی پوری زندگی کو ان آلائشوں سے حتی الوسع پاک رکھا اور پوری زندگی اس حدیث "نعم الرجل الفقيه ان اجتح اليه نفع و ان استغنى عنه اغنى نفسه "(بہترین آدمی فقیہ ہوتا ہے' اگر اس کے پاس حاجت لے کر جائیں تو نفع پہنچائے' اگر اس سے کنارہ کر لیں تو وہ بھی بے پروا رہے) کے مفہوم کے مطابق گذاری۔ حکومتِ وقت کی کسی مراعت' وزارت' گورنری یا کسی بھی حکومتی عہدے کو درخور اعتناء نہیں سمجھا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کے پاس صدر ضیاء الحق مرحوم' وزیر اعظم جونیجو' گورنر فضل حق' حیات محمد خان شیرپاؤ' ارباب سکندر خان' سید غواث اور سابق وزیر دفاع علی احمد تالپور جیسے کارپردازان حکومت نیاز مندانہ حاضری دیتے لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ نے کبھی بھی ان سے اپنے لئے' اپنی اولاد اور تلامذہ کے لئے اور

دار العلوم حقانیہ کے لئے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ دنیاوی کروفر اور دنیا کی چمک ان کی چشم بینا کو خیرہ نہیں کر سکی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنے اعلیٰ کردار اور شان بے نیازی کی بدولت ایک ایسے شاندار تاریخ' اسوہ اور کامل نمونہ چھوڑا ہے جو مادیت کے اس دور میں حضرتؒ کے تلامذہ' متعلقین' محبین' مخلصین اور عامۃ المسلمین کے لئے مشعل راہ ہے۔

باب ۲۳

علالت اور وفات

حضرت شیخ الحدیثؒ بیمار ہوئے تو محبین و مخلصین، معتقدین و زائرین، مشائخ، علماء، فضلاء اور عامۃ المسلمین، افغان قائدین، محاذِ جنگ کے جرنیل اور مجاہدین کا حضرت شیخ الحدیثؒ سے ایک لمحہ صحبت، ایک نظر شفقت، ایک نگاہِ شوق اور ایک جھلک، ذوق دید کی تحصیل اور تکمیل کے لئے خیبر ہسپتال پشاور کے بالائی احاطہ کمرہ نمبر ۳ کی طرف تانتا بندھ گیا۔ ادھر سے بھی معاملہ ایسا ہی تھا کوئی بندش نہیں، کوئی روک ٹوک نہیں، ڈاکٹروں کے ہزار منع کرنے کے باوجود دور دراز سے عیادت کے لئے آنے والے مخلصین و محبین اور عامۃ المسلمین کی دل شکنی گوارا نہیں۔ سب کو ملاقات کی اجازت ہے، جو چاہے وقت بے وقت اپنے قلب اور ذوق عشق کی انگیخت پر کمرہ ۳ میں پہنچ جائے۔ شدید علالت، عوارض و امراض، ضعف اور شدت تکلیف کے باوجود حضرت شیخ الحدیثؒ سے ملاقات ہوتی تو یوں محسوس ہوتا گویا حضرتؒ آنے والوں کے لئے پہلے سے چشم براہ تھے۔

دھیمی، سلیس اور نستعلیقی گفتگو، محبت بھری ادائیں، شفقت اور پیار

سے معمور نگاہیں، پر نور ارشادات اور فیوض و برکات اور سادہ و بے تکلف اطوار اور عادات سے یہ ترشح ہوتا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے چاہنے والوں کے مطلوب نہیں طالب ہیں، محبوب نہیں محبّ ہیں، مخدوم نہیں خادم ہیں، مراد نہیں مرید ہیں اور کسی بھی دیکھنے والے کو یہ تاثر لینے میں قدرے بھی تامل کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ حضرت شیخ الحدیثؒ شدید بیماری کی تکالیف کے باوجود اپنے چاہنے والوں پر دل و جان سے نچھاور ہو رہے ہیں۔ صحبت شیخ کی ایک ایک ادا، نگاہِ شفقت کا سحر انگیز التفات، اس محبت اور حکمت بھرے لہجے کا محبوبانہ اتار چڑھاؤ، کس پہلو کو لیا جائے اور کیا بتایا جائے --- ع

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

دار العلوم کے اساتذہ، طلبہ اور خدام جب ہسپتال میں حاضر خدمت ہوتے تو ارشاد فرماتے: "اپنے کام میں لگے رہو، دار العلوم کا کام اور اس کی خدمت ہی سب کچھ ہے۔" ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے۔ گفتگو نرم، متانت اور محبت بھرے لہجے میں ہوتی۔ حضرتؒ یہ چاہتے تھے کہ دار العلوم کے اساتذہ اور طلبہ ہسپتال میں کم آئیں۔ آنے جانے اور بسوں اور ویگنوں میں اترنے بیٹھنے اور سفر کی زحمت برداشت نہ کریں اور اگر کبھی لامحالہ آنا بھی چاہیں تو ایسے اوقات میں تشریف لائیں کہ دار العلوم کے کام اور اس کے تعلیمی نظام میں حرج نہ ہو۔ حضرتؒ یہ بات ان سے کہنا بھی چاہتے تھے مگر اشارۃً و کنایۃً، صراحۃً کہنے سے اس لئے اجتناب فرماتے رہے کہ ان کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ میرے اس کہنے سے کہیں ان کے دل نہ ٹوٹنے پائیں۔ (الحق خصوصی نمبر، ص ۸۹۷)

مخدوم زادہ مولانا حافظ راشد الحق لکھتے ہیں:

"وفات سے کچھ وقت قبل آپ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت سارے علماء بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ مشورہ کر رہے ہیں اور سب کے چہرے

نورانی اور بہت رعب والے ہیں اور سب کے لباس ایک طرح کے ہیں اور وہ لباس دودھ کی طرح سفید ہیں اور اب میری بھی یہی خواہش ہے میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں اور ان کی صف میں رہنے کے لئے جگہ بناؤں۔" اچھا تو بات مجلس کی ہو رہی تھی۔ حضرتؒ نے بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ " مجلس کے آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ عبدالحق کو اب بلالاؤ اور مجھے کہا کہ تمہارا فیصلہ ہو چکا ہے، چلنے کی تیاری کرو۔ اتنے میں سید عصمت میاں صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا کہ حضرت اس فیصلے میں اپیل کرنے کی گنجائش موجود ہے یا نہیں۔ آپؒ مسکرائے کہ نہیں بیٹا یہ تو اٹل فیصلہ اور حکم ہے، اس میں مزید گنجائش نہیں ہے۔" میرے خیال میں داجی گلؒ (حضرت شیخ الحدیثؒ) نے یہ اس لئے فرمایا تھا کہ فیصلہ میں ردوبدل نہیں ہو سکتا کیونکہ مامور آمر سے، عابد معبود سے، مخلوق خالق سے، نوکر مالک سے یہ نہیں پوچھ سکتا کہ آپ نے مجھے یہ حکم کیوں دیا ہے، اس میں آپ کا کیا فلسفہ ہے اور کیا حکمت ہے۔ اس لئے داجی گلؒ (حضرت شیخ الحدیثؒ) بھی خاموش رہے۔

رات کے وقت میں حضرتؒ کے پاس وارڈ میں بیٹھا تھا تو میرے دل میں ایک وسوسہ اور کھٹکا سا پیدا ہوا کہ یہی تو نشانیاں ہیں اور یہی قرائن ہوتے ہیں اہل اللہ لوگوں کے بچھڑنے کے کہ جب وہ کوچ کرنے لگتے ہیں تو اس کے اثرات سورج کی روشنی کی طرح نظر آنے لگتے ہیں، مجھے شک سا ہوا کہ داجی گلؒ (حضرت شیخ الحدیثؒ) نے آج حجام کو بلایا، سنت وغیرہ درست کی اور صفائی وغیرہ کی اور مجھے ایک نصیحت کی اور اس نصیحت میں ایک تنبیہ اور ایک خبر بھی تھی اور پھر شام والا خواب بھی مجھے یاد آنے لگا تو مجھے وحشت سی ہونے لگی اور میں نے کہا یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ حضرتؒ ہمیں اس طرح تنہا چھوڑ دیں کہ ابھی حضرت کو بہت کچھ اسلام کے لئے، ملک کے لئے، اور ہم سب کے لئے کرنا ہے،

ہمیں آپؒ سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ (الحق خصوصی نمبر' ص ۱۱۷۹)

ایمان نصیب ہوا ہے :

حضرت اقدس کے داماد جناب افسر بہادر خان بیان کرتے ہیں کہ حضرتؒ کی وفات سے ایک روز قبل ۱۶ ستمبر کو تقریباً چار بجے شام احقر حاضر خدمت ہوا تو اس وقت حضرت C.C.O میں تھے۔ وہاں پر موجود عزیز و اقارب اور خدام نے بتایا کہ حضرتؒ کی طبیعت زیادہ خراب ہے اور غشی طاری ہے تو میں C.C.O گیا اور حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں عرض کیا حضرت! مزاج کیسا ہے ؟ میرے جواب میں حضرتؒ نے اونچی آواز سے تین بار کلمہ شہادت پڑھا' پھر ایمان مجمل اور ایمان مفصل اور اس کے بعد ایک حدیث پڑھی اور ارشاد فرمایا : سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایمان نصیب ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔

جناب افسر بہادر خان فرماتے ہیں گیارہ بجے حضرت شیخ الحدیثؒ کی چھوٹی صاحبزادی حاضر ہوئیں تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا : بیٹی تم گھر چلی جاؤ' میں بھی پیچھے چلا آرہا ہوں' جنازہ آرہا ہے' تم صفیں درست کرالو۔

(الحق خصوصی نمبر' ص ۸۸۶)

۱۷ ستمبر۔ جب سات ستمبر کا سورج طلوع ہوا تو آپ کی طبیعت ایک بار پھر خراب ہوئی اور آپؒ نے قے کی۔ اس وقت آپ کو آب زمزم پلایا گیا اور یہی آخری خوراک ثابت ہوئی۔

وفات :

۱۷ ستمبر ۱۹۸۸ء بروز بدھ بیس منٹ کم دو بجے پوری پون صدی کی تابناکی اور تابندگی کے بعد ماہتابِ علم و فضیلت اور آفتابِ رشد و ہدایت ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا' یعنی قائدِ شریعت' استاذ العلماء' محدثِ جلیل شیخ الحدیث

حضرت العلامہ مولانا عبد الحق صاحبؒ پورے عالم کو سوگوار چھوڑ کر داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

شیخ الحدیثؒ کا جنازہ :

صبح پو پھٹتے ہی ایک سیلاب تھا کہ اُمڈ آیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اہل اسلام اپنے محبوب قائد' اپنے عظیم رہنما اور اپنے شفیق استاد کی رخصتی بڑی محبوبانہ شان اور بڑی دھوم دھام سے منانا چاہتے ہیں۔ سب کے دلوں میں آپ کی عظمت تھی کہ آپؒ واقعۃً علم و عمل کی سچی تصویر اور سلف صالحین کا عملی نمونہ تھے۔ آپؒ کی عظمت و جلالت اور ہر گونہ صلاحیت و کمال کی شہادت آپؒ کی زندگی کا ہر تار نفس مہیا کر رہا تھا۔

احقر نے اس موقع پر بعض مشائخ اور اکابر علماء کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ طریق و ارشاد میں جنیدؒ وقت تھے' تبحر و معصومیت میں ثانی ابن حجرؒ تھے' سیاسی تدبیر و نظریات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے جانشین تھے' فقہی تدقیقات میں اپنے اساتذہ کا نمونہ تھے اور جامع الکمالات' گوناگوں صفات اور اخلاق و عادات میں شیخ العرب و العجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا عکس جمیل تھے۔ آپؒ کی ظاہری اور باطنی جامعیت کے پاک اثرات عامۃ مومنین اپنے قلوب میں موجزن پاتے تھے۔ سب نے رات بھر جاگتے گذاری' نیند کسے آنی تھی؟ سب کا ایک عالم تھا اور سب گویا زبان حال سے کہہ رہے تھے ----- ؎

تمام رات نہیں سوئے یاد کر کے تجھے
گرفتہ دل تھے بڑے روئے یاد کر کے تجھے

سب کی آنکھیں پرنم تھیں' تمام رات اور سحری کے مبارک اوقات آہ و

بکا، گریہ وزاری اور دعا والحاح میں گذاری تھی۔ صبح طلوع ہو چکی تھی اور جب سورج نے آسمان کی فضاؤں سے پہلی بار جھانکا تو دور دراز علاقوں سے دیوان گان شیخ عبدالحقؒ کے قافلے بسوں، ویگنوں، موٹروں، سوزکیوں، ڈاٹسنوں اور ٹرینوں کے ذریعہ اپنے محبوب کے محبوب شہر اکوڑہ خٹک کی طرف رواں دواں ہو چکے تھے اور جب سورج نے پوری طرح خود کو سنبھالا اور سیڑھی دواوپر چڑھ کر پورے منظر کو دیکھنا چاہا تو اس وقت سب لوگ دارالعلوم دیوبند کے بعد جنوبی ایشیا کی سب سے بڑی اور اپنے طرز کی واحد اسلامی یونیورسٹی، علم و عمل، افغان مجاہدین کے جرنیلوں اور ان کے محاذِ جنگ کے قائدین کی تربیت گاہ اور جہاد و حریت کی سب سے بڑی چھاؤنی دارالعلوم حقانیہ پہنچ چکے تھے۔ یہاں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی مگر قافلے اسی رفتار سے بڑھ رہے تھے جہاں پہلے سے ہزارہا مخلصین و محبین، معتقدین اور عامۃ المسلمین کا ایک عظیم جم غفیر اپنے محبوب اور مقدس راہنما کا آخری دیدار اور نمازِ جنازہ میں شرکت کی سعادت کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کے جانشین حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ اور ان کے دیگر برادران دارالحدیث کے سامنے صبح سے ۹ بجے تک کھڑے رہے اور آنے والے حضرات ان سے معانقہ، مصافحہ اور ہاتھ ملاتے رہے۔ اس موقع پر بھی اکابر علماء، مشائخ، دارالعلوم کے قدیم فضلاء، عام روحانی ابناء اور مخلصین کی حضرت شیخ الحدیثؒ کے تصورِ فراق سے بے اختیار چیخیں نکل جاتی تھیں مگر مولانا سمیع الحق، مولانا انوار الحق اور ان کے بھائی صبر و تحمل، استقامت اور عزیمت کا پہاڑ بنے رہے اور دوسروں کو تسلیاں دیتے رہے۔

صبح ۸ بجے اس مقدس اور عظیم ہستی کے جسدِ مبارک کو باہر لایا گیا جسے دنیا

مولانا، شیخ الحدیث اور قائد شریعت کے لقب سے یاد کرتی تھی، جس کے تقدس اور عظمت کے سامنے حکمران جھک جھک جاتے تھے، جس کی شرافت کا لوہا ملک کے تمام سیاستدان مانتے تھے، جس کی عظمت اور عزیمت کے سامنے اس دور کی بڑی سے بڑی اور اہم سے اہم شخصیت بھی سر نیاز خم کرنے کو قرین مصلحت سمجھتی تھی' انسانوں کا بے پناہ سمندر اس وقت موجود تھا کہ ضعفاء اور کمزور کچلے اور بمشکل سنبھل سکے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کا جنازہ حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے گھر سے نکلا اور سڑک کے کنارے سے ہوتا ہوا دارالعلوم کے صدر دروازے سے احاطہ دارالعلوم میں داخل ہوا اور پھر بہ ہزار دقت' بڑی تعب و مشکل اور نوجوان اور باہمت کارکنوں کی مستعدی اور حکمت عملی سے دارالحدیث کے اس مبارک اور مہبط انوار و برکات ہال میں پہنچادیا گیا جہاں حضرت شیخ الحدیثؒ نے زندگی بھر بخاری' مسلم' ترمذی' ابوداؤد اور متعدد کتبِ حدیث کا درس پڑھایا تھا اور جہاں ہزاروں علماء' فضلاء' مشائخ اور علوم نبوت کے ورثاء اور علوم دینیہ کے طلباء نے اس چشمہ فضل و معرفت' پیکر علم و عمل اور فیضان حق سے استفادہ فیض کیا تھا۔ اس کے بعد آفتابِ رشد و ہدایت اور ماہتابِ علم و فضل' قائد شریعت اور سالار قافلہ علماء حق کا دیدار عام شروع ہو گیا۔

اب اس کے بعد کا نقشہ کیسے کھینچوں! قلم کو تاب نہیں' الفاظ کو یارائے سخن نہیں' وہ کیفیات کیا تھیں؟ وجدانیات کی معراج کیا تھی؟ انوار و برکات کے مشاہداتی احساسات کیسے تھے؟ چہرہ اقدس کی تابانیت' معصومیت اور نورانیت کا کیا عالم تھا؟ مشتاقان دید ایک نظر دیکھنے کو کس طرح بے تاب اور مرغ بسمل تھے؟ اور دور سے ایک جھلک دیکھ لینے پر کس طرح نور و سرور اور کیف و مستی کی لذتیں

حاصل ہوتی تھیں؟ یہ نقشہ کون کھینچ سکتا ہے' مجھے ہزار کوشش اور سعی کے باوجود اس کے بیان کرنے سے قاصر اور عاجز ہونے کا اعتراف ہے۔ کوئی بھی اہل علم ہو اور اسے کتنا ہی اپنے قلم پر عبور ہو اور اسے جتنا بھی اپنی تحریر پر ناز ہو' اُن کیفیات کا صحیح نقشہ نہیں کھینچ سکتا جو وہاں طاری تھیں۔

تدفین:

جامعہ حقانیہ میں جانب شمال تقریباً ڈھائی پانچ سو طلبہ کی حفظ و تجوید کی پر فضا اور پر انوار عمارت میں آپ کو دفن کر دیا گیا --- ؎

مٹی میں کیا سمجھ کے دباتے ہو دوستو
گنجینہ علوم ہے' یہ گنج زر نہیں

اس محدث اعظمؒ کی قبر سادہ' نہ سنگ مرمر' نہ کمرہ' نہ چھت' کچی تربت' سادگی کی تصویر اور صاحبِ قبر کی بے نفسی کا آئینہ۔ گویا حضرتؒ کی قبر بھی وعظ و نصیحت ہے اور حضرت بعد از مرگ بھی یہ مسئلہ بتا رہے ہیں --- ؎

کون کہتا ہے یہاں پھول چڑھاتے جانا
کون کہتا ہے یہاں شمع جلاتے جانا
سر اخلاص سے اے ناز سے جانے والے
میری تربت پہ ذرا ہاتھ اٹھاتے جانا

جب سے حضرت شیخ الحدیثؒ کا وصال ہوا ہے تب سے آج تک قبر مبارک پر دارالعلوم حقانیہ کے دارالحفظ اور دارالتجوید کے طلبہ کی تلاوت قرآن کی آواز حضرتؒ کے رفع درجات کا یقینی وسیلہ ہے اور دارالحفظ کے قرب میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی آخری آرام گاہ ان کے لئے قطعی طور پر نزول برکت اور سکینہ و رحمت کا قطعہ ارض اور ہر لحاظ سے مبارک قرار گاہ ہے۔ آج بھی

جب روحانیت سے سرشار اہل کشف قبر مبارک پر تشریف لاتے ہیں تو مراقبہ میں انہیں انوار ہی انوار نظر آتے ہیں۔ یہ سب حضرت شیخ الحدیثؒ کے اعمال صالحہ ' خدمت قرآن و حدیث اور دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں صدقہ جاریہ کے فیوض و برکات ہیں اور انشاء اللہ تا قیامت رہیں گے۔

باب ۲۴

انسانِ عظیم، موت کے دروازے پر

اس عنوان کے تحت حضرت شیخ الحدیثؒ کے، قرب وصال یار، بے چینی اور شدید انتظار، سفر آخرت سے چند روز قبل کے ایام اور آخری ساعات کی گفتگو ارشادات، کیفیات، مشاہدات اور دلگداز وایمان آفرین واقعات درج کیے جارہے ہیں۔

کسی ایسی ہستی کی خصوصیات و کمالات، علمی و روحانی کیفیات، تعلق مع اللہ، قرب و معرفت اور سلوک الی اللہ کے حالات، بالخصوص آخری ایام وساعات تحریر کی تنگدامنیوں میں سمونا، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اجتبائی معاملہ ہو، جس کو علوم و معارف، قرب وعنایت، اہل اسلام کی محبوبیت، علماء کی سیادت اور دینی قوتوں کی قیادت اور مدارج عالیہ سے نوازا گیا ہو، نہ صرف دشوار بلکہ قریب قریب میرے جیسے کم علم اور بے بضاعت کے لئے ناممکن ہے کیونکہ روحانی کمالات باطنی کیفیات اور عبد و معبود کے درمیان، راز و نیاز اور عشق ومحبت کے نازک ترین معاملات کا صحیح علم خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہوتا اپنے اساتذہ اور اکابر اہل علم سے بارہا یہ سنا ہے کہ اہل اللہ کی زندگی کے آخری لمحات بڑے قیمتی اور قرب ومعرفت اور سلوک ووصال کے

اعتبار سے قابل رشک اور اہم ہوتے ہیں' حضرت شیخ الحدیثؒ کی علمی اور مطالعاتی ' تبلیغی اور قومی وملی اور سیاسی اور مسلسل جہادی مساعی کے فانوس میں عشق ومحبت' فکر آخرت' حقوق کی رعایت' اہل اسلام کی غمخواری اور جہاد افغانستان کی کامیابی اور ملت کے اتحاد کے جذبات کا ایک ایسا شعلہ تھا جو کسی بھی اہل علم' حضرتؒ سے ادنی تعلق رکھنے والے سے مخفی نہیں' خلوص ومحبت اور عشق وللّٰہیت کے اس جوہر کا اندازہ آپ کے سفر آخرت سے چند روز قبل کے ایام میں ہونے لگا اور آخری ایام وساعات کی گفتگو ارشادات اور معاملات میں اس کے شرارے سب کو نظر آنے لگے' کشتہ گان عشق الٰہی' محبان ذات رسالت پناہی اور واصلان بارگاہ الٰہی کی آخری ساعات کی روئیداد اہل علم محفوظ اور شائع کرتے چلے آئے ہیں' ہم بھی ذیل میں اپنے اکابر اور ائمہ امت کی اتباع میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے آخری ایام کے بعض حالات' حکایات' کیفیات اور بعض واقعات حضرتؒ کے قریبی رشتہ داروں' خدام اور ہسپتال میں خدمت کے لئے ساتھ رہنے والے احباب کی روایات سے پیش خدمت کر رہے ہیں۔

(نوٹ) قارئین کو اس باب میں دو تین واقعات ایسے بھی ملیں گے جو دیگر ابواب میں عنوان کی رعایت سے منقول ہو چکے ہیں' چونکہ یہ واقعات وحکایات اور مشاہدات حضرتؒ کے آخری لمحات کی چشم دید گواہی اور مبارک ترین لمحات کی روئیداد ہے اور اپنے اس مقام اور حالات وکیفیات میں ان کی جو اہمیت اور نتائج وثمرات ہیں وہ دوسری جگہ نقل کرنے میں نہیں' کہ پھول اپنے گلشن میں اچھا لگتا ہے اسلئے تمام واقعات کو اسی باب میں من وعن رہنے دیا تا کہ اصل افادیت قائم رہے۔

عیادت کرنے والوں کے لئے خصوصی ہدایات

حضرت شیخ الحدیثؒ کی طبیعت میں اپنے اکابر اور مشائخ کی طرح صحیح النسبت مشائخ اور نائبین رسول کی سنت کے مطابق اہل تعلق خدام' اضیاف اور عامۃ المسلمین کے ساتھ ایسی محبت اور شفقت ودیعت ہوئی تھی جو بعض اوقات اپنے ایک استاذ کے الفاظ کے مطابق حاضرین و متعلقین کو ماں کی شفقت کی یاد تازہ کر دیتی تھی وفات سے قبل کی ساعات میں بھی تیمارداری کے لئے آنے والے آپ کی عنایتوں سے محروم نہیں جاتے تھے اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق حصہ پا لیتے تھے ان ایام میں بھی حضرتؒ کی شفقت اور غمخواری خلق کے جذبات دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا تھا کہ ,, اولئك قوم لا يشقىٰ جليسهم (یہ وہ حضرات ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا) چنانچہ وفات سے تین روز قبل حضرتؒ کے خصوصی خادم جناب عبدالرب خان کے مطابق ان سے تاکید فرماتے ہوئے حضرت شیخ الحدیثؒ نے ارشاد فرمایا کہ

> جو مہمان یہاں ہسپتال میں عیادت کے لئے تشریف لائے ہیں اور ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو انہیں میری ملاقات کیے بغیر رخصت نہ کرنا اسلئے کہ یہ لوگ بڑی محبت سے میرے پاس آتے ہیں اگر میں ان سے ملاقات نہ کروں تو خدا نہ کرے کہ یہ لوگ میرے لئے بددعا کر دیں یا ان کے دل کو تکلیف ہو' تو یہ آخرت کا خسارہ ہے جب کوئی مہمان آئے تو اخراجات اور ان کی تواضع میں بخل نہ کرنا' اللہ تعالیٰ دیتا رہیگا

ہم محبت کرنے والے لوگ ہیں

جناب عبدالرب خان صاحب راوی ہیں کہ اسی روز جب طبیعت بہت ناساز ہوئی تو حضرت شیخ الحدیثؒ بار بار اوپر نظر اٹھا کر دیکھتے تھے' جذب و کیف کا عجیب عالم تھا اور خود اپنے ساتھ باتیں کرتے جاتے تھے اور جب ہم نے

حضرتؒ کے ارشادات کان لگا کر سنے تو آپ ارشاد فرمارہے تھے۔

ہم بہت کمزور، غریب اور خاکسار لوگ ہیں اور یہ لوگ جو ہمارے ساتھ تھوڑی بہت محبت کرتے ہیں، یہ دین کی ادنیٰ خدمت کی برکت ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم پر رحم فرمایا اور ہمیں توفیق بخشی کہ اسی کی توفیق سے اکوڑہ میں مدرسہ کی بنیاد رکھی اور ہم بہت بے ضرر اور کمزور لوگ ہیں اور آپ کے پاؤں کی خاک ہیں ہم وہ لوگ ہیں کہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ایک دوسرے کے ہاتھ چومتے ہیں ہم محبت کرنے والے لوگ ہیں نفرت والے نہیں۔

جہاد اور شہیدوں سے تعلق:

جناب عبدالرب خان نے کہا کہ حضرت اقدسؒ کی یہ باتیں سن کر میرا خیال ہوا کہ شاید یہ بیماری اور علالت کی وجہ سے حضرتؒ کو ردو بدل خیالات آتے ہیں اسلئے میں نے آپ کے خیالات بدلنے کے لئے عرض کیا حضرت! کیا ہوا؟ تو ارشاد فرمایا

نہیں نہیں، ہم شہیدوں کی زمین پر کھڑے ہیں، یہ شہیدوں کی زمین ہے، یہاں پر سید احمد شہیدؒ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے لڑائیاں لڑی ہیں، جہاد کیا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے پھر حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا حضرت! بیماری کی وجہ سے آپ کے ذہن میں غلط خیالات آتے ہیں، آپ سو جائیں اور آرام فرمائیں، یہ ہسپتال ہے شیدو نہیں، آپ نے کسی قسم کی زیادتی کسی شخص سے بھی نہیں کی ہے تو جواباً ارشاد فرمایا

میں بوڑھا شخص ہوں کسی سے کیا زیادتی کرسکتا ہوں،، پھر چادر کاندھے پر رکھی اور فرمایا تانگہ لے آؤ تاکہ گھر چلا جاؤں میں نے

عرض کیا حضرت! اگر اجازت ہو تو ایک بات عرض کر دوں؟ ارشاد فرمایا تم زیادہ باتیں نہ کرو، ذکر کرو، استغفار زیادہ پڑھو، یہاں شیدو کے میدان میں جو لوگ جمع ہیں، یہ ہماری آنکھوں کا نور ہیں اور ہم ان کے پاؤں کی خاک ہیں، ان لوگوں نے دارالعلوم کے کام میں بڑی دوڑ دھوپ کی ہے ان لوگوں کے ہم پر بہت زیادہ احسانات ہیں۔

حلقہ انتخاب کے مسلمانوں کا شکریہ:

اس موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

تحصیل نوشہرہ کے لوگوں کا بہت بہت شکریہ ادا کر دیں، یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے ہمیں ووٹ نہیں دیے تھے بلکہ شریعت کو دیے تھے،،

مجاہدین کے لئے دعا:

اسی روز ارشاد فرمایا

میں اپنے متعلقین اور تلامذہ سے کہتا ہوں کہ جہاد کے لئے تیاری کرلیں ہم نے جو کام شروع کیا تھا اسے وہ جاری رکھیں، افغان مجاہدین کو باری تعالیٰ فتح دے، خدا تعالیٰ دشمن کے مقابلے میں ان کے تنکوں کو تلواریں بنا دے ان کے پاؤں کی گرد کو خدا تعالیٰ دشمن کے لئے ایٹم بم بنا دے۔

خدام کی تربیت اور تادیب وسرزنش:

پھر اسی روز چار بجے صاحبزادہ مولانا انوارالحق اور جناب حفظ الرحمان صاحب تشریف لائے، اس وقت حضرتؒ چارپائی پر تشریف فرما تھے ہم نے عرض کیا حضرت! آپ سو کر آرام فرمالیں فرمایا۔

میں بیٹھے ہوئے اچھا ہوں ہم نے عرض کیا حضرت! آپ کے لئے بیٹھنے کے بجائے سو کر آرام کرنا بہتر رہے گا، ارشاد فرمایا ،،حکم کی تعمیل

کرو جو بات کہوں وہی مانو،،۔

دوران سر اور بینائی کی شکایت:

اس سے ایک روز قبل حضرتؒ بڑے پریشان تھے اور بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے اور کسی سے بھی بات کرنے یا بات کا جواب دینے پر آمادہ نہیں تھے اسی دوران آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سمیع الحق تشریف لائے میں نے انہیں ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا کہ حضرتؒ صبح سے پریشان ہیں اور آج آپ کا اور مولانا انوار الحق صاحب کا بار بار پوچھ رہے ہیں مولانا سمیع الحق مدظلہ حضرتؒ کے قریب ہوئے اور چارپائی کی پائنتی پر بیٹھ گئے اور حضرت سے گفتگو شروع کر دی کیا آج آپ کی طبیعت ناساز ہے کوئی پریشانی ہے یا بیماری کی وجہ سے؟ حضرت اقدسؒ نے فرمایا صبح سے سر کا چکر ہے' دوران سر کی تکلیف ہے' نظر پر بھی بوجھ پڑ رہا ہے' کچھ نظر نہیں آتا' کبھی تھوڑی سی روشنی آجاتی ہے اور کبھی وہ بھی غائب ہو جاتی ہے' ڈاکٹر سے بات کرنی چاہئے کہ میری آنکھیں ملاحظہ کر لی جائیں۔

مولانا سمیع الحق نے عرض کیا ڈاکٹر کہتے ہیں کہ عمر کا تقاضا ہے نظریں کھلیں گی لیکن آہستہ آہستہ! مولانا سمیع الحق نے آپ کے ہاتھوں سے عینک لے لی اور شفیق فاروقی کو دے دی کہ اس کو صاف کر دیں انہوں نے صفائی کر کے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کر دی۔

عورتوں کو تنبیہ و نصیحت:

اسی روز حضرتؒ کے ہسپتال کے کمرہ میں کوئی تین چار عورتیں آئیں جو حضرتؒ کی بیماری کا سن کر عیادت کے لئے آئی تھیں اور پھر دعاؤں اور تعویذات کا مطالبہ بھی کیا تو حضرتؒ نے ارشاد فرمایا دیکھو تم سے ایک بات کہتا ہوں مگر اسے میری نسبت سے کسی پر ظاہر نہ کرنا' تا کہ کوئی ناراض نہ ہو جائے پھر

تاکید کی اور فرمایا۔

عورتوں کو کسی طریقہ سے سمجھا دینا چاہئے کہ ان کا ہسپتال میں میری عیادت کے لئے آنا درست نہیں یہاں تو زیادہ تر مرد ہی مرد ہیں بہت بری بات ہے کہ عورتیں آتی ہیں پھر میں بیمار بھی ہوں اب تعویذات کا اصرار کسی طرح بھی مناسب نہیں

سلیقہ مندی اور ملائمت کی تاکید:

اسی روز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ڈاکٹروں' نرسوں اور آنے والے ملاقاتیوں سے جب بھی ملو اور کوئی بات کرنا چاہو تو بہت سلیقہ مندی کے ساتھ نرمی اور عاجزی کے ساتھ تاکہ کسی کی ناراضگی نہ ہو۔

اسی روز جب حضرتؒ کے صاحبزادے مولانا انوار الحق تشریف لائے تو حضرتؒ نے ان سے فرمایا کہ ڈاکٹروں سے رخصت لے لو اور ان سے کہہ دو کہ وہ ہم سے ناراض نہ ہوں کہ انہوں نے ہماری بہت خدمت کی ہے اس وقت حضرت شیخ الحدیثؒ کا دل یہ چاہتا تھا کہ اب وہ گھر چلے جائیں۔

افغان مجاہدین سے مالی امداد:

جناب ڈاکٹر سید داؤد صاحب جو حضرت شیخ الحدیثؒ کے داماد بھی ہیں راوی ہیں کہ ستمبر کی چوتھی تاریخ تھی' میں حاضر خدمت تھا کچھ دوسرے حضرات بھی موجود تھے حضرت نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم یہاں میرے ساتھ موجود رہو باقی حضرات کو کچھ دیر کے لئے رخصت کر دو' جب لوگ چلے گئے تو

حضرت نے مجھے وصیت فرمائی کہ دارالعلوم کے ناظم صاحب سے کہہ دو کہ میرے ترکہ سے افغان مجاہدین کے لئے ایک لاکھ روپیہ دے دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بانی دارالعلوم کی حیثیت سے میں اپنا ترکہ بھی دارالعلوم کے نام کیے دیتا ہوں۔

جو ہونا تھا سو ہو گیا ہے:

جناب ڈاکٹر داؤد شاہ صاحب راوی ہیں کہ جب ۴ ستمبر کو حضرتؒ پر بیماری کا شدت سے حملہ ہوا تو آپ کو وی آئی پی روم سے منتقل کر کے انتہائی نگہداشت کے کمرے میں لایا گیا اس موقعہ پر جب ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا کہ حضرت! طبیعت کیسی ہے؟ تو ارشاد فرمایا

جو ہونا تھا سو ہو گیا ہے فکر کی ضرورت نہیں بس دعا کرتے رہئیے۔

سرور کائنات ﷺ کا وسیلہ

صاحبزادہ حامد الحق حقانی اور مولوی عبدالرحمان کا بیان ہے کہ ۴ ستمبر کی رات تھی کوئی ڈھائی بجے کا وقت تھا اور ہم دونوں حضرتؒ کی چارپائی کے ساتھ کھڑے تھے، حضرتؒ پر استغراق اور جذب وکیف کی حالت طاری تھی اور ارشاد فرما رہے تھے۔

کوئی مانے یا نہ مانے جس طرح بعض لوگ وسیلے سے انکار کا اختلاف رکھتے ہیں کم ازکم میں تو ان لوگوں میں نہیں، میں تو کہتا ہوں کہ ہماری شفاعت کا وسیلہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ ہیں پھر کتاب الحج کی ایک حدیث پڑھی اور فرمایا کہ جس طرح بندوں اور خدا کے درمیان معافی کا ایک ذریعہ حجر اسود ہے کہ اس کے بوسہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کی نجات اور مغفرت کا ایک ذریعہ حضور اقدس ﷺ ہیں۔

دونوں کی روایت یہ ہے کہ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرتؒ کی داڑھی کو کسی نے کنگھی دے رکھی ہے چہرہ اقدس نور کی طرح چمک رہا تھا منظر بڑا نورانی تھا پردہ کی جانب رخ تھا، کمرہ کی لائٹ بند تھی، باہر سے ہلکی ہلکی روشنی آرہی تھی اور چہرہ انور کی تابانی دل موہ رہی تھی پھر حضرتؒ نے ہمیں مخاطب

کر کے ارشاد فرمایا

مہمانوں کا خیال رکھو یہ بڑے معزز مہمان ہیں‘ پھر چار بج گئے تو حضرتؒ نے نماز تہجد ادا فرمائی ۔

غلبہ حیاء:

جناب ڈاکٹر داؤد صاحب راوی ہے کہ ۵ ستمبر کو حضرتؒ کی طبیعت جب بہت خراب ہوگئی تھی تو اس وقت ارشاد فرمایا کہ برتن چاہئے کہ چھوٹے پیشاب کا تقاضا ہے میں نے جب برتن آگے کیا تو حضرتؒ غلبہ حیاء کی وجہ سے اس برتن میں پیشاب کرنے پر آمادہ نہ ہوئے میں نے اصرار کیا کہ حضرت! میں تو خود ڈاکٹر ہوں مجھ سے حیاء اور حجاب کیسا؟ مگر حضرتؒ کسی بھی صورت نہ مانے اور میرے اصرار کے باوجود لیٹ گئے اور پیشاب نہ کر سکے۔

اتباع سنت کا اہتمام:

جناب ڈاکٹر داؤد صاحب راوی ہیں کہ ۵ ستمبر کو انتہائی نگہداشت کے کمرہ میں میں حضرتؒ کے ساتھ تھا کہ حضرتؒ بار بار چارپائی پر بیٹھ جاتے اور ساتھ رکھی ہوئی پگڑی کو بڑے اہتمام سے اپنے سر پر باندھنا شروع کر دیتے اسی دوران جب ایک مرتبہ غلبہ حال اور استغراق کی کیفیت طاری ہوئی تو ارشاد فرمایا

ہمارا عصاء لے آؤ ہم تو سنت رسول ﷺ کی اتباع کے پیش نظر جا رہے ہیں صرف پانچ منٹ ہی تو لگیں گے‘ سنت کی اتباع بہت ضروری ہے۔

تلامذہ اور خدام و متوسلین کے لئے بشارت:

جناب حفظ الرحمان جو حضرتؒ کے داماد بھی ہیں‘ نے روایت بیان کرتے ہوئے کہا۔

خدا گواہ ہے کہ اس بات میں کوئی مبالغہ یا خلاف واقعہ بات نہیں ہے کہ ایک مرتبہ تقریباً دو بجے رات کے حضرت اقدسؒ اٹھے اور چار پائی پر بیٹھ گئے میں نے عرض کیا حضرتؒ! آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں (میری غرض یہ تھی کہ شاید کسی خدمت یا قضائے حاجت کی ضرورت ہو) تو ارشاد فرمایا نہیں بیٹے! ایسا نہیں' بلکہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور وہ سب آپ حضرات کے لئے کھلے ہوئے ہوں گے۔

یہ روایت بار بار پڑھتے چلے جایئے اور حضرت شیخ الحدیثؒ سے جن حضرات کو بھی تعلق و خدمت' تلمذ و استفادہ' نسبت و مناسبت' آپ کے مشن و پیغام سے محبت جتنی بھی زیادہ ہوگی وہ اتنا زیادہ اس بشارت میں اپنا استحقاق پائیں گے۔

☆ ۵ ستمبر: جناب اظہار الحق صاحب کو وصیت فرمائی کہ چاروں بھائی اتفاق سے رہیں اور دین کی اشاعت کے لئے کام کرتے رہیں۔

☆ ۵ ستمبر: وفاقی وزیر جناب مولانا وصی مظہر ندوی' مولانا انوار الحق کی رفاقت میں جب حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں عیادت کے لئے حاضر ہوئے تو حضرتؒ نے ان سے ہاتھ ملایا' تعارف پر پہچان لیا' ان کی زحمت فرمائی اور تکلیف پر شکریہ ادا کیا مولانا وصی مظہر ندوی نے فرمایا! حضرت آپ کا وجود پورے عالم اسلام' پاکستان' بالخصوص صوبہ سرحد کے لئے مغتنمات سے ہے آپ نے دین اسلام کی بڑی خدمت کی ہے' خدا تعالیٰ صحت و عافیت عطا فرمائے حضرتؒ نے فرمایا آپ کا حسن ظن ہے میں تو کسی کام کا نہیں میں تو معیدی کے اس قول ع

تسمع بالمعیدی خیرا من ان تراہ
و ستعرف قدرہ ان فتح فاہ

کے مصداق ہوں مولانا ندویؒ نے فرمایا حضرت نہیں آپ تو اس شعر کے مصداق ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ آپ کے کارنامے اور خدمات جلیلہ اس سے کئی گنا بڑھ کر ہیں جتنے مشہور ہو چکے ہیں۔

مولانا انوارالحق مدظلہ کا بیان ہے کہ مولانا وصی مظہر ندوی چونکہ وزیر ہیں اور سرکاری عہدے ومنصب کے اعتبار سے بڑے اکرام واعزاز کے مستحق تھے حضرت شیخ الحدیثؒ نے مجھے اس وقت شدت سے تنبیہ فرمائی کہ ان کے لئے کرسی لے آؤ بار بار اصرار فرمایا تو میں نے مولانا وصی مظہر ندوی سے کہہ دیا کہ آپ حضرتؒ سے کہہ دیں کہ میں کرسی پر بیٹھا ہوں چونکہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو حضرت شیخ الحدیثؒ کو قرار آیا۔

مولانا سمیع الحق کی حج سے واپسی پر مسرت:

مولانا سمیع الحق اپنے بچوں کے ساتھ حج کے سفر سے واپسی پر سیدھے ہسپتال آئے حضرت پر مولانا اور بچوں سے مل کر خوشی کی عجیب کیفیت طاری تھی اور فرمایا کہ اسوقت اگر مٹھائی ہوتی تو تقسیم کر لی جاتی خوشی کا موقع ہے حضرتؒ یہ فرما ہی رہے تھے کہ اچانک دروازہ کھلا اور حضرتؒ کے داماد مولانا اشرف علی قریشی اپنے بچوں سمیت کمرے میں داخل ہوئے اور ساتھ مٹھائی کے ڈبے اٹھائے ہوئے تھے حضرتؒ بے حد خوش ہوئے اور فرمایا دیکھا اللہ تعالیٰ نے ہماری سن لی اور مٹھائی سب پر تقسیم فرمادی مولانا اشرف علی قریشی فرماتے ہیں کہ حضرت الشیخؒ مولانا سمیع الحق سے بے حد خوش تھے اور مجھے بارہا یہ فرمایا کہ سمیع الحق کی وجہ سے میری عزت میں اضافہ ہوا اس نے میری عزت بڑھا دی ہے۔

امالی ترمذی کے مسودات کی فکر:

حضرت شیخ الحدیثؒ سے مولانا سمیع الحق کی آخری ملاقات وفات سے

ایک دن قبل ہوئی' وہ نہایت نگہداشت کے وارڈ میں تھے مولانا سمیع الحق عصر کے وقت ان کے پاس حاضر تھے کہ حضرتؒ لیٹے لیٹے اپنے پہلو میں بستر پر کچھ ٹٹولنے لگے تو مولانا سمیع الحق نے کہا حضرتؒ کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟ فرمایا ترمذی شریف کے امالی (جس میں ان کے شیخ حضرت مدنیؒ کی آراء بھی شامل ہوتے تھے اور حضرتؒ کو ان کی حفاظت کا زندگی بھر بڑا اہتمام رہتا تھا) کے اوراق اور مسودات بکھر رہے ہیں کہیں ورق ادھر ادھر نہ گر جائیں' انہیں تلاش کر کے اکھٹے کرلو اور رومال میں جمع کر کے باندھ لو' مولانا سمیع الحق نے کہا بہت اچھا! آپ آرام فرمائیں میں دیکھتا ہوں اور پھر کہا کہ حضرت سارے مسودے موجود ہیں کوئی ورق نہیں گرا میں نے باندھ دیے ہیں' مولانا سمیع الحق فرماتے ہیں کہ میں نے پھر ان کی نیم غنودگی کے عالم میں ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا' مصافحہ کر کے اجازت لینی چاہی اور جاتے وقت چند لمحے قدموں میں کھڑے ہو کر حضرتؒ پر نگاہ ڈالی حضرتؒ اس حالت میں بھی عمامہ زیب تن کیے ہوئے تھے اور چہرہ پر عجیب انوار اور طمانیت محسوس ہو رہی تھی جسے سنت میں گویا مصحف کریم کے صفحہ سے تعبیر کیا گیا مولانا سمیع الحق فرماتے ہیں کہ کیا معلوم تھا کہ سراپا انوار چہرہ اقدس پر میری نگاہ آخری ہے مجھ سے حضرتؒ کی آخری بات احادیث کے امالی اور مسودات کی حفاظت کی ہوئی جو اپنے لئے ایک عظیم سعادت بھی اور ایک بہت بڑی عظیم ذمہ داری اور امانت بھی سمجھتا ہوں۔

ایمان نصیب ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے:

حضرتؒ کے داماد جناب افسر بہادر خان بیان کرتے ہیں کہ حضرتؒ کی وفات سے ایک روز قبل ۶ ستمبر کو تقریباً چار بجے شام احقر حاضر خدمت ہوا تو اس وقت حضرت CCO میں تھے وہاں پر موجود اقارب اور خدام نے بتایا کہ حضرتؒ کی طبیعت زیادہ خراب ہے اور غشی طاری ہے تو میں CCO میں گیا

اور حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں عرض کیا حضرت مزاج کیسا ہے میرے جواب میں حضرتؒ نے اونچی آواز سے تین بار مکمل ایمان مجمل امنت بالله کماهو باسمائه وصفاته وقبلت جميع احكامه اقرار باللسان وتصديق بالقلب اور ایمان مفصل امنت بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر والقدر خيره وشره من الله تعالىٰ والبعث بعد الموت پڑھا' اس کے بعد ایک حدیث پڑھی اس کے بعد CCO میں ایک ڈاکٹر صاحب آئے اور حضرتؒ سے صحت دریافت کی تو حضرتؒ نے جواب میں جسمانی اور مادی صحت یا حالت بتانے کے بجائے روحانی عافیت کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایمان نصیب ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے جناب افسر بہادر خان نے اس موقع پر حضرت شیخ الحدیثؒ سے وصیت بھی سنی آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے شاگردوں سے کہہ دو کہ دین کی اشاعت کریں اور میں نے جو کچھ بنایا ہے دیکھو وہ خراب نہ ہونے پائے اور میرے پسماندگان کو خدا تعالیٰ ہر آفت اور ہر مصیبت سے مامون رکھے ۔ جب عشاء ہوئی تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے نماز کا کہا' احقر نے تیمّم کرایا اور آپ نے تیمّم کر کے نماز پڑھی۔

فیصلہ ہو چکا تھا:

جناب صاحبزادہ صاحب آف شیدو کا بیان ہے کہ ۶ ستمبر پونے چھ بجے شام حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت عالی میں حاضر ہوا' بغیر میری کسی پیشگی گفتگو یا کسی تعارف کے مجھے از خود صورت سے پہچان لیا اور میرا نام لیکر مجھے ارشاد فرمایا

بیٹے! تم تو سویرے بھی آئے تھے میں نے تمہاری ساری باتیں سن لی

تھیں مگر میرا فیصلہ ہو چکا تھا اسلئے میں تم سے بات نہ کر سکا۔

میں نے عرض کیا خدا تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائیں گے خیر ہو جائے گی خدا تعالیٰ ہمارے لئے آپ کا سایہ رحمت قائم رکھے۔

بینائی درست ہوگئی ہے:

اسی روز آنکھوں کی بینائی تیز ہو چکی تھی اسکی تصدیق جناب شفیق الدین فاروقی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے ان کا بیان ہے کہ ,,ساڑھے نو بجے دن جب میں نے حضرتؒ کو دو کپ چائے پلائی اور تیسری بار پیالہ بھرا اور پیش خدمت کیا تو حضرتؒ نے پیالے کو ہاتھ میں پکڑا میں نے ابھی پیالہ اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا کہ حضرتؒ نے میرے ہاتھ کے انگوٹھے کو پکڑ لیا اور رارشاد فرمایا

یہ موٹی سی چیز کیا ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت! یہ میری انگلی ہے پھر مسکرا دیے اور ارشاد فرمایا خدا کا شکر ہے کہ میری نظریں اچھی ہوگئی ہیں ہر چیز صاف نظر آتی ہے۔

علاوہ ازیں جناب مولانا انوار الحق، صاحبزادہ حامد الحق، عبدالرحمان، جناب عبدالرب خان اور دیگر کئی ایک اقارب و خدام کا بیان ہے کہ وفات سے دو روز قبل حضرتؒ کی بینائی تیز ہوگئی تھی اس سے قبل جب بھی کوئی تیمارداری کرتا تو آپ دیگر امراض اور عوارض کے ساتھ بینائی کی کمزوری کا بھی ضرور ذکر فرماتے مگر ان دنوں بینائی کی کمزوری کا بیان کرنا چھوڑ دیا اور آپؒ کے عام حالات، مشاہدات اور استفسار و ارشادات سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ دور کی چیزیں بھی آپ کو صاف نظر آتی ہیں، دوائی کی چھوٹی چھوٹی بوتلیں بھی پہچان لیتے تھے۔

حکم تو خدا تعالیٰ کا ہے:

جناب پروفیسر محمود الحق، مولانا عصمت شاہ کاکاخیل اور صاحبزادہ راشد الحق راوی ہیں کہ ٦ ستمبر کی شام تقریباً سات بجے کے قریب وقت تھا

حضرت پر غلبہ حال اور استغراق کی کیفیت قدرے کم ہو چکی تھی جبکہ اس سے قبل اکثر اوقات تقریباً یہی کیفیت طاری رہی' تینوں حضرات کا بیان ہے کہ جب حضرتؒ کو افاقہ ہوا تو ہمیں ارشاد فرمایا

> ناراض نہ ہونا تمہاری ساری باتیں میں نے سنی ہیں مگر مجھے بات کرنے کا حکم نہیں تھا میں نے دو خواب دیکھے ہیں ایک تو بڑا خطرناک ہے وہ نہیں بتاؤں گا دوسرا خواب یہ دیکھا ہے کہ سارے اقارب' رشتہ دار اور احباب موجود ہوتے ہیں کہ میں مر جاتا ہوں میں تمہاری باتیں سن رہا تھا مگر تمہارے ساتھ بات اسلئے نہ کر سکا کہ جب حکم ہوا ہے تو باتیں کس لئے کروں گا۔

مولانا عصمت شاہ نے عرض کیا حضرت! اس حکم اور فیصلہ میں اپیل کی بھی گنجائش ہے کہ نہیں؟ حضرتؒ مسکرائے اور ارشاد فرمایا اپیل کی گنجائش تو ہوگی مگر حکم تو خدا تعالیٰ کا ہے۔

بارگاہ ربوبیت میں استغاثہ و مناجات:

حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی روایت ہے کہ غلبہ حال اور استغراق (جسے ڈاکٹر بیہوشی کہتے تھے) کی حالت میں بھی حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہونٹ برابر متحرک رہتے تھے' میں نے سمجھا شاید کوئی بات کہنا چاہتے ہیں یا کوئی ضرورت ہے یا کوئی پیغام دینا چاہتے ہیں مگر جب حضرتؒ کے ہونٹوں کے قریب کان لگا کر سنا تو زبان پر ذکر و استغفار کے یہ کلمات طیبات جاری تھے یا حی یا قیوم برحمتك استغیث زندگی بھر یہی وظیفہ رہا' وظائف اور معمولات کے دوران بھی یہ ورد بڑے اہتمام سے کرتے تھے تو بظاہر مادی یا جسمانی اعتبار سے ڈاکٹروں کے بقول بے ہوشی اور از خود رفتگی کے باوجود بھی روحانی عبدیت کے اعتبار سے اپنے رب غفور رحیم کی بارگاہ سے تعلق خاطر کے

لحاظ سے از خود رفتہ نہیں ہوتے تھے۔

پھر آنے کی تکلیف نہ کرنا:

صاحبزادہ حامد الحق کا بیان ہے کہ حضرتؒ کے انتقال کے روز ۷ ستمبر کو دس بجے سے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تک حضرتؒ کی خدمت میں رہا حضرتؒ کو تکلیف تھی مگر اس کے باوجود بھی خاندان کے افراد اور دارالعلوم کے اساتذہ وطلباء کی خیریت دریافت فرمائی اور دعائے صحت کے لئے فرمایا' جب ساڑھے گیارہ بج گئے تو میں نے اجازت چاہی حضرتؒ نے اجازت مرحمت فرمائی اور مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا' ہاتھ ملاتے ہوئے ارشاد فرمایا بیٹے! پھر آنے کی تکلیف نہ کرنا' بس ہو گیا،،

جنازہ آرہا ہے صفیں درست کرلو:

جناب افسر بہادر خان راوی ہیں کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی چھوٹی صاحبزادی حاضر ہوئیں' یہ کوئی گیارہ بجے کا وقت تھا حضرت شیخؒ نے ان سے فرمایا۔

بیٹی! تم گھر چلی جاؤ میں بھی پیچھے چلا آرہا ہوں' جنازہ آرہا ہے تم صفیں درست کرالو۔

جناب افسر بہادر' پروفیسر محمود الحق' الحاج ممتاز خان اور ڈاکٹر سید داؤد صاحب راوی ہیں کہ ۷ ستمبر کو بارہ بجے دن تک حضرت شیخ الحدیثؒ کو اطمینان اور سکون رہا' بارہ بجے بدن مبارک پر لرزہ طاری ہو گیا' ڈاکٹروں کے معائنہ کے بعد ڈرپ اتار دی گئی مگر لرزہ میں کوئی فرق نہ آیا' اس دوران قے بھی ہوئی بدن مبارک پسینہ سے شرابور ہو رہا تھا' وقت گزرتا گیا اور لرزہ بڑھتا گیا' ایک بجے کے بعد جب بخار ٹیسٹ کیا گیا تو ۱۰۲ درجے تک پہنچ گیا تھا' ڈاکٹر حضرات اپنی تگ ودو ادویات کی تجویز اور بخار کو کم کرنے کی مساعی میں لگے رہے' ڈیڑھ

بجے جب بخار ٹیسٹ کیا گیا تو ۱۰۳ درجے تک پہنچ گیا تھا ڈیڑھ بجے سے وقت آگے بڑھ رہا تھا' حضرت شیخؒ کے ہونٹ مبارک متحرک تھے' کلمہ شہادت کا ورد جاری تھا کہ ایک بج کر چالیس منٹ پر روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے ہمیشہ کے مستقر میں پہنچ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔